دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر — نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر



فلسفۂ اقبال
اور
نیا پاکستان

ڈاکٹر ہارون الرّشید تبسّم

فلسفۂ اقبالؒ اور نیا پاکستان

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم
(ایم فل اقبالیات، پی ایچ ڈی اُردو)

فلسفۂ اقبالؒ اور نیا پاکستان

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم

مثال پبلشرز
رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

کتاب	:	فلسفۂ اقبالؒ اور نیا پاکستان
مؤلف	:	ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم
حروف نگاری	:	ذوالفقار احسن، محمد طارق طیب
حروف خوانی	:	پروفیسر غلام عائشہ، نوید عباس
قانونی مشیر	:	شیخ اظہر امین ایڈووکیٹ
خطاطی	:	پرویز اختر حذیفہ
پیش کش	:	محمد علی تبسم، ارسلان رشید
اشاعت	:	۱۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء
صفحات	:	۲۷۶
قیمت	:	۷۰۰ روپے

برائے رابطہ

نظریۂ پاکستان اکادمی سرگودھا

بزمِ فکرِ اقبال سرگودھا

پاکستان ادب اکادمی سرگودھا

319-Y، علامہ اقبال کالونی سرگودھا

فون: 048-3711717، ای میل: drharoonsgd@gmail.com

اهتمام

مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار، فیصل آباد

+92-41-2615359- 2643841, Cell:0300-6668284

email: misaalpb@gmail.com

شوروم

مثال کتاب گھر، صابریہ سینٹر، گلی نمبر 8، منشی محلہ، امین پور بازار، فیصل آباد

انتساب

تبدیلی ہمیشہ ''مَیں'' سے شروع ہوتی ہے'' آپ'' سے نہیں!

سنا تھا وقت بدلتا ہے اور وقت نے بتایا، کہ سیاست دان بدلتے ہیں!

خلوص اور اچھائی اپنے الفاظ میں نہیں،
اپنی نیت اور فطرت میں پیدا کرو!

سچائی اور اچھائی کی تلاش میں پوری دنیا گھوم لیں
اگر وہ آپ کے اندر نہیں تو کہیں بھی نہیں ملے گی!

لوگ ہمیشہ آپ کے راستے میں پتھر پھینکتے ہیں،
یہ آپ پر منحصر ہے اِن پتھروں سے مشکلات کی دیوار بناتے ہیں
یا مشکلات کے اُوپر پُل بناتے ہیں!

زبان کی نرمی اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کر دیتی ہے
کیوں کہ علم وہ نہیں جو تم نے سیکھا بل کہ علم وہ ہے
جو تمھارے اعمال و کردار میں نظر آئے!

عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر!

اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر!

بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کفِ خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر!

(اقبال، ضربِ کلیم، کلیات غلام علی، ص:592)

فہرست

مثالِ گوہر وطن کی فرقت کمال ہے میری آبرو کا

(اقبالؔ)

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے ، گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا

جو موجِ دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شان میری
گہر یہ بولا صدف نشینی ہے مجکو سامان آبرو کا!

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کنارِ جو کا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا، نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے ! نگارخانہ ہے آرزو کا!

کھلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسمِ ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسمِ خاکی ، غبار تھا کوئے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے پنہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں؟
نگہ کو نظارے کی تمنا ہے ، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدرد کیوں ہے انساں؟
تری نگاہوں میں ہے تبسّم شکستہ ہونا مرے سبو کا

ریاضِ ہستی کے ذرّے ذرّے سے ہے محبّت کا جلوا پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیاں ہے رنگ و بو کا

تمام مضموں مرے پرانے ، کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا اک دل دیا ہے ، وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا

کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تو جو چھیڑے
یقیں ہے مجکو گرے رگِ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

گیا ہے تقلید کا زمانہ ، مجاز رختِ سفر اٹھائے!
ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یارا ہے گفتگو کا؟

جو گھر سے اقبالؔ دور ہوں میں، تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
مثالِ گوہر وطن کی فرقت کمال ہے میری آبرو کا!

☆-☆-☆

اپنی بات

فلسفۂ اقبالؒ اور نیا پاکستان

رب العالمین کی ہم پر خاص کرم فرمائی ہے جس نے ہمیں فخرِ کائنات، منبعِ فیضات، خلاصۂ موجودات، فخرِ موجودات، صاحبِ آیات، صاحبِ معجزات، جامع صفات، ارفع الدرجات، آبیارِ جوئے لطافت، نیسانِ گہربارِ عنایت، اکمل البرکات، واصلِ ذات، رونقِ منبرِ نبوت، چشمۂ علم وحکمت، نازشِ سندِ امانت، غنچۂ رازِ وحدت، جوہرِ فردِ عزت، ختمِ دورِ رسالت، محبوبِ ربِ العزت، مالکِ کوثر و جنت، سلطانِ دین وملت، شمعِ بزمِ ہدایت، محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمت میں پیدا فرمایا۔ رحمت للعالمین ﷺ نے رب العالمین کا پیغام ہم تک حرف بہ حرف نہ صرف پہنچایا بل کہ اُس کی تشریح بھی کر دکھائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا آنے والا کل گزرے ہوئے کل سے بہتر ہونا چاہیے۔

مسلم مفکرین نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں آگے بڑھنے اور تسخیرِ کائنات کرنے کا حکم دیا۔ انسانیت کے لیے اللہ شناسی، وحی شناسی، اخلاقی اقدار، علمی قدر ومنزلت اور انسانی فلسفۂ حیات صرف اسلامی تعلیمات میں موجود ہے۔ آج دنیا جس درِ مقصود کی متلاشی ہے، وہ صرف آنحضرت ﷺ کے دامنِ رحمت سے ہی مل سکتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں میں بادشاہت در آئی لیکن ایک وقت وہ ضرور آئے گا جب دنیا پر اسلامی حکومت نظر آئے گی۔

عاشقِ رسول ﷺ، مصورِ پاکستان، اسلامی جذبوں کے عظیم شاعر، مفکرِ انسانیت، مفسرِ اسلام، ترجمانِ حقیقت، شاعرِ مشرق، ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے افکار کی دنیا روشن مستقبل سے آباد کی

ہے۔اقبالؒ نے اِسی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیا کی رول ماڈل شخصیت صرف ایک ہے جس سے رشتہ جوڑ کر ہم دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

ہر کُجا بینی جہانِ رنگ و بُو ۔۔۔ زاں کہ از خاکش بروید آرزُو
یاز نورِ مصطفیٰ ﷺ او را بہا است ۔۔۔ یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ﷺ است

(کلیاتِ اقبال فارسی، غلام علی اینڈ سنز، ص:716)

علامہ محمد اقبالؒ مسلمانوں میں جذبۂ خودی اُجاگر کرتے ہوئے اُنھیں دنیا کی امامت کا درس دیتے ہیں۔ جب اقبالؒ نے مسلمانوں کو ظلم و جبر کی چکی میں پستے ہوئے دیکھا تو اُنھوں نے 1930ء میں خطبۂ الٰہ آباد کا مرکزی نکتہ ایک آزاد اور خود مختار مسلم ریاست کا قیام گردانا۔ ناسازیٔ طبع کے باوجود اقبالؒ برِعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو پیغامِ آزادی دیتے رہے۔ ہماری خوش بختی کہ ہمیں محمد علی جناحؒ جیسا قائد میسر آیا۔ اُنھوں نے 26 نومبر 1946ء کو نئی دہلی میں انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''یاد رکھو! دنیا کی تمام مشکلات کا حل اسلامی حکومت کے قیام میں ہے۔ اسی مقصد کی خاطر میں لندن کی پُرسکون زندگی کو چھوڑ کر عظیم مفکر علامہ اقبال کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر ہندوستان آ گیا ہوں۔ ان شاء اللہ ایک ایسی فلاحی اور مثالی مملکت قائم ہوگی جس کی بنیاد ''لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' پر ہوگی اور دنیا اس کی تقلید پر مجبور ہو جائے گی۔''

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہو گا

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:142)

مسلمانوں نے سروں سے کفن باندھ لیے اور سوئے منزل چلے۔ اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت نے تمام مشکلات آسان کر دیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے افکار نے مسلمانوں کی عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑا دیا۔ الختصر لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں سے آزادی کے راستے لہو رنگ ہوئے اور 14 راگست 1947ء بمطابق 27-26 رمضان المبارک 1366 ہجری کی درمیانی شب پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ قیامِ پاکستان سے اب تک ہر حکومت نے جامع منصوبہ جات اور تبدیلی کے نعرے بلند کیے لیکن تعمیرِ پاکستان کا وہ خواب پورا نہ ہو سکا جو قائداعظم محمد علی جناحؒ اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ دیکھا کرتے تھے۔ فلسفۂ اقبالؒ میں مایوسی نہیں ہے۔ رجائیت کا دامن تھام کر ہمیں آگے بڑھنا ہے۔

پاکستان ہماری شناخت ہے، پاکستان ہمارے جذبوں کا ترجمان ہے، پاکستان ہمارے لیے سائبان ہے۔اس کا استحکام ہمارا انفرادی اور اجتماعی تحفظ ہے۔

2017-18ء میں نئے پاکستان کے قیام اور تبدیلی لانے اور آنے کے فلک شگاف نعرے سنائی دیتے رہے۔ اِن نعروں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ ہم صرف حق مانگتے ہیں اور فرض ادا نہیں کرتے۔ آج پاکستان بہت سے اندرونی و بیرونی مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ کچھ خفیہ قوتیں پاکستان کو کمزور بنانے کے درپے ہیں۔ بھارت کا رویہ ہمیشہ کی طرح اشتعال انگیزی کا شکار ہے۔ جغرافیائی، نظریاتی اور ثقافتی سرحدوں پر حملے جاری ہیں۔ پاکستان میں بھارتی خفیہ اداروں کے کارکنوں کی گرفتاری اور نشاندہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بھارت، ہمارے کچھ غداروں کی وجہ سے اندرونی معاملات میں بھی مداخلت کر رہا ہے ۔پاکستان کو تمام خطرات سے بچا کر تعمیر کے ایک نئے راستے پر لانے کے لیے عزمِ صمیم بہت ضروری ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ ہمارے درخشاں مستقبل کے بارے میں کہتے ہیں۔

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے!

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 205)

وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 206)

خالقِ کائنات کے حضور دُعا گو ہوں کہ وہ رحمت للعالمین، خاتم النبیین، محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل پاکستان کو تمام مصائب سے محفوظ رکھے اور ہمیں اس کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسّم

Y-319 علامہ اقبال کالونی سرگودہا

فون: 048-3711717

drharoonsgd@gmail.com

14/اکتوبر 2018ء

اُمید

-اقبالؔ-

مقابلہ تو زمانے کا خوب کرتا ہوں
اگرچہ میں نہ سپاہی ہوں نے امیرِ جنود

مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فکر و جذب و سرود

جبینِ بندۂ حق میں نمود ہے جس کی
اُسی جلال سے لبریز ہے ضمیرِ وجود

یہ کافری تو نہیں، کافری سے کم بھی نہیں
کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضر و موجود

غمیں نہ ہو کہ بہت دَور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہر کبود

اقبالؒ کا جہانِ نو

"جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا، وہ عالمِ پیر مر رہا ہے"

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسّم

شہ سوارِ علم و ادب، شاہینِ قلم فرسائی، خدائے سخن، نبض شناسِ مسلم، حسنِ جہانِ شاعری، مبلغِ اسلام، عاشقِ رسولﷺ، جمال و کمالِ حرف و آگہی، قندیلِ فکر اور مفسرِ حقائق، ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ (9 نومبر 1877ء۔21 / اپریل 1938ء)، قرطاس و قلم کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ کائنات رنگ و بو کی نکہت افشانیاں اُن کی فکری جولانیوں کا کرشمۂ تخلیق ہیں۔ انھوں نے اپنے لفظوں سے برعظیم پاک و ہند کے مریضانِ نیم جاں میں حیاتِ آزادی کے جذبے بیدار کیے۔ حالات کی چیرہ دستیوں میں گھرے مسلمانوں کو دیکھ کر اقبالؒ کا فکری شاہین فضائے بسیط میں بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے خدا، خودی، کائنات، انسان، انسانیت، احساس، فکرِ فردا اور جہانِ نو کی تشکیل کو اپنی تحریروں کا مقصد بنا کر دنیا بھر کے انسانوں خصوصاً مسلمانوں کو بہتر سے بہتر مستقبل کی فکر عطا کی۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے عظمتِ انسانی کا پرچار کرتے ہوئے تسخیرِ کائنات پر زور دیا۔ آغوشِ مادر سے سفرِ آخرت تک انسان کی زندگی کا مقصد فطرت کے سربستہ راز افشا کرنا ہے۔ "جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے" کے تناظر میں اقبال نے بامقصد زندگی گزارنے کا پیغام دیا ہے۔ حیاتِ نو، طرزِ نو، فکرِ نو اور پیامِ نو ایسے پیغامات اقبالؒ کی شاعری کا اہم نکتہ ہیں۔ یہ اٹل حقیقت ہے کہ ممکنات کی دنیا میں اقبالؒ کی نگاہ ہمیشہ جہانِ نو کی متلاشی رہی۔

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، 227)

اقبال کا فکری پنچھی گردشِ لیل و نہار کے تعاقب میں رہا۔ آج فکرِ اقبال کے عمیق مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سیارگان فلک بھی اقبال کے خزینۂ فکر پر رشک کرتے ہیں۔ اقبال اقلیمِ عشق کو ایک نقطہ پر مرکوز ہونے نہیں دیتے۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ زندگی نسیم بہار کی طرح تبدیلی کے عمل میں گزرتی ہے۔

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، 450)

ایک اور جگہ اقبالؒ کہتے ہیں:

سچ اگر پوچھے تو افلاسِ تخیل ہے وفا
دل میں ہر دم اک نیا محشر بپا رکھتا ہوں میں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 149)

مظاہرِ فطرت ہوں یا خورشیدِ قیامت کی تپش، ان کا کسی ایک مقام پر قیام ممکن نہیں۔ تبدیلی اصولِ فطرت ہے۔ ہماری زندگی اور اس کے معمولات جو گردونواح میں پھیلے ہوئے ہیں تغیّر و تبدل کی عکاسی کرتے ہیں۔ کبھی غم، کبھی خوشی، کہیں شادمانی تو کہیں آہ و فغاں، کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی بہار تو کبھی خزاں، دن بڑے ہوئے تو راتیں چھوٹی اور اگر دن مختصر ہوئے تو راتوں نے طوالت کا پیرہن اوڑھ لیا، کبھی خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا تو کبھی دریاؤں کے متلاطم خیز سیلابوں نے آ گھیرا، کبھی حبسِ بے جا تو کبھی طوفانی ہوائیں، کہیں صحت کی فراوانی تو کہیں بیماریوں کا بسیرا، کبھی کوئی حاکم تو کبھی کوئی محکوم، کسی کو تاجِ سلطانی، کوئی بھیک کا محتاج، کبھی کوئی وقت کا سکندر تو کبھی وہ جیل کے اندر، یعنی کبھی کوئی ریل میں تو کبھی کوئی جیل میں۔ الختصر وقت ایک سا نہیں رہتا۔ وقت سیلِ رواں ہے اور یہ تبدیلی کا خواہاں ہے۔

تبدیلی سوچ کی مرہونِ منت ہے۔ تبدیلی فضائے بسیط کا رخ موڑنے کا خواب ہے۔ تبدیلی نئی روشنی کا سفر ہے۔ تبدیلی بہتر سے بہتر کی تلاش ہے۔ تبدیلی انقلاب کا راستہ ہے۔ تبدیلی گردشِ وقت ہے۔ تبدیلی راہیں تراشنے کی کوشش ہے۔ تبدیلی زندگی کا حرکی نظریہ ہے۔ تبدیلی اپنے من میں چھپے ہوئے جذبوں کا اظہار ہے۔ تبدیلی معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف جہاد ہے۔ خالقِ کائنات کے سامنے دستِ دُعا دراز کرنے والوں کو بہت کچھ نیا مل جاتا ہے۔

اقبالؒ کہتے ہیں:

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 228)

تبدیلی حصولِ انصاف کی آواز ہے۔ تبدیلی زنجیرِ عدل ہلانے کی کاوش ہے۔ تبدیلی منتشر جذبوں کو یک جا کرنے کا نام ہے۔ تبدیلی شر سے خیر کا سفر ہے۔ تبدیلی عینِ فطرت ہے۔ تبدیلی آشفتہ سروں کے لیے ایک مرہم ہے۔ تبدیلی بےقراریوں اور بےکرانیوں کی تسکین کا نام ہے۔ تبدیلی بےکراں سمندر کو عقیدت کی طشتری میں مقیّد کرنے کا نام ہے۔ المختصر حریمِ لفظ و معنی تبدیلی کے سامنے سرنگوں رہتے ہیں۔

کیفیت باقی پُرانے کوہ و صحرا میں نہیں
ہے جُنوں تیرا نیا، پیدا نیا ویرانہ کر

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 218)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے جس نظریۂ خودی کو رنگِ تحریر کا حصہ بنایا، وہ بحرِ بےکراں ہے۔ انسان جذبۂ خودی کے بل بوتے پر آگے بڑھتا ہے۔

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

(بالِ جبریل، کلیات غلام علی اینڈ سنز، ص: 420)

آئی نئی ہوا چمنِ ہست و بود میں
اے دردِ عشق! اب نہیں لذت نمود میں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 82)

نئی بجلی کہاں اُن بادلوں کے جیب و دامن میں
پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی!

(ضربِ کلیم، کلیات غلام علی اینڈ سنز، ص: 533)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ زندگی کے تغیّر و تبدل میں خودی کو مرکزی قوت تصور کرتے ہیں۔ نئی

بجلی بادلوں کو گرجنے، کڑکنے، حتیٰ کہ پھڑکنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ وہ دامن جہاں حر کی جذبے ماند پڑ جائیں، وہاں حرکت کا ساماں نئی اُمنگ، نئی ترنگ اور نئی برق پیدا کرتی ہے۔ اقبالؒ کے تصور میں، اُن کے تخیل میں، اُن کے خوابوں میں، اُن کے خیالوں میں، اُن کی بیتاب نظروں میں، جو کچھ سمایا اُس میں جہانِ نو نظر آیا۔

کہنہ پیکر میں نئی رُوح کو آباد کرے
یا کہنِ رُوح کو تقلید سے آزاد کرے

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، 615)

اقبالؒ کا ایک اور پیغام ملاحظہ فرمائیے:

ہر لحظہ نیا طُور ، نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، 639)

زندگی میں تبدیلی کا عمل خودی سے وابستہ ہے۔ خودی تبدیلی کا وہ شعور ہے جو انسان کو خودشناسی اور خود آگہی سے ہمکنار کرتا ہے۔ خودی مقاصد کا احساس ہے۔ یہ وہی جذبہ ہے جس سے انسان زندہ رہتا ہے اور جب عالم بالا منتقل ہوتا ہے تو خودی اس کے جسم سے رخصت ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اس کے لیے روح اور جان کے لفظ استعمال کرتے ہیں۔

ارتباطِ حرف و معنی؟ اختلاطِ جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنے خاکستر سے ہے

(ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 517)

ممتاز دانش ور، ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اپنی کتاب ''حکمتِ اقبال'' میں لکھا ہے:

''یہ حقیقت ہے کہ خودی انسان کے جسدِ خاکی میں موجود ہے جو سلسلہ لیل و نہار کی پابندیوں سے گھرا ہوا ہے وہ خود زمان و مکان کی حدود و قیود سے آزاد ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے خیال کے ذریعہ سے ادھر ماضی اور مستقبل کی انتہائی تک اور ادھر کائنات کے دور دراز گوشوں تک جہاں روشنی بھی کروڑوں برس میں آتی ہے آن واحد میں جا پہنچتی ہے۔ چوں کہ ہم خودی کو کسی حالت میں بھی نہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہاتھوں سے

چھو سکتے ہیں اور غیر کی خودی اپنی خودی نہیں ہوتی کہ ہم حواس کی مدد کے بغیر براہ راست اسے دیکھ سکیں۔ ہم غیر کی خودی کا علم خواہ وہ خودی خدا کی ہو یا انسان کی فقط اس کے مظاہر اور اثرات، اعمال اور افعال کے مطالعہ سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ خودی ایک نور ہے لیکن مادی روشنیوں میں سے کوئی روشنی ایسی نہیں جو اس کی مماثل ہو۔ خودی ایک قوت ہے لیکن مادی قوتوں میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے ساتھ اس کو مشابہت دی جا سکے۔ یہی وہ نورانی قوت یا قوت نور ہے جس کا انسان میں اور دنیا کی ہر چیز میں ظہور ہے۔ یہی زندگی ہے۔ اقبال کے الفاظ میں خودی شعور کا وہ روشن نکتہ ہے جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات وتمینات مستنیر ہوتے ہیں۔ وہ یہ ایک لازوال حقیقت ہے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازبند ہے اور اس کا ایک خاصا یہ ہے کہ وہ عمل خودنمائی کے لیے بے تاب رہتی ہے۔''

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی کتاب ''اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی'' کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انسان کا ذہن ہمہ وقت ایک گنجائش رکھتا ہے۔ اس کا احساس و جذبات اسے آگے بڑھنے پر اُکساتے ہیں۔ یہ انسان کے فکر و عمل کی ایک ایسی قوت ہے جو آرزوؤں اور اُمیدوں کے پروں پر محوِ پرواز ہو کر اپنے مقاصد کا حصول یقینی بناتی ہے۔ تبدیلی انسان کے اندرونی احساسات و جذبات کا سرچشمہ ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ جس شرابِ طہور کی بات کرتے ہیں وہ درحقیقت حصول زندگی کا ایک لطیف راستہ ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان ، نئی آن
گفتار میں ، کردار میں ، اللہ کی بُرہان!

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، 573)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ انگریزی استعمار کے خلاف، استحصالی قوتوں کے خلاف اور ظلم و جبر سے نبرد آزما ہونے کی آرزو لیے آگے بڑھنے کا جو پیغام دیتے ہیں وہ درحقیقت تبدیلی کا پیغام ہے۔ مقصدیت سے والہانہ عشق اور بلند نصب العین کی دھن ایک تبدیلی رونما ہونے کے لیے ہے۔ وہ جوش کردار سے پہاڑوں کو فضا میں تحلیل کرنے کا عزم لیے آگے بڑھتے ہیں۔ ان کے ہاں سیلِ ہمہ گیر تبدیلی کا ثمر ہے۔

ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں مشکلاتِ زندگانی کی کشود

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، 720)

نئی تعمیر کے لیے نیا جوش، نیا ولولہ، نئی سوچ اور عذابوں کی رت سے گزرنے کا حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ اقبالؒ کی شاعری کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ''ث'' سے شروع ہونے والا صرف ایک شعر ہے اور اس میں بھی اقبال ثبات کی بات کرتے ہیں۔

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

(بانگِ درا، کلیات غلام علی اینڈ سنز، ص: 271)

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں!

(بانگِ درا، کلیات غلام علی اینڈ سنز، ص: 148)

''المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی'' میں بھی اقبالؒ کا پیغام بہتر سے بہتر کی تلاش ہے۔ المانی، جرمنیوں کا حوالہ ہے جب کہ تورانی، تاتاری، ترک، ترکمان وغیرہ کی نسل ہے۔ اقبالؒ نے توران کے رہنے والوں کو ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے کہ اُنھوں نے اہلِ جرمن کو ترقی کی دوڑ میں پیچھے چھوڑ دیا۔ ''ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں!'' مصرعہ بھی اپنے دامن میں حُسنِ معانی کا ایک خزینہ رکھتا ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک ''تغیّر'' ہی کائنات کی ترقی کا راز ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا ذہنی وفکری ارتقاء تغیّر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اُنھوں نے سحر خیزی کے دامن کو حسنِ تخیّل کے نت نئے تجربات سے بھر دیا۔ کائنات کا نظام اِسی تغیّر کا مرہونِ منت ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ مسلمانوں کی پسماندگی کا دور تھا۔ سیالکوٹ میں اُنھیں سید میر حسن، ایسے عظیم اُستاد کی سرپرستی مل گئی جن کی وجہ سے اُنھیں اُردو، فارسی اور عربی علوم سیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسلامی ثقافت کا زیادہ تر سرمایہ فارسی اور عربی میں دستیاب ہے۔ غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں نے انگریزی کی بالادستی کے لیے عربی، فارسی کو نظرانداز کر کے مسلمانانِ برعظیم کو اُن کی ثقافت سے غافل کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر (2000ء۔2018ء)

میں تو قومی زبان اُردو کو بھی پسِ پشت ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب جواد ایس خواجہ نے 8 ستمبر 2015ء بروز منگل کو تاریخ ساز فیصلہ اُردو زبان میں لکھا اور پڑھ کر سنایا۔ اُنھوں نے حکومتِ وقت کو یہ حکم دیا کہ اُردو کو فل فورسرکاری اور دفتری زبان کے طور پر رائج کیا جائے۔ قوانین کا اُردو میں ترجمہ کیا جائے۔ سرکاری تقریبات میں تقاریر اُردو میں کی جائیں اور ہر کارروائی اُردو میں لکھی جائے۔ حکمرانوں نے سپریم کورٹ کے اس تاریخی فیصلے کو ہوا میں اُڑا دیا۔ نئے پاکستان کی کامیابی قومی زبان کے فروغ میں مضمر ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ خوش بخت ہیں کہ اُنھیں عربی، فارسی زبانوں میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ اور اسلامی ثقافت کی اصل روح سمجھنے کا موقع ملا۔ قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصہ تک عربی اور فارسی ہمارے تعلیمی نصاب کا حصہ رہے۔ ہمارے طالبِ علم اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں سے آگاہ رہا کرتے تھے۔ مقامِ افسوس ہم سے ہمارا سرمایہ چھین لیا گیا۔ 16 دسمبر 1971ء کو مشرقی پاکستان کا سانحہ اِسی لیے رونما ہوا کہ وہاں ہندو اساتذۂ کرام نے مسلمان بچوں کی ذہن سازی کا رخ ہندوازم کی طرف موڑ لیا۔ اُن کا نصاب پاکستان اور اسلام دشمنی پر اُستوار تھا۔ ہندو اساتذہ نے بچوں کی ایسی تربیت کی کہ وہ پاکستان کے مخالف ہو گئے۔ اُن کی کاوشوں سے پاکستان دولخت ہو گیا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک ہی ملک میں دو قومی زبانیں ''اُردو اور بنگالی'' کا نفاذ ایسا ہی تھا جیسے ایک نیام میں دو تلواریں۔ اس تجربہ سے ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ سیالکوٹ میں قیام کے دوران اقبالؒ کو یکسوئی کے ساتھ مشرقی علوم پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا رہا۔ مجھے میرے ایک قریبی دوست نے بتایا کہ اُس کے دادا جان سیالکوٹ کے اُسی محلے کے رہائشی تھے جس میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ رہا کرتے تھے۔ میرے دوست نے یہ حیران کن بات بتائی کہ امام مسجد فجر کی جماعت میں اقبالؒ کا انتظار کیا کرتے تھے۔ صرف یہی نہیں وہ اقبالؒ کو پہلی صف میں جگہ دیتے تھے۔ لوگوں نے اقبالؒ کو ملنے والی اس اہمیت کے بارے میں استفسار کیا تو امام مسجد نے جواب دیا کہ یہ راز تو خود اقبالؒ کو بھی معلوم نہیں ہے۔ المختصر اقبالؒ بچپن ہی سے عبادت گزار اور اسلامی تعلیمات سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ سیالکوٹ سے گورنمنٹ کالج لاہور کی تبدیلی اقبالؒ کے لیے ذہنی تبدیلی کا باعث بنی۔ اقبالؒ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ لاہور کی ادبی مجالس میں شریک ہو کر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔ سر تھامس آرنلڈ ایسے شفیق اساتذہ اقبالؒ پر فریفتہ رہے۔ لاہور چوں کہ سیاسی، سماجی، فکری، علمی، ادبی اور ثقافتی حوالوں سے ایک

اہم مرکز تھا برعظیم پاک و ہند کے مختلف علاقوں کی خبریں اس مرکز تک ضرور پہنچتی تھیں۔ لاہور اور اُس کے گرد و نواح میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم دیکھ کر اقبالؒ بہت رنجیدہ ہوتے تھے۔ 1892ء تا 1900ء ایسا دور ہے جس نے اقبالؒ کو سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بلند مقام پر دیکھنا چاہتے تھے۔

بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیاز
سوز و سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 149)

اعلیٰ تعلیم کے لیے سفرِ یورپ (1905ء۔1907ء) نے اقبالؒ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اُنھوں نے وطنیت کی چادر اُتار کر قومیت کے بحرِ بیکراں کی طرف قدم بڑھایا۔

تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر رُلوائیں گے
یا تخیّل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 116)

سوچ کی تبدیلی، دور کی تبدیلی، حالات کی تبدیلی اور نئے سفر کی تبدیلی نے اقبالؒ کو ترقی کے نردبان پر لا کھڑا کیا۔ سفر وسیلۂ ظفر ہے۔ اقبالؒ کی زندگی کے اسفار پر بہت کام ہو چکا ہے۔ خصوصی طور پر چودھری عنایت علی کی کتاب ''اسفارِ اقبالؒ'' اس ضمن میں قابلِ ذکر ہے۔ اقبالؒ نے مسلمانوں کی زباں حالی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر قلم کی وساطت سے قرطاس پر منتقل کر دی۔ یورپ کا تعلیمی سفر تو اقبالؒ کے لیے ذہنی تبدیلی کا سبب بنا۔ اہلِ علم و ادب اس بات پر متفق ہیں کہ انقلاب ہمیشہ دانش وروں کے اذہان میں پرورش پاتے ہیں۔ 1905ء تا 1908ء میں فکرِ اقبالؒ نے کروٹ بدلی۔ ذہنی انقلاب کی پختگی سفرِ یورپ سے شروع ہوتی ہے۔

آرزو ہر کیفیت میں اک نئے جلوے کی ہے
مضطرب ہوں، دل سکوں نا آشنا رکھتا ہوں میں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 149)

صبحِ نو، جہانِ نو، فکرِ نو، ضربِ نو اور عہدِ نو کا پیغام دیتے ہوئے، اقبالؒ انجمن حمایتِ اسلام کے پلیٹ فارم تک پہنچ گئے۔ انجمن حمایتِ اسلام 1884ء میں قائم ہوئی۔ مسلمانوں کو بیداری اور تبدیلی

کا پیغام دینے کے لیے اس انجمن نے تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں اقبالؒ نے جو کلام پیش کیا وہ خالصتاً انقلاب اور جہانِ نو کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نالۂ یتیم (1901ء)، یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے (1902ء)، اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب سے (1903ء)، ابرِ گہر بار، تصویرِ درد (1904ء) پیش کرنے سے اقبالؒ کی فکری کاوشوں کو ستائش ملی۔ اقبالؒ 1908ء میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد یورپ سے ہندوستان تشریف لائے۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے 26ویں سالانہ جلسہ اپریل 1911ء سے اقبالؒ ایک نئے رنگ اور ایک نئے ولولے کے ساتھ منصۂ شہود پر آئے۔

اک آن میں سَو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلّد ابھی ناخوش، ابھی خُورسند

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، 578)

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزم کُہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مئے مجاز دے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، 139)

اقبالؒ کی طویل نظمیں اُن کے شعوری احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کو خوابِ خرگوش سے بیدار کرنا، حرکت و عمل، نویدِ سحر، جہانِ نو اور اسلام دشمن قوتوں کی ریشہ دوانیاں اقبالؒ کے اہم موضوعات رہے۔ اقبالؒ کے ذہنی ارتقاء میں اُن کی طویل نظموں کا خاص عمل دخل ہے۔ شکوہ (1911ء)، جوابِ شکوہ (1912ء)، شمع اور شاعر (1912ء)، والدہ مرحومہ کی یاد میں (1914ء)، خضرِ راہ (1921ء)، طلوعِ اسلام (1923ء)، ذوق وشوق (1931ء)، مسجدِ قرطبہ (1933ء)، ساقی نامہ (1935ء)، ابلیس کی مجلس شوریٰ (1936ء) ایسی مقبول نظمیں ہیں جنھوں نے نہ صرف اقبال کا اقبال بلند کیا بل کہ مسلمانوں میں آزادی کی تڑپ بیدار کی۔

اگر ہم علامہ محمد اقبالؒ کے انقلابی ذہن کا جائزہ لیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اقبالؒ اس اسلامی انقلاب کے خواب دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ اقبالؒ اپنی نظم ''ساقی نامہ'' میں لکھتے ہیں:

تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے، تو جہاں سے نہیں

بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر!
خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید، آسماں اس کا صید!

(بالِ جبریل،کلیات غلام علی اینڈ سنز،ص:420)

شہبازطریقت، یم حیات سے اسی صورت گزرسکتا ہے جب وہ اپنی ذات میں تبدیلی پیدا کرے۔یہی وجہ ہے اقبالؒ شاہیں کے لیے کار آشیاں بندی کو ذلت سے تعبیر کرتے ہیں۔اقبال کوہ و بیابیاں آگے بڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔اقبال نے صدیوں کی غلامی کے بوجھ تلے پستی ہوئی قوم کو عظمت رفتہ کا راستہ دکھایا۔عظمت رفتہ کے آئینے میں آگے بڑھنے کا نام ایک تبدیلی ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے برسرِ عمل رہے۔انھوں نے اسلام کے عالمگیر نظام حیات کو انسانیت کے لیے فلاح کا راستہ تبدیلی کے بل بوتے پر دکھایا۔اسلام کی بیداری کا مقصد کوئی ایک الگ خطے کا حصول ہی نہیں تھا بل کہ پوری دنیا پر چھا جانے کی امید تھی۔مغربی تہذیب کے خلاف اپنی ملت پر قیاس کرنے کی دعوت بھی اقبال کا نہ صرف ایک حرکی پہلو ہے بل کہ تبدیلی کا ایک عمل ہے۔ اقبالؒ کا اقبال اسی لیے بلند ہے کہ وہ گفتار کی حد تک محدود نہیں رہتے بل کہ آگے بڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔اقوام کی تقدیر کو افراد کے ہاتھوں تبدیل کرنے کا عمل بھی اپنی زیاں باریوں سے ظلمت کے اندھیروں کو نور عطا کرنے کے مترادف ہے۔درخشندہ نصب العین کے لیے آگے بڑھنا اور بہتر سے بہتر کی تلاش اقبال کا نصب العین رہا۔اقبالؒ کہتے ہیں:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے!
پیش کر غافل عمل، کوئی اگر دفتر میں ہے

(بانگِ درا،کلیات غلام علی اینڈ سنز،ص:260)

باطل کو خس و خاشاک کی طرح بہانے والے کبھی ایک جگہ قیام نہیں کرتے۔ وہ کبھی طارق بن زیاد کی صورت کشتیاں جلا کر آگے بڑھتے ہیں تو کبھی محمود غزنوی کا روپ دھار کر سومنات کا مندر پاش پاش کرتے ہیں۔وہ کبھی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ تو کبھی ٹیپو سلطانؒ کی صورت حصول کامیابی کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔حق گوئی و بے باکی کے خوگر مردان حق قندیل کارواں بن جاتے

ہیں۔ جب وہ امید اور تبدیلی کا جذبہ لے کر آگے بڑھتے ہیں تو کہسار کی ہیبت، سمندر کا جلال اور عشق لازوال ان کے زادِسفر بن جاتے ہیں۔ اگر ہم تاریخ اسلام کا عمیق جائزہ لیں تو تبدیلی کا سب سے پہلا عمل سپہ سالار اعظم محمد مصطفیٰ ﷺ کی کاوشوں سے ظہور پذیر ہوا۔ جب کائنات کفر و ضلالت اور جہالت کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی، دنیا میں کوئی ضابطہ حیات نہیں تھا۔ رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور ریگ زار عرب پر فاران کی چوٹیوں سے ایک مہتاب رشد و ہدایت نمودار ہوا جس نے آناً فاناً کائنات کو بقعہ نور بنا دیا۔ آپ ﷺ نے انسانی کبریائی کا جنازہ نکال دیا۔ ایک مدت سے اہلِ عرب پر ظلم و تشدد کرنے والوں کو عبرت ناک انجام کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے اپنی سیرتِ طیبہ، اوصافِ حمیدہ اور نصرتِ الٰہی سے ایک ایسا انقلاب برپا کیا کہ آج دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسرار جہاں، فخر جہاں، عرش مکاں، ماہ فروزاں، صبح درخشاں، نیر تاباں، چراغ رہ نورداں، محمد مصطفیٰ ﷺ نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کی تشریح سے انسانوں کے قلوب منور کر دیے۔ بات جو دل سے نکلتی ہے پُراثر ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ، شمع رسالت ﷺ کے پروانے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور سیرتِ طیبہ سے تجربات کشید کیے۔ سرزمین بطحا یکسر تبدیل ہو گئی۔ شمس و قمر کی ضوفشانیوں نے عرب کے ریگستانوں کو گلستانوں میں بدل دیا۔ یہ تبدیلی مسلسل ریاضت کا نتیجہ تھی۔ میدانِ کربلا میں نواسۂ رسول ﷺ نے سر دے کر باطل کے چراغ گل کر دیے۔ اسلام کی شمع فروزاں کو آنچ نہ آنے دی۔ راہِ حق میں حضرت امام مالکؒ نے اپنے بازوؤں کی قربانی دی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جیل میں نذرانۂ جاں پیش کیا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ 18 برس کوڑے کھاتے رہے لیکن نمرودوں اور فرعونوں کی خدائی تسلیم نہ کی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو آواز بلند کریں تو ان پر بغاوت کا الزام لگا دیا جاتا ہے اگر وہ چپ رہیں تو انھیں اپنی ذات میں بے بسی محسوس ہونے لگتی ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے زندگی کا جو فلسفہ پیش کیا اس نے حیات کو مستعار ٹھہرایا۔ اللہ کی امانت، اللہ کے پاس جانے والی ہے۔ خالقِ کائنات، مالک ارض و سما، حقیقتِ کُل ہی رونقِ ماضی، حال اور مستقبل ہے۔ ''نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا۔'' اُسی کی حکمرانی سے نظامِ حیات چل رہا ہے۔ انسان کا مرکزی وصف رب العالمین کی محبت ہے۔ کائناتی شعور کی صفات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں جب ہم خالق کائنات پر غیر متزلزل ایمان رکھیں۔ زندگی کا خالق و مالک صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ یہ کائنات انسان کے لیے ہے، انسانی زندگی کا

مقصد تسخیرِ کائنات ہے۔اقبال کہتے ہیں:

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے!
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!
ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں

(بالِ جبریل،کلیات غلام علی اینڈ سنز،ص:424)

اقبالؒ کی شاعری میں خودی اور عمل کی دعوت کے لیے لفظ''پھر'' بار بار پڑھنے کو ملتا ہے۔ پھر، حقیقتاً انقلاب کا راستہ ہے۔

آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اُٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دُوئی مٹا دیں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات،ص:115)

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سُوئے حرم لے چل
اس شہر کے خُوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات،ص:241)

جانبِ منزل رواں بے نقشِ پا مانندِ موج
اور پھر اُفتادہ مثلِ ساحلِ دریا بھی ہے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات،ص:148)

اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات،ص:197)

بُت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نورِ ابراہیمؑ سے آزر کا گھر روشن ہوا

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 269)

خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب
تا بدخشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 289)

تا خلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 295)

دلِ طُورِ سینا و فاراں دو نیم
تجلّی کا پھر منتظر ہے کلیم

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 450)

دنیا کو ہے پھر معرکۂ رُوح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کا اُبھارا

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص: 714)

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 349)

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہؑ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 298)

''پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ دمن''، ''سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا''، ''پھر اُٹھا اور تیموری حرم سے یوں کہنے لگا''، ''پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے''، ''پھر اُٹھی ایشیاء کے دل چنگاری محبّت کی''، ''پھر اِن اجزاء کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں''، ''پھر اِن شاہیں بچوں

کو بال و پَر دے'' ، ''پھر دلوں کو یاد آجائے گا ، پیغامِ سجود'' ایسے مصرعے پیغام بیداری دیتے ہیں۔

اقبالؒ کے شعوری غارِ حرا میں پیغامِ بیداری نئے راستوں کی تلاش ہے۔ اقبالؒ کی شاعری میں ''پھر'' از سرِ نو اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے آگے بڑھنے کا درس ہے۔ اقبالؒ سمجھتے ہیں کہ اسلام ضابطہ کل ہے۔ منزل کی تلاش میں جب جزو آگے بڑھتا ہے تو کل اُس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اقبالؒ کل کی طرف متوجہ ہونے کے لیے ''پھر'' کا استعمال کرتے ہیں۔

اُٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بُت خانے سے
مےَ پلائیں گے نئے ساقی ، نئے پیمانے سے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:116)

اقبالؒ کو مسلمانوں کی مخفی صلاحیتوں اور درخشاں ماضی کا پورا ادراک تھا۔ وہ ''پھر'' استعارہ سے بارِ دگر پیغامِ عظمت اور پیغامِ بیداری دے رہے ہیں۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اقبال کا آنے والا کل کتنا تابناک ہے۔ اقبالؒ نے سلطنتِ عثمانیہ، ہندوستان، مشرقِ وسطیٰ اور ایران میں آنے والی تبدیلیوں کا تذکرہ اپنے کلام میں کیا ہے کہ اِن حالات نے مسلمانوں کی تہذیبی، ثقافتی، سیاسی اور سماجی سوچ کو کس حد تک متاثر کیا ہے۔ اِن خطہ میں آنے والی تبدیلیاں اقبال کی شاعری میں جگہ بنانے لگیں۔ ہر چھوٹی بڑی نظم میں اِن حالات کی کسی نہ کسی طور جھلک نظر آتی ہے۔

اِک رات یہ کہنے لگے شبنم سے ستارے
ہر صبح نئے تجھ کو میسر ہیں نظارے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:244)

مسلم نوجوان، اقبالؒ کی شاعری کا ہیرو ہے۔ اقبالؒ سمجھتے ہیں کہ نوجوانوں تک حالات کی تبدیلیاں پہنچانا بہت ضروری ہے۔

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی ، یہ بیداری ، یہ آزادی ، یہ بے باکی

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:253)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا مطالعہ تاریخ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اُن کا تصورِ تاریخ بھی اُردو ادب کا سرمایہ ہے۔ لاتعداد کتب تہذیبِ انسانی، ارتقاء انسانی، فتوحاتِ انسانی اور انقلاباتِ زمانہ کی

تاریخ اپنے دامن میں محفوظ رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کا ارتقائی اور انقلابی دور 1911ء سے تادمِ آخر جاری رہا۔ یہودیوں کی ریشہ دوانیوں، سرگرمیوں اور چالاکیوں نے مشرقِ وسطیٰ میں مسلمانوں کے طرزِ زندگی اور مفادات پر جو منفی اثرات ڈالے، اقبالؒ نے اِن حالات میں چوکنا رہنے کی دعوت دی۔

سلطنتِ عثمانیہ کے تغیر و تبدل کا تذکرہ اقبالؒ کے ہاں جا بجا ملتا ہے۔ ترکوں کی یہ عظیم سلطنت 13ویں صدی عیسوی میں منصۂ شہود پر آئی۔ سلطنتِ عثمانیہ کی جاہ و حشمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 15 صدی تک ترکی نے اپنے قرب و جوار کے علاقہ جات کو فتح کرلیا، یہی نہیں بہت سے یورپی علاقے بھی سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بن گئے۔ سلطان محمد کی زیرِ سرپرستی 29 مئی 1453ء قسطنطنیہ فتح ہوا۔ اس فتح کے ساتھ ہی بازنطینی سلطنت ختم ہوگئی۔ عالمِ اسلام کے سپہ سالارِ اوّل، تاجدارِ کائنات، نبیٔ پاک ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی کنجیاں دے دی ہیں۔''

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیلؑ اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے؟
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(بانگِ درا، کلیات غلام علی اینڈ سنز، ص: 268)

ایران کے شہنشاہوں کا تختہ تو خلفائے راشدینؓ کے دور میں اُلٹ گیا ہے جب کہ قیصر کی حکومت بھی ختم ہوگئی۔ محمد فاتح کے عہد میں بوسنیا بھی سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بن گیا۔ محمد فاتح آگے بڑھنے کا سوچ رہا تھا کہ 3 مئی 1481ء کو راہی ملکِ عدم ہوا۔ عثمانی فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ حجاز، ایران، مصر، شام اور کچھ چھوٹے علاقے ترکوں کو مل گئے۔ اِن فتوحات کا کریڈٹ سلطان سلیم اوّل کو جاتا ہے جس کا 8 سالہ دور 1512ء تا 1520ء کے عرصہ پر محیط ہے۔ سلیمانِ اعظم نے 1520ء سے 1569ء

تک اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑے۔اُس کے دور میں عراق، یمن، تیونس، الجزائر، ہنگری، عدن، یوگوسلاویا اور کئی علاقے ترکی کا حصہ بن گئے۔اِن فتوحات کی بنا پر سلطنتِ عثمانیہ کو بحری قوت کا خزینہ مل گیا۔ بحری بیڑوں کی وجہ سے ترک حکومت مزید فعال ہوگئی۔مجاہدین فرانس کے شہر طولون تک جا پہنچے۔سلیمانِ اعظم کے وصال تک سلطنتِ عثمانیہ کا پھریرا بلند سے بلند ہوتا گیا۔اس سلطنت کی حدیں دریائے ڈینیوب سے خلیج فارس تک اور دوسری طرف وسط ایشیاء کے علاقوں تک پھیل گئی۔ترکوں نے دنیا کے مشہور تجارتی راستوں پر کنٹرول حاصل کرلیا۔بحرِ ہند، بحرِ ابیض، بحرِ روم اور کچھ دوسرے حصوں پر ترکوں کی حکمرانی ہوگئی۔اُصولِ فطرت ہے کہ ہر کمالِ راز وال 1683ء میں عثمانیوں نے ویانا کا محاصرہ کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔مسیحی قوتیں مجتمع ہوگئیں،حکومت کی کمر جھکنے لگی اور کئی علاقہ جات بھی اُس کی دسترس سے جاتے رہے۔ہنگری 1699ء میں سلطنت عثمانیہ کا حصہ نہ رہا۔چوں کہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے تاریخ کا عمیق مطالعہ کیا تھا اس لیے اُنھیں اس بات کا ادراک ہوگیا کہ سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کا پس منظر غفلت کے کون سے عوامل ہو سکتے ہیں۔کن وجوہات پر سلطنتِ عثمانیہ کو ''یورپ کا مردِ بیمار'' کہا گیا۔یورپی طاقتوں نے سر اٹھایا، برطانیہ بطور خاص اپنی فوجی قوت سے اُبھرنے لگا۔برطانیہ نے 1815ء میں مالٹا ملک پر قبضہ کرلیا۔1857ء کی جنگِ آزادی میں بھی مغربی طاقتوں نے برِ عظیمِ پاک و ہند پر اپنے مظالم کی حد کردی۔ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس خطہ میں جو تباہی و بربادی برپا کی اُسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔برطانیہ نے 1878ء میں قبرص اور 1883ء میں مصر پر اپنی حکمرانی کا پرچم لہرادیا۔علامہ محمد اقبالؒ بچپن ہی سے ذہین و فطین تھے۔عربی، فارسی، اُردو اور دیگر زبانوں کو بچپن ہی سے سمجھتے تھے۔اُنھیں تعلیم یافتہ ماحول میسر آیا۔جنوبی ایشیاء کے حالات اُنھوں نے لڑکپن میں خود ہی دیکھ لیے۔اقبالؒ نے دیکھا کہ سوڈان، لارڈ کسنجر کی سربراہی میں فتح ہوا۔1898ء میں سوڈان پر برطانوی کمان حاوی ہوگئی۔فرانس نے الجزائر، تیونس اور مراکش فتح کرلیے۔اٹلی کے پاس صرف طرابلس رہ گیا تھا۔29 ستمبر 1911ء کو طرابلس پر بھی حملہ ہوگیا۔غازی انور پاشا نے مختلف قبائل کو جمع کرکے اطالویوں کا مقابلہ کیا۔وہ طرابلس کے ساحل سے آگے نہ بڑھ سکے۔جنگِ بلقان نے رہی سہی کسر پوری کردی اور اس طرح سلطنتِ عثمانیہ کو طرابلس سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔جنگِ بلقان کی وجہ سے بہت سے حصہ ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔مسلمان متحیّر تھے کہ وہ ثریا سے زمیں پر کس طرح آپہنچے؟ جاہ و حشمت رکھنے والی سلطنتِ عثمانیہ کا شیرازہ کیوں بکھر گیا؟ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ سفرِ یورپ کے بعد لوٹے تو حالات

یکسر تبدیل تھے۔ پہلی جنگِ عظیم 1914ء سے 1918ء تک جاری رہی۔ قوت کا بے دریغ استعمال ہوا۔ غازی انور پاشا جرمنی فوج کو پسند کرتا تھا جب کہ جرمنی، روس کا مخالف گروپ تھا۔

یاد رہے! روس نے ہمیشہ سلطنتِ عثمانیہ کی مخالفت کی۔ روس دشمنی بھی سلطنتِ عثمانیہ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ برطانیہ، روس اور فرانس نے پہلی جنگِ عظیم میں ترکی کے خلاف کھلم کھلا جنگ کی۔ انگریزوں نے ''تقسیم کرو اور حکمرانی کرو'' کی حکمتِ عملی اپنائی۔ شاہ حسین نے 1916ء کو ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ انگریزوں نے شاہ حسین کو حجاز کی بادشاہت سونپنے کا عندیہ دیا۔ اتحادیوں نے در پردہ مختلف معاہدے کر لیے جس کا شاہ حسین کو تاخیر سے پتا چلا۔ 1916ء میں شاہ حسین نے اپنی شہنشاہیت کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں نے حکمتِ عملی کے مطابق اُس کی شہنشاہیت کو تسلیم کر لیا۔ شاہ حسین کے بیٹے فیصل نے کرنل لارنس کی مدد سے ترکوں پر ظلم ڈھائے اور اُنھیں شام سے نکال دیا۔ نتیجتاً شام اور فلسطین پر انگریز قابض ہو گئے۔ 10 دسمبر 1917ء کو جنرل ارل ایلن بی نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ 1187 عیسوی کے بعد بیت المقدس بار دگر عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ صلاح الدین ایوبیؒ کے کارنامے یاد کرتے ہوئے برعظیم پاک و ہند کے مسلمان آہ و زاری کرنے لگے۔ 1918ء کے آخر تک انگریزوں نے شام، لبنان، اعراق، عرب کے علاقے ہتھیا لیے۔ جنگِ عظیم 1918ء کو ختم ہوئی۔ 1919ء میں جلیانوالہ باغ کے سانحہ نے مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت بھرے جذبات اُبھارے۔ پُر امن مسلمانوں پر جنرل ڈائر کی 1850 گولیوں سے تقریباً 600 مسلمان موقع پر شہید ہو گئے جب کہ ہزاروں مسلمان زخموں کا شکار ہوئے۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف پُر امن احتجاج بھی انگریزوں کو گوارا نہ ہوا۔ شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں نے اس طرزِ عمل پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ حالات کبھی ایک سے نہیں رہتے، گردشِ دوراں کروٹ ضرور بدلتی ہے۔

غمیں نہ ہو کہ بہت دور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:622)

جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:142)

ترکی کا ماحول مایوسی میں گھرا ہوا تھا۔ نا اُمیدی جذبوں کو سرد کر رہی تھی لیکن عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹنے کے باوجود اُن میں ایک جذبہ تازہ تھا۔ اُنھوں نے جرأت و بہادری سے یونانیوں کو باہر نکال پھینکا۔ اقتدار مصطفیٰ کمال پاشا اور عصمت انونو نے سنبھال لیا لیکن عطا ترک مصطفیٰ کمال پاشا روشن خیال انسان تھا۔ اُس نے اقتدار سنبھالتے ہی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ 1924ء کو سلطنتِ عثمانیہ میں خلافت ختم کر دی۔ ترکی کو جمہوریہ کا نام دیا گیا۔ یہ حالات ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی حساس طبیعت پر اثر انداز ہو رہے تھے اور وہ اُمتِ مسلمہ کی بیداری کے خواب دیکھ رہے تھے۔

پُرانے طرزِ عمل میں ہزار مشکل ہے
نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 238)

انگریزوں نے ہمیشہ ''Do More'' کی پالیسی اختیار کر رکھی۔ یوٹرن لینا اُن کی دیرینہ عادت رہی۔ جنگِ عظیم اوّل کے بعد شاہ حسین کو متحدہ عرب ریاست کی حکمرانی سونپنے کے بجائے انگریزوں نے اُس کے حصے کرنا شروع کر دیئے۔ اپنے اتحادی فرانس کو لبنان اور شام دے دیئے جب کہ برطانیہ نے شاہ حسین کے بیٹے فیصل کو اگست 1921ء میں عراق کا بادشاہ مقرر کیا۔ یہ بھی بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ انگریزوں نے فیصل کو پہلے شام کی بادشاہت سونپی تھی لیکن فرانسسی اُس کی راہ میں نہ صرف رکاوٹ بنے بل کہ اُسے شام سے نکال دیا۔ دریائے اُردن کے مشرقی کنارے پر ایک نئی ریاست اُردن قائم کی گئی۔ اپریل 1921ء میں امیر عبداللہ کو اُس کا تخت سونپ دیا گیا۔ حالات کے تغیّر و تبدیل کروٹ بدلتے رہے ایک طرف حجاز میں شاہ حسین کی بادشاہت کا پرچم لہرانے لگا۔ جب کہ قلیل عرصہ کے بعد اُسے جلاوطن کر دیا گیا اور اُس کا بیٹا علی تخت نشین ہوا۔ تخت اور تختہ ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ ابنِ سعود متحرک ہوئے۔ یہ بات بھی تاریخ میں رقم ہے کہ عبدالعزیز ابنِ سعود نے 1914ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور 1926ء میں شریفِ مکہ سے حکومت چھین کر حجاز پر قابض ہو گئے۔ آلِ سعود کی حکمرانی میں حجاز نے بہت ترقی کی۔ پٹرول نکل آنے سے حکومت امیر ہو گئی۔ شاہ فیصل کی شہادت کے بعد خالد بن عبدالعزیز برسرِ اقتدار رہے اور یہ سلسلہ مختلف حالات میں آج بھی تبدیلی کا شکار ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے شعری مجموعہ ''جاوید نامہ'' میں مہدی سوڈانی کی رُوح جب اقبال سے ملتی ہے تو وہ پیغام دیتی ہے کہ رُوحِ عرب کو بیدار ہونا چاہیے۔ وہ اس دور

کے مسلمان شہنشاہوں فہد، فیصل اور ابنِ سعود سے کہتی ہے کہ تقدیر تمھارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اُٹھو اور کچھ کر کے دکھاؤ۔ تم میں عمر اور خالد پیدا ہونے چاہئیں۔

زندگانی تا کجا بے ذوقِ سیر
تا کجا تقدیر تو در دستِ غیر

ترجمہ: یعنی تیری تقدیر کب تک غیروں سے ہاتھ میں رہے گی۔

برطانوی حکمرانوں نے فلسطین کو بھی زیرِ نگیں کر لیا۔ اُن کا پورا جھکاؤ یہودیوں کے لیے اقتدار کی راہ ہموار کرنا تھا۔ علامہ محمد اقبالؒ، سلطنتِ عثمانیہ کے زوال سے بہت رنجیدہ تھے کیوں کہ نہ صرف یہودی سازشیں سر اُٹھا رہی تھیں بل کہ فلسطین کا قیمتی سرمایہ کم قیمت پر فروخت کیا جا رہا تھا۔ 1916ء میں یہودیوں کی تنظیم ''عالمی صہیونی تنظیم'' کی سرپرستی میں برطانیہ سے عسکری طاقت حاصل کی جا رہی تھی۔ برطانوی حکومت کی شہ پر صہیونیت کو فروغ حاصل ہوا۔ یہی نہیں امریکا کو بھی اتحادیوں کی حمایت کے لیے تیار کرنے میں صہیونی طاقتوں کا بہت بڑا کردار ہے۔ جیسا کہ پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ برطانیہ نے فلسطین کو اپنے قابو میں رکھا۔ مجلسِ اقوام نے 24 جولائی 1923ء کو برطانیہ کو اجازت دے دی کہ وہ وہاں حکومت قائم کر لیں۔ اس نئی حکومت میں یہودیوں نے اپنی جگہ بنالی۔ عربی کے مقابلے میں عبرانی زبان کو سرکاری زبان قرار دے دیا گیا اور اس طرح یہودی خطۂ فلسطین میں آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے رہے۔ جنگِ عظیم دوم کے بعد 24/اکتوبر 1945ء کو ''اقوام متحدہ'' منصۂ شہود پر آئی۔ 28/اپریل 1947ء کو مسئلہ فلسطین کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ دیگر اُمور کے علاوہ اس اہم مسئلہ پر روس کے نمائندہ گرومیکو نے اہلِ عرب کے خلاف خطاب کیا۔ اُس نے یہودیوں کے حقوق کا کھلے الفاظ میں تحفظ کیا۔ ایک طویل بحث کے بعد فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے پر ایک قرارداد منظور ہوئی۔ چالبازیوں اور مکاریوں کے پس منظر میں اس قرارداد کا مقصد یہودیوں کے لیے فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ 15 مئی 1948ء کو یہودیوں نے ایک نئی مملکت ''اسرائیل'' قائم کرنے کا اعلان کیا۔ برطانیہ، امریکا اور روس کی تائید سے اسرائیل 3 مارچ 1949ء کو نہ صرف اقوام متحدہ کا ممبر بنا بل کہ خفیہ طور پر مذکورہ قوتوں نے اسرائیل کو مستحکم بنانے کی کوشش کی۔ روس نے اسرائیل کے استحکام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ امریکا نے اسرائیل کی امداد کی۔ اسرائیل نے عربوں کے خلاف کھلم کھلا جارحیت کا مظاہرہ کیا اقوام متحدہ میں اسرائیل کے خلاف

جب بھی کوئی قرارداد سامنے آئی تو ''ویٹو پاور'' کے خنجر سے مسلمانوں کے جذبات مجروح کیے گئے۔ دنیا میں متعدد نظریات، فلسفہ ہائے حیات ابھرے جن کا مقصد دنیا میں امن قائم کرنا تھا لیکن افسوس غیر مسلم فلاسفرا اپنے پیش کردہ نظریات سے دنیا میں کوئی مربوط فلسفہ پیش نہ کر سکے۔ دنیا کے لاتعداد مفکّرین اسلام کے فلسفۂ حیات کو ابدی تسلیم کرتے ہیں لیکن اُس کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اسلام انسان کی جبلّی فطرت اور اُس کے وجود کو کائنات میں جذبۂ خودی کے حوالے سے اہم پیغام دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرونِ اولٰی کے اساتذۂ کرام نے جس طرح اسلام کی روح نسلِ نو تک منتقل کی آج اساتذۂ کرام میں اُسی جوش و جذبے کا ہونا بہت ضروری ہے۔ لاہور میں منعقدہ ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ'' کے سلسلہ میں ایک بڑے سیمینار میں شرکت کا موقع ملا تو مقررین کا خطاب نظامِ تعلیم کے گرد گھوم رہا تھا۔ مقامِ افسوس ہے کہ آج ہمارے نوجوانون کو اس بات کا ادراک ہی نہیں ہے کہ ہم مسلمان کیوں ہیں؟ دہشت گردی میں گھرے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینے والے خود بڑے دہشت گرد ہیں۔ ایک معزز عالمِ دین نے کہا کہ آج ہمارے اساتذہ اور ارباب علم غیر مسلموں کے اذہان کو اس طرف قائل نہ کر سکے کہ اسلام، امن کا دین ہے۔ مسلمان کسی کو قتل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ دنیا کی مختلف یونی ورسٹیوں میں اسلام کا عالم گیر پیغام پہنچانے کی ضرورت ہے۔ غیر مسلم مفکّرین نے جو فلسفہ ہائے حیات پیش کیے ہیں، وہ دھیرے دھیرے دم توڑ رہے ہیں۔ اِن حالات میں مسلم مفکّرین اور مفسّرین کا فرض ہے کہ وہ انسانی ارتقاء کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اسلام کا فلسفۂ حیات دنیا کے سامنے پیش کریں۔ مذاکرات کی میز پر آج تک غیر مسلم مفکّرین اسلام کے فلسفۂ زندگی کی نفی نہیں کر سکتے۔ انسان فطرتِ انسانی کے مطابق ایک نظریۂ حیات رکھتا ہے۔ یہ نظریہ سچا کھرا اور قرآنِ حکیم کے عین مطابق ہے۔ قرآن سنتا بھی ہے، بولتا بھی ہے اور انسان کی حس کو متاثر بھی کرتا ہے۔ حال ہی میں سورۂ رحمٰن کی تلاوت سن کر صحت یاب ہونے والے کئی غیر مسلم، قبولِ اسلام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ قرآن پاک جس حالت میں نازل ہوا آج بھی اُسی حالت میں موجود ہے۔ یہ معجزہ صرف قرآن کا ہے جس کے کروڑوں حفاظِ کرام آج دنیا کے مختلف حصوں میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔

فاقم وجھک للدین حنیفاط فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا ط لا تبدیل
لخلق اللّٰہ ط ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (۳۰:۳۰)

ترجمہ: تو اے پیغمبر تم ایک خدا کے ہو کر اس کے دین کی طرف اپنا رُخ کیے رہو۔ یہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدا ہوئی فطرت میں ردّوبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضور اکرم ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث اس مضمون کی وضاحت کرتی ہے۔

مامن مولود الا یُولد علی الفطرة فابواه یهودانه اوینصرانه اور یمجسانه

ترجمہ: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

میرے خیال میں عالمِ انسانیت کے پہلے خلاء نورد تاجدارِ کائنات، خاتم النبیین، سراج السالکین، رحمت للعالمین، محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ جنھیں اللہ کریم نے آسمانوں کی سیر کروائی۔ 1967ء میں نیل آرمسٹرانگ نے خلائی تسخیر کر کے چاند پر قدم رکھا۔ مصر کے بازار میں نیل آرمسٹرانگ ایک دن مسجد کے قریب رک گیا۔ اُس کے ساتھی بھی اُس کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ احباب کے استفسار پر نیل آرمسٹرانگ نے بتایا کہ مسجد میں ہونے والی اذان کی یہ آواز اُس نے چاند بھی پر سنی تھی۔ رب العالمین اور رحمت للعالمین ﷺ کا ذکر تا قیامت ہر جگہ جاری و ساری رہے گا۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے اپنی کتاب ''پاکستان کی مستقبل'' میں اس حوالے سے کافی بحث کی ہے۔ تقریباً 119 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں اُن تمام اُمور کا ذکر ہے جن سے ہم پاکستان کو مستحکم بنا سکتے ہیں اور اُن خامیوں کا تذکرہ ملتا ہے جن کی وجہ سے پاکستان اسلام کا گہوارا نہ بن سکا۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین (یکم جنوری 1904ء۔ 29 نومبر 1979ء) ایسے دانش وروں کی ضرورت ہے جو قوم کو مایوسی سے نکال کر روشنی کے طرف لا سکیں۔ اُنھوں نے لکھا ہے:

ہمارا فرض تھا کہ ہم ان فلسفوں کا چیلنج قبول کرتے ان کا جواب دیتے اور فطرتِ انسانی کے متعلق اسلام کی پوزیشن کو خالص علمی Scientific نکتہ نظر سے درست ثابت کر کے دکھاتے لیکن اس کی بجائے احساس کمتری ہمیں ایسا دامن گیر ہوا کہ ہم دانستہ طور پر ان سے خود متاثر ہوتے چلے گئے اور آج ہم میں سے اکثر تعلیم یافتہ اشخاص اگرچہ مسلمان بھی ہیں لیکن فطرتِ انسانی کے متعلق ان فلسفوں میں کسی نہ کسی فلسفہ کے بنیادی نظریہ کے بھی قائل ہیں اور نہیں جانتے کہ ان کے یہ عقائد اسلام کے اس قدر مخالف ہیں کہ ان سے ہمدردی رکھنا اسلام سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ ہمارے

تعلیمی اداروں میں ان فلسفوں کی تعلیم کسی نہ کسی شکل میں ہوتی رہتی ہے۔ان دنوں نشرواشاعت کے بعض ایسے ادارے وجود میں آئے ہیں جن کا کام فقط یہ ہے کہ فرائڈ اور ایڈلر کے نظریات کو نفسیات کے نام پر چھوٹی چھوٹی کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے پھیلایا جائے اور یہ ادارے خوب روپیہ کمار ہے ہیں۔ پھر ہم ترقی پسند ادب کے نام سے ایک ایسا لٹریچر پیدا کر رہے ہیں جس کی آخری بنیاد یہ ہے کہ کارل مارکس اور فرائڈ کے عقائد صحیح ہیں اگر ہم اسلام کے نفسیاتی نقطۂ نظر کو ایک علمی شکل دینے کی کوشش کرتے اور اس میں کامیاب ہوتے اور ہماری کامیابی یقینی تھی (کیوں کہ خدا سے زیادہ سچی اور معقول بات کون کہہ سکتا ہے) تو ہم ایک طرف اسلام کی صداقت کا ایک نیا بیّن ثبوت مہیا کرتے اور دوسری طرف علم النفس کے انتشار کا بھی ازالہ کرتے۔وحی کے بغیر فلسفہ کے میدان میں انسان کی بے بسی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ فطرتِ انسانی کے متعلق عقلی قیاس آرائیاں کرنے والوں نے اب تک کم از کم علم النفس Psychology کے تیس مختلف نظریات پیدا کر دئیے ہیں۔یہ فلسفی جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے، آئمۃ الکفر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر چہ ہمارے تعلیم یافتہ اشخاص میں سے کئی ایسے ہوں گے جنھوں نے ان کا نام بھی نہیں سنایا، اگر سُنا ہے تو ان کا فلسفہ پڑھنے اور سمجھے کا موقعہ نہیں پایا لیکن پھر بھی ان کے افکار نے ہمارے عقائد کو متزلزل کر دیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کی علمی Scientific اور مادی ترقی اور سیاسی غلبہ کی وجہ سے ہم نے ان کے فلسفوں کا اثر زیادہ تر بالواسطہ Indirectly اور غیر شعوری طور پر unconsciously قبول کیا ہے جس طرح سے مرض کے جراثیم کے ایک محدود حصہ کو اپنا مرکز بنا کر وہاں سے اپنا ضرور رساں اثر تمام جسم میں پھیلاتے ہیں۔ کفر کے تصورات نے بھی ایک خاص مرکز سے اُبھر کر اپنا اثر ونفوذ تمام نوع انسانی میں پھیلا دیا ہے۔ اگر چہ آئمۃ الکفر کی تعداد زیادہ نہیں لیکن انھوں نے اپنے ماتحت لاتعداد چھوٹے چھوٹے امام پیدا کیے ہیں۔ پھر ان کے ماتحت یعنی ذہنی طور پر اُن کے زیر اثر ہزاروں لاکھوں تعلیم یافتہ اور ذہین انسان ہیں جو اپنے اپنے حلقہ میں ان کے فلسفہ کے اثرات اور تصورات کو پھیلاتے اور قائم رکھتے ہیں۔ دنیا کا سارا لٹریچر ان اثرات سے بھرا پڑا ہے۔شاعر وادیب اور دنیا بھر کے تمام ملکوں کے ذرائع نشر واشاعت، پریس، پلیٹ فارم، ریڈیو، سینما گھر، مدرسہ، ریاست، سوسائٹی، علمی، ادبی، تجارتی اور صنعتی انجمنیں اور جماعتیں بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر ان کی تبلیغ کے لیے وقف ہیں۔اس وقت دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس کا نظامِ تعلیم ان فلسفوں سے پیدا ہونے والے تصورات سے گہری طرح متاثر نہ ہو۔مختصر یہ

کہ دنیا کی ساری ذہنی فضا ان تصورات سے اس طرح سے معمور ہے جیسے آسمان پر چاروں طرف سیاہ بادل چھائے ہوئے ہوں اور ہم جہاں جائیں، اُن کے سایہ میں رہیں۔

آپ کہیں گے کہ آخر باطل باطل ہونے کے باوجود اس قدر مؤثر کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل کبھی خالصتاً باطل نہیں ہوتا بل کہ ہمیشہ حق و باطل کی آمیزش سے بنتا ہے۔ ہم اصل میں حق کی طرف جھکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ نادانستہ طور پر باطل کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ یہی شرک ہے اور دنیا پر اسلام کا سب سے بڑا احسان اور اسلام کا سب سے بڑا امتیاز بھی جو اس وقت کسی قدیم یا جدید مذہب کو حاصل نہیں اور جو اسے آخری اور صحیح ترین نظریہ زندگی کی حیثیت سے فی الواقع حاصل ہونا چاہیے تھا یہ ہے کہ اس نے تصور کامل اور اس سے اَخذ کیے ہوئے تمام تصورات حقہ کو باطل کے ہر ممکن شائبہ سے پاک رکھنے کی تاکید کی ہے۔

اس زمانہ میں ہمارے بعض مفکّرین نے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب کا کھوج لگایا جائے تاکہ قوم اُن کا ازالہ کر کے پھر عروج کی طرف مائل ہو لیکن اکثر مفکّرین کی پرواز خیال اس سے اُوپر نہیں گئی کہ انھوں نے انحطاط کی علامات کو ہی انحطاط کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اخلاقی حالت نہایت پست ہے۔ ان میں ضبط discipline نہیں۔ اتحاد نہیں۔ قربانی کا مادہ نہیں خودداری نہیں۔ عزتِ نفس نہیں۔ دیانت داری نہیں، محنت سے کام کرنے کی عادت نہیں علیٰ ہذا القیاس۔ اس کے برعکس وہ خودغرضی، بددیانتی، حرص اور لالچ کا شکار ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ذاتی اغراض کے لیے قومی مفاد کو نظر انداز کر دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کے بدترین دشمن اُن میں ہی سے ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان دوسری قوموں کی طرح ضبط discipline قربانی، دیانت داری، خودداری اور محنت کی عادت پیدا کر لیں تو اُن کا انحطاط عروج میں بدل جاتا ہے۔ وغیرہ

بعض مفکّرین اس سے ذرا آگے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے انحطاط کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے قرآن اور سنت پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہمیں کسی تقریر یا تحریر کی ضرورت نہیں بل کہ عمل اور فقط عمل کی ضرورت ہے۔ عمل ہی سے ہم اپنے گھر کو درست کر سکتے ہیں اور عمل ہی سے دوسری قوموں کو متاثر کر کے ان کی ہدایت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ عمل باالقرآن تبلیغِ دین کا صرف ایک ہی صحیح اور کامیاب طریقہ ہے۔ لوگ نصیحت سے نہیں بل کہ مثال سے اثر قبول کرتے ہیں اگر آج مسلمان پھر قرآن اور سنت پر عمل کرنے لگ جائیں تو ان کی قسمت بدل سکتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

لیکن یہ باتیں ہمارے عوارض کو بیان کرتی ہیں، عوارض کے اسباب کو بیان نہیں کرتیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ مریض کو بخار اس لیے ہے کہ اس کا درجہ حرارت بڑھ گیا ہے یا اسے زکام اس لیے ہے کہ اسے چھینکیں آتی ہیں ہمارے سامنے اصل سوال یہی تو ہے کہ جب اور قوموں کی اخلاقی حالت درست ہے تو ہماری اخلاقی حالت درست کیوں نہیں؟ ہم میں ضبط اور اتحاد کیوں نہیں؟ ہم میں قربانی کا مادہ، خودداری، عزتِ نفس اور دیانت داری کے اوصاف کیوں نہیں۔

ہم کیوں سست ہیں اور محنت اور تندہی سے کام کیوں نہیں کر سکتے؟ ہم مسلمان کہلانے کے باوجود قرآن اور سنت سے کیوں منحرف ہیں اور اُن پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ درحقیقت ان تمام سوالات کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان قوم کو اپنے نصب العین سے کوئی محبّت نہیں رہی اور زوالِ محبت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل مغرب کے غلط تصورات سے متاثر ہیں۔ کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں ہوتے۔ یہ قطعاً ممکن نہیں تھا کہ مسلمانوں کے دل مغرب کے غلط تصورات کی رف بھی مائل ہوتے اور پھر وہ اسلام کے بھی ویسے ہی معتقد رہتے۔ ان تصورات نے مسلمانوں کی متاعِ دین و ایمان کو اس صفائی سے لُوٹا ہے کہ انھیں خبر بھی نہیں ہوئی۔ اقبالؒ اس حقیقت کی طرف ایک بلیغ اشارہ کرتا ہے۔

متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

(بالِ جبریل، کلیات غلام علی اینڈ سنز، ص:303)

زندگی کی ساری کَل کو حرکت میں لانے والی قوت فقط ایک ہے اور وہ نصب العین کی محبّت ہے۔ نصب العین مختلف درجوں اور بلندیوں کے ہوتے ہیں۔ ہر نصب العین اپنا الگ ایک قانونِ اخلاق رکھتا ہے جس پر اس نصب العین کو ماننے والے بشرطیکہ وہ دل سے اس کو مانتے ہوں۔ نصب العین کی اندرونی کشش کی وجہ سے پوری رغبت کے ساتھ اور کسی بیرونی مجبوری کے بغیر عمل کرتے ہیں جس قدر کوئی نصب العین بلند ہوتا ہے یعنی اپنے اوصاف کے لحاظ سے تصور کامل کے قریب ہوتا ہے، اسی قدر اس کا قانون اخلاق بھی بلند ہوتا ہے اور جس قدر کوئی نصب العین پست اور ناقص ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کا مقرر کیا ہوا قانونِ اخلاق بھی پست اور ناقص ہوتا ہے تاہم جس قدر کوئی قوم اپنے نصب العین سے زیادہ محبّت رکھے گی، اسی قدر وہ اس نصب العین کے مقرر کیے ہوئے قانونِ اخلاق پر سختی

سے عمل کرے گی۔ اس وقت دنیا کی ہر قوم کا نصب العین ناقص اور پست ہے لیکن چوں کہ دنیا کی ہر قوم اپنے نصب العین سے شدید محبت رکھتی ہے وہ اس کے مقرر کیے ہوئے قانونِ اخلاق پر (اگر چہ وہ ایک پست اور ناقص نصب العین کا قانونِ اخلاق ہونے کی وجہ سے پست اور ناقص ہے) شدت کے ساتھ عمل کرتی ہے اور اس بات کی پروانہیں کرتی کہ اس راہ میں اسے کتنی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں میں اپنے نصب العین کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کرنے کی استعداد ہے۔ اس کے برعکس گو مسلمان کا نصب العین صحیح اور بلند ہے اور اس کا قانون اخلاق بھی ویسا ہی صحیح اور بلند ہے لیکن چوں کہ مسلمان اپنے نصب العین کی محبت سے محروم ہیں، اس کے اُس کے قانونِ اخلاق پر بھی عمل پیرا ہونے سے قاصر ہو چکے ہیں۔ ''وفاداری بشرطِ اُستواری اصلِ ایماں ہے'' مسلمانوں کے طرزِ عمل سے ظاہر نہیں ہو رہی۔

آج غیر مسلم اپنے مخصوص اصولوں اور ضوابط پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا پر حاوی ہو رہے ہیں۔ کئی غیر ممالک میں اسلام کا نظریۂ اخلاق عملی صورت میں نظر آتا ہے جب کہ ہمارے ہاں اسلام تو ہے لیکن اُس پر عمل کرنے والے نہیں ہیں۔

یہ مقولہ بھی فطرتِ انسانی کے کے اس بنیادی اصول کو نظر انداز کرتا ہے کہ نصب العین یا مدعاؤں کے مدعا کی محبت ہمارے اعمال کا سرچشمہ ہے اور ہمارے تمام عقائد و اعمال نصب العین کے خدمت گار ہیں، اس کے حکمران نہیں۔ اگر نصب العین کی محبت قوی ہو تو تقدیر کا عقیدہ ہمیں ایسے عمل سے باز نہیں رکھ سکتا جو اس محبت کا تقاضا ہو بل کہ اس کے برعکس اس کا ممد و معاون بن جاتا ہے۔ تقدیر کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کے بھی تو قائل ہیں کہ تقدیر اسباب کے ذریعہ سے اپنے مقاصد کو پاتی ہے اور ہم کو خدا کی تقدیر کا علم نہیں بل کہ فقط ان اسباب کا علم ہے جو بالعموم تقدیر کو صورت پذیر کرتے ہیں جب ہمارے دل میں ایک نصب العین یا مدعا کی شدید محبت یا خواہش پیدا ہوتا ہے تو ایک زبردست اندرونی دباؤ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم وہ عمل اختیار کریں جو ہمارے تجربہ کے مطابق بالعموم اس کی تکمیل کا ذریعہ ہوتا ہے اور تقدیر کا عقیدہ اس دباؤ میں کمی نہیں کرتا بل کہ اور اضافہ کرتا ہے کیوں کہ اس صورت میں ہم یہ نہیں کہتے کہ ''میں یہ کام نہیں کرتا اگر میری تقدیر میں کامیابی لکھی ہو گی تو میرا مدعا خود بخود حاصل ہو جائے گا۔'' بل کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کام کو بلا خوف و خطر کر گزرنا چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر میرا چارہ نہیں اور اس میں جو خطرہ یا خوف مجھے محسوس ہوتا ہے وہ خدا کی

تقدیر کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھے گا۔ یعنی اگر نصب العین کی محبت کمزور ہو تو ہم تقدیر کو ترک عمل کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ کیا کوئی تقدیر کا ماننے والا یہ کہتا ہے کہ مَیں آج کھانا نہیں کھاتا۔ اگر تقدیر میں ہوگا تو خود بخود سیر ہو جاؤں گا یا مَیں آج سے اپنے کام پر حاضر نہیں ہوں گا۔ اگر تنخواہ میری قسمت میں ہوگی تو مجھے مل جائے گی۔ یا کیا اگر ایسا شخص دشمنوں سے گھرا ہوا ہو اور اسے اچانک نجات کی واضح راہ مل جائے تو وہ کبھی کہتا ہے کہ مَیں اس راہ کو اختیار نہیں کرتا۔ اگر تقدیر میں ہوگا، تو مجھے خود بخود نجات میسر آئے گی۔ یا کیا اگر وہ ایک تجارتی معاملہ صریحاً سود مند پاتا ہو تو نفع کو مقدر سمجھ کر کبھی اس معاملہ کو نظر انداز کرتا ہے۔ ہم عمل کو ہمیشہ اس وقت ترک کرتے ہیں جب مدعا کی صحت اور اس کے حصول کے اسباب کی صحت پر ہمارا عقیدہ کمزور ہو جاتا ہے۔ یعنی جب مدعا (جس میں اس کے حصول کے اسباب بھی شامل ہیں) کی محبت کمزور ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم ترکِ عمل کے لیے عذرات تراشتے ہیں جن میں تقدیر بھی ایک عذر ہے۔ ہمیشہ ترک عمل پہلے ہوتا ہے اور تقدیر کا عذر یا دوسرے عذرات بعد میں ہوتے ہیں۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ہم عمل کو کلیّتہً ترک نہیں کرتے بل کہ ایک عمل کو ترک کر کے فوراً دوسرے عمل کو اختیار کرتے ہیں۔ حالاں کہ اس دوسرے عمل کے لیے بھی تقدیر کا عذر اسی طرح پیش کیا جا سکتا ہے، جس طرح سے پہلے عمل کے لیے جو ترک کیا گیا ہو۔

اگر دوسری قوموں کی طرح مسلمان وطنیت جیسے کسی پست نصب العین سے شدید محبّت پیدا کر لیں تو وہ بھی دوسری قوموں کی طرح محدود قسم کی اخلاقی خوبیوں سے آراستہ ہو کر ایک محدود عرصے کے لیے کچھ عروج اور ترقی حاصل کر سکتے ہیں لیکن خواہ مسلمان اسلام سے پوری طرح عقیدت رکھیں یا نہ رکھیں اسلام جیسے ایک کامل نظامِ تصورات سے ایک دفعہ آشنا ہونے کے بعد ان کے لیے ممکن نہیں رہا کہ اب وہ کسی پست نصب العین سے ایک ایسی شدید محبّت پیدا کر سکیں جو غیر مسلم قوموں کے لیے ممکن ہے۔ مسلمان قوم کے لیے واپس جانے کا راستہ کوئی نہیں، صرف آگے جانے کا راستہ موجود ہے۔ اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں تو ان کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ پھر اسلام ہی سے اپنی محبّت کو زندہ کریں اور اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ اس محبّت کی راہ میں مغرب کے غلط تصورات نے جو رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں پہلے ان کو ہٹائیں۔ اگر مسلمان اسلام سے اپنی پہلی محبّت کو پھر زندہ کر لیں (اور یہ ممکن ہی نہیں بل کہ اس کا ہونا ضروری ہے) تو پھر ان کو دوسری قوموں کی طرح عارضی عروج نہیں بل کہ ایک مستقل عظیم تر

پاکستان کی طرف سفر ہے۔

زندگی چوں کہ مسلسل انقلاب کا نام ہے۔ انقلاب کا مفہوم یہی ہے کہ ایک رواں حالت دوسری حالت میں تبدیل ہو جائے۔ حالات کا ایک سا نہ رہنا ماحول کا بدلنا گردونواح کا بدلنا، منزل کی جستجو میں آگے بڑھنا، زندگی سے عبارات ہے۔ زندگی کبھی ایک حالت میں نہیں رہتی معصوم بچہ جسمانی، ذہنی اعتبار سے بڑھتا ہے۔ پھلتا، پھولتا ہے۔ اس کی جسمانی حالت کا بدلنا ہی کافی نہیں، اُس کا باطن بھی تبدیل ہوتا ہے۔ بچہ سدا بچہ نہیں رہتا، اُس کے خیالات، جذبات، احساسات، نظریات، مشاہدات، تجربات اور علمی استطاعت یکسر بدلتے رہتے ہیں۔ وہ معاشرے اور ماحول میں یکسانیت سے اُکتا جاتا ہے اور یہی ماحول انسان کی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ کئی دفعہ زندگی میں بھٹکتا ہے اور پھر سنبھل بھی جاتا ہے۔ یہ بھٹکنا، سنبھلنا اور آگے بڑھنا، انقلاب کے راستے ہیں۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ آگے بڑھنے کی خواہش انسان کے دل کا سکون چھین لیتی ہے اور وہ دنیا کی رنگینیاں چھوڑ کر آرام وسکون کی تلاش میں ویرانوں کا رخ کرتا ہے۔ دنیا کے بہت سے مفکرّین، مفسّرین اور حاکمین کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے محلاتِ شاہی چھوڑ کر زندگی کا سکون صحراؤں، جنگلوں اور ویرانوں میں حاصل کیا۔ یہ نظام کائنات انقلاب اور تبدیلی کا رہینِ منت ہے۔ جب رات اپنا دامن پھیلاتی ہے تو طلوعِ سحر کا انتظار رہتا ہے۔ خالقِ کائنات نے اِسی تغیّر وتبدل کو ''کائنات'' کا نام دیا ہے۔ اگر ہم لمحۂ خاموش میں بیٹھ جائیں تو سماعتیں آواز کو ترستی ہیں لیکن اگر مسلسل شور برپا ہو تو خاموشی اور سکون کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ شام وسحر، سال مہینے، گھنٹے منٹ، بہار خزاں، سردی گرمی، سب کے سب ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ دن کو رات کی تلاش ہے اور رات کو دن کی۔ اگر رات اور دن یکجا ہو جائیں تو نظامِ کائنات ہی بگڑ جائے یہ کائنات کی بے قراری فطری ہے۔ رب العالمین نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے وہ تحقیق وجستجو کا ادراک رکھتا ہے۔ تسخیرِ کائنات اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ وہ فطرت کے راز افشاء کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف عمل ہے۔ اقبالؒ اِسی تغیّر وتبدل کو اِسی تڑپ اور پھڑک زندگی کا نام دیتے ہیں۔

ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ انسان جسمانی و ذہنی کیفیت کی تبدیلی درحقیقت کائنات کی تبدیلی سے حاصل کرتا ہے۔ جس طرح ایک موسم ہمیشہ نہیں رہتا۔ موسموں کی بے قراری دنیا کے انقلابوں کا حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق ہی درحقیقت انقلاب پر رکھی ہے۔ اگر کائنات

کوشعوری انداز سے پرکھا جائے تو یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ زمین بھی بدلتی رہتی ہے۔ دانا لوگ کہتے ہیں کہ سال ہا سال پہلے برعظیم پاک و ہند جہاں ہمارا مسکن ہے یہاں سمندر ہوتا تھا اور پھر آہستہ آہستہ پانی خشک ہوتا گیا اور کچھ پانی نے اپنا راستہ بدل لیا اور اب یہ خشکی ہماری سرزمین ہے۔ دنیا کے کچھ حصوں میں تو نئے سمندر اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔ سونامی سیلاب نے زمین کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ آتش فشاں جب آتش نوائی کرتے ہیں تو ایک بڑی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ دنیا کے لاتعداد زلزلوں کی تبدیلیاں بھی انقلاب کی ایک شکل ہیں۔ دو عالم گیر جنگوں اور دیگر حصول اقتدار کے ٹکراؤ نے بھی تبدیلیوں کا راستہ ہموار کیا ہے۔ آبادی کے روز افزوں ارتقاء سے وہ مقامات جہاں کھیت اور کھلیان تھے وہاں آج شاہی محلات اور بلند بالا عمارتیں تبدیلی کا باعث ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے 'کُن فیکوں'

(بالِ جبریل، کلیات غلام علی، ص: 320)

کل کی کلی آج پھول ہے، لوگ اُس کے حسن سے متاثر ہیں۔ کل کلی اپنے مسکرانے پر پشیماں ہوگی۔ پھول بننے کی خوشی میں مسکرانے والی کلی اس بات سے غافل تھی کہ یہ تبسّم اُس کے لیے موت کا سامان بنے گا۔ اقبالؒ کا نظریۂ انقلاب زندگی کی حرکت سے وابستہ ہے۔ نئے تجربات، نئے مشاہدات اور وسعتِ نظری سے کائنات میں تبدیلی ایک فطری عمل ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اِسی لیے کہا ہے کہ حسن تو وہی ہے جسے زوال ہے۔

ہوئی ہے رنگِ تغیّر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

(بانگِ درا، کلیات غلام علی، ص: 112)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے تغیّر و تبدل کو اس کائنات کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں یہ فلسفۂ اقبال کے گرد گھوم رہی ہیں۔ اِسی تغیّر کی وجہ سے اقبالؒ زندگی کے روشن پہلو سامنے رکھتے ہیں۔ رجائیت اُن کے فکر کے گرد گھومتی ہے۔ اقبالؒ مایوس ہونے کو اللہ کریم کی رحمتوں کی توہین سمجھتے ہیں۔ انسان کو اللہ پر توکل رکھتے ہوئے خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہنا چاہیے۔

جب انسان کائنات کے اسرار و رموز سے فرار حاصل کرتا ہے تو تاریکیاں اُس کے گرد پھیلنے لگتی ہیں۔ اقبالؒ کے ہاں تاریکی کا تذکرہ ملتا ہے۔ تاریکی انقلاب کی راہ میں رکاوٹ کا نام ہے۔ من کی تاریکی، ماحول کی تاریکی سے زیادہ بھیانک ہوتی ہے۔ اقبالؒ اس تاریکی کا دامن تار تار کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔ ضربِ کلیم میں اقبالؒ کا پیغام تخلیق ہے۔ صرف تقلید کرنے والے نیا زمانہ اور نیا دور پیدا نہیں کر سکتے۔

پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اُس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق

(ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، غلام علی، ص: 129)

اقبالؒ نئی دنیا کے خواب شرمندۂ تعبیر کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
راستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی، ص: 107)

جب انسان دوسرے انسان پر حکمرانی کرنے کی خواہش کرتا ہے تو تعصب، خودغرضی، لالچ، فرقہ واریت کے مہیب سائے احساس کے پیرہن پر نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ آج عالمِ اسلام (2018ء) جن مسائل میں گھرا ہوا ہے وہ تاریخ کا بھیانک باب ہے۔ مسلمانوں کو خطرہ غیروں سے نہیں بل کہ اپنوں سے ہے۔ آج ہوسِ اقتدار کی تاریکیاں ہمارے درمیان حائل ہیں۔ کلمہ گو دست و گریباں ہو رہے ہیں۔ اِن تاریکیوں میں گھرے ہوئے ماحول کو ٹھیک کرنے کے لیے ہمارے لیے اب رات سے اُجالے کا سفر ضروری ہے۔ نیا زمانہ، نئے شام و سحر پیدا کرنے کے لیے عزمِ سحر لے کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
اُمید اُن کی ، میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی، ص: 47)

آج ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی مایوسیاں ہمارے احساس کے دروازوں پر دستک دے رہی ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے جو خواب دیکھا تھا، اُسے بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ نے پورا کر دیا۔ برعظیم پاک و ہند میں غلامی کے دن گزارنے والے مسلمانوں کو منزل مل گئی۔ ہم نے

اسلام کے نام پر جو تحریک شروع کی اُسے کنارہ مل گیا۔ ہم بے گھر تھے ہمیں رہنے کو گھر مل گیا۔ ہم نے قافلے لٹا کر منزل کو پالیا۔ ہمارے ہاتھ میں زہر کا پیالہ تھا، ہم نے اُس کا تریاق ڈھونڈ لیا۔ اللہ کریم کی فتح و نصرت نے ہماری منزل آسان کر دی۔ اس تحریک میں نعرے لبوں سے نہیں دلوں سے بلند ہوئے تھے۔ ربِ کائنات اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

(ارمغانِ حجاز، کلیاتِ اقبال، غلام علی، ص: 654)

قافلۂ زیست کی کامیابی کا راز مسلسل محنت ریاضت اور عبادت میں مضمر ہے۔ شبِ تاریک کو سحر کرنے کے لیے ربِ کائنات نے انسان کو لاتعداد خوبیوں سے سرفراز کیا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے سے زندگی کا نیا بانکپن نظر نہیں آتا۔ سکون یعنی تن آسانی موت کا استعارہ ہے۔ وہی قوم بامِ عروج تک پہنچتی ہے جو مصروفِ عمل رہتی ہے۔ جو قومیں عمل سے عاری ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنا تشخص کھو بیٹھتی ہیں۔ تاریخ کی نظروں میں یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر کوئی قوم جہدِ مسلسل کا جذبہ کھو بیٹھتی ہے تو اُسے دورِ غلامی دیکھنا پڑتا ہے۔ بے عملی سے اجتماعی احساس اور جوہر انفرادی فنا ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ قطرہ سمندر میں داخل ہو تو اُس کی قوت بڑھ جاتی ہے اور ملت سے جدا ہونے والا فرد تنہا ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس بات کا تذکرہ بار بار ملتا ہے کہ زندگی حرکت و عمل کا دوسرا نام ہے۔ جہادِ زندگانی سے نیا دور پیدا ہوتا ہے۔

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ
کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس راہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں!
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 119)

بے عملی تاریک ذہن کی عکاسی کرتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اس تاریکی سے نجات کا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ یہ تاریکی ذہنی ہو یا ماحول سے وابستہ، اس تاریکی کو گرانا، اس تاریکی کو ختم کرنا، اس تاریکی کو اُجالے میں بدلنا ہی تبدیلی کا سفر ہے۔ اقبالؒ تاریکی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

آہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا معمور ہے؟
یا محبت کی تجلّی سے سراپا نور ہے؟

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 71)

اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 203)

آرزو کو خون رُلواتی ہے بیداد اجل
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیادِ اجل

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 117)

تاریک صحرا میں ایک ٹمٹماتا ہوا دیا، ہمیں روشنی عطا نہیں کرسکتا لیکن جگنو کی طرح نشانِ منزل تو دے سکتا ہے۔ جس طرح سورج کی ایک کرن تاریکی کا سینہ چیر سکتی ہے، اِسی طرح ہم اپنی تاریک راتوں کو نویدِ سحر دے سکتے ہیں۔ اُجالے کا سفر ہی روشن مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔

کھینچ کر خنجر کرن کا، پھر ہو سرگرم ستیز
پھر سکھا تاریکیٔ باطل کو آدابِ گریز

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 241)

تقریباً دس لاکھ مسلمانوں نے اپنے لہو کا نذرانہ دے کر ایک آزاد اور خودمختار مملکت 14 راگست 1947ء کو حاصل کر لی۔ لاتعداد مسائل کی تاریکیاں قائدِاعظم محمد علی جناحؒ اور اُن کے رفقائے کار کے سامنے تھیں۔ عزم واستقلال اور اُمیدِ سحر نے صبحِ زندگی کی طرف کامیابی سے قدم بڑھائے مگر افسوس قائدِاعظم محمد علی جناحؒ 11 ستمبر 1948ء کو اور لیاقت علی خان 16 اکتوبر 1951ء کو ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔

شاہراہِ ترقی کی پچ پر اُوپننگ بیٹس مین آؤٹ ہونے سے اناڑی کھلاڑی ٹیم کو سہارا نہ دے

سکے اور معمولی سکور کرنے کے بعد برسراقتدار ٹیم پویلین لوٹ آئی۔ ناتجربہ کار کوچ کھیل کی تباہی کا باعث بنے۔قوم کے بڑے رہنماؤں کا بچھڑنا، پاکستان کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ثابت ہوا۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 260)

غلامی اور محکومیت سے تو نجات مل گئی لیکن حکمرانی کا نشہ اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ ناخدا کشتیٔ ملت کا بنایا جس کو اُس نے طوفاں کی حقیقت سے ہمیں دور رکھا۔ نظریۂ پاکستان کو نظرانداز کرنا، حصولِ آزادی کے مقاصد کو فراموش کرنا ثابت ہوا۔ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا تھا لیکن ہم سب اسلام کے بجائے اسلام آباد کے خواہش مند ہو گئے۔ خودغرضی، خودفراموشی، رشوت، اقرباء پروری، صوبائی تعصّب، لسانی تعصّب، کرپشن، اختیارات کا ناجائز استعمال اور لاپرواہی نے ملک پر رات کا سماں بنا دیا ہے۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی یہ رات کی دیواریں ڈھانے کا وقت آپہنچا ہے۔

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تُو اے مسافرِ شب! خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نُورانی

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، غلام علی، ص: 146)

دنیا میں کام مشکل تو ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ ہمیں من حیث القوم یہ فریضہ ادا کرنا ہوگا۔

جو ہے پردوں میں پنہاں، چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی، ص: 72)

ہمیں اپنے چشمِ بینا سے حقیقتوں کا ادراک کر کے پیغامِ الٰہی کی تکمیل کے لیے آگے بڑھنا ہوگا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ انسان کو تسخیرِ کائنات کا پیغام دیتے ہوئے عمل، جہدِ مسلسل، یقینِ محکم اور نیابتِ الٰہی کے جذبے سے سرشار ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اقبالؒ کا مردِ مومن اپنی خودی مضبوط کرتے ہوئے رب العالمین کے قریب ہو جاتا ہے۔ تغیر پذیر دنیا ہمارے ساتھ اُسی صورت میں چل

سکتی ہے کہ ہم محبت فاتحِ عالم کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیں۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا فلسفۂ حیات اور نئے پاکستان کے تقاضے سمجھنے کے لیے کلامِ اقبال میں جھانکنا ضروری ہے۔

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لیے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت، حضر ہے مجاز
اُلجھ کر سلجھنے میں لذت اسے!
تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:418)

دمادم رواں ہے یمِ زندگی
ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:417)

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے!

(ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:493)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

(ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:507)

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کا رواں ہمارا

(بانگِ درا،کلیات اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:159)

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!

(ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:544)

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حُر کے لیے جہاں میں فراغ!

(ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:507)

یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں جس کی روا روی میں
ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

(بانگِ درا،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:174)

مایوسی، نااُمیدی اور سوچ کی تاریکی ختم کرنے کے لیے عزمِ استقلال بہت ضروری ہے۔ ہلالِ استقلال تھام کر آگے بڑھنا ہی نئے پاکستان کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ ہم صلاحیتوں کے اعتبار سے کسی سے کم نہیں ہیں۔ اللہ کی فتح و نصرت کا سہارا لے کر ہم ایک نہ ایک دن شبِ تاریک کو سحر میں بدل سکیں گے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

(بانگِ درا،کلیاتِ اقبال،غلام علی،ص:195)

ہماری زندگی کا مقصد، نور پھیلانا ہے۔ تاریکی کا دامن تار تار کر کے مخلوقِ خدا کو راہِ منور پر گامزن کرنا ہے۔ اس کام کے لیے عزم و استقلال اور سوچ کا روشن پہلو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

جلانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی، ص: 71)

رات کے بعد سحر طلوع ہوتی ہے۔ غم کے بعد خوشی کا دور آتا ہے۔ گرمی کے بعد سردی اور اس طرح یہ تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ بھی اُصولِ فطرت ہے کہ اُجالے ہمیشہ تاریکیوں کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب؟

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 446)

اللہ تعالیٰ مٹی کی تاریکی میں بیج کو حیاتِ نو عطا فرماتا ہے۔ دریاؤں کی موجیں بلند ہوتی ہیں تو بادل آسمان کی زینت بنتا ہے۔ آسمان سے مینہ برستا ہے اور پھر تاریکی سے پیدا ہونے والا بیج سرسبز و شاداب دکھائی دیتا ہے۔

14 / اگست 1947ء کو بشارت رسول ﷺ پوری ہوئی اور ہمیں ایک نعمتِ عظمیٰ میسر آ گئی۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت اتنی ناگفتہ بہ تھی کہ دفاتر میں ایک کامن پن بھی دستیاب نہیں تھی۔ تحریکِ پاکستان کے کارکن مفتی محمد طفیل گوندی کے والدِ گرامی عنایت اللہ گوندی نے مجھے بتایا کہ گورنر جنرل ہاؤس میں سٹیشنری کا معمولی سامان بھی میسر نہیں تھا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے قوم کو خودداری کا احساس دلواتے ہوئے، علامہ محمد اقبالؒ کا پیغام دیا۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے

(ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 627)

غلامی سے آزادی کا سفر بہت کٹھن تھا۔ ہندوستان کے لیڈر کہہ رہے تھے کہ ہجرت کرنے والے جلد واپس آئیں گے۔ کچھ اپنے بھی ایسے تھے جو لوٹ کر جانے کی تمنا رکھتے تھے۔ تاجِ برطانیہ نوزائیدہ مملکت پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ تبدیلی کا سفر یہ اقتصادی یا ظاہری نہیں تھا۔ اقبال اِن بدلتے ہوئے حالات میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے۔ اُن کی شاعری میں موجود ''بدل'' درحقیقت

سوچ کی تبدیلی کے بل بوتے پر خوش حالی کا سفر ہے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر سوئے منزل گامزن ہونے کا پیغام ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

تری دُعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے!

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 176)

دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اُس خواب کی تعبیر بدل جائے!

(ضربِ کلیم، کلیات غلام علی اینڈ سنز، ص: 609)

شاہیں کی ادا ہوتی ہے بُلبل میں نمودار
کس درجہ بدل جاتے ہیں مرغانِ سحر خیز!

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 67)

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص: 55)

یوں بھی دستورِ گلستاں کو بدل سکتے ہیں
کہ نشیمن ہو عنادل پہ گراں مثلِ قفس

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 182)

ہم نے حصولِ آزادی کے لیے نعرہ لگایا، یہ نعرہ دل کی اتھا گہرائیوں سے بلند ہوا۔ اللہ کریم نے جذبوں کی صداقت کو فتح و کامرانی عطا کی۔ انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کی قوتیں زمیں بوس ہو گئیں۔ حکومتیں آنی جانی چیز ہیں۔ اصل قوت عوام کی ہے۔ عوام ہی اللہ کی عطا کردہ قوت کا سرچشمہ ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہماری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ خرمنِ باطل سے اُٹھنے والی چنگاریاں ہماری سرحدوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ بابائے قوم، قائداعظم محمد علی جناحؒ کا سایہ اُٹھتے ہی پاکستان یتیم ہو گیا۔ وزیرِ اعظم خان لیاقت علی خان پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے ابھی تعمیری ذہن تیار کر رہے تھے "قراردادِ مقاصد" نے مرغزارِ سیاست میں قدم رکھا ہی تھا کہ سازشوں کا سلسلہ شروع ہو

گیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ لیاقت علی خان کینساس یونی ورسٹی امریکا کے لیکچر کے بعد سرگودھا بھی تشریف لائے۔ اُنھوں نے اہلِ سرگودھا کو بتایا کہ پاکستانی سکّے کی قیمت اپنی جگہ قائم ہے جب کہ دنیا بھر کی کرنسی کا ریٹ گر گیا ہے۔ خود غرض اور مغرب زدہ غلام ذہنیت پاکستانیوں کو اپنا غلام بنانا چاہتی تھی۔ لیاقت علی خان انسانیت وشرافت اور ایمانداری کے پیکر تھے۔ وہ سرمایہ داروں کی نظروں میں کھٹکتے تھے۔ سماج دشمن عناصر نے لیاقت علی خان کو 16/ اکتوبر 1951ء کو شہید کر دیا۔ سفاک قاتل سید اکبر، لیاقت علی خان پر گولی چلا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ اُسے بھی خفیہ عناصر نے گولی سے اُڑا دیا۔ لیاقت علی خان کیس کی فائل آج تک تلاشِ گمشدہ میں مقید ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ اور لیاقت علی خان ہم سے رخصت ہوئے تو پاکستان اندرونی و بیرونی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ بھارت نے سرحدی خلاف ورزیاں شروع کر دیں۔ کشمیر پر حملوں کا آغاز کر دیا۔ لیاقت علی خان کا لہراتا ہوا مکا آج بھی بھارتی حکومت کو یاد ہوگا۔ بقولِ اقبالؒ:

باطل سے دبنے والے، اے آسماں نہیں ہم
سو بارے کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:159)

16/ اکتوبر 1951ء سے جنرل محمد ایوب خان کے مارشل لاء 28/ اکتوبر 1958ء تک حکومتی کرسیاں بدلنے لگیں۔ یکے بعد دیگرے تبدیلی آتی رہی۔ محبِ وطن طبقہ پریشان تھا۔ ریاست ایک کل ہے جب کہ حکومت اُس کا جزو ہے۔ حکومت، سیاست، عدالت اور ریاست کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے بعد صحافت کسی بھی ریاست کے چار اہم ستون ہیں۔ حالات کی ستم ظریفی کے آزادی کی شمع روشن ہوتے ہی بادِ مخالف کی ہوائیں چلنے لگیں۔ اقبالؒ کی روح نے حکومتوں کو پیغام دیا۔

ہندوستاں میں جزوِ حکومت ہیں کونسلیں
آغاز ہے ہمارے سیاسی کمال کا

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:286)

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں، غلامی میں
زِرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا!

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:315)

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلم سے کوئی چارا

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 180)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی شاعری میں حکومت کے بہترین اوصاف کا کئی جگہ تذکرہ کیا ہے۔ اُن کے نزدیک اسلامی حکومت، اسلامی فکر کے مطابق ہوتی ہے۔ اربابِ اختیار قرآن پاک سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ایسا نہ ہوسکا اور سرمایہ دارانہ ذہن اسلامی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اپنی موت کا سامان کرنے لگا۔ اقبالؒ کا خواب چکنا چور ہونا شروع ہوا۔ وہ اہلِ قلم جنھوں نے سوئی ہوئی قوم کو آزادی کے لیے بیدار کیا وہ خود خوابِ غفلت کا شکار ہو گئے۔ جب قلم خاموش ہو جائیں تو ظلم و جبر کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ قیامِ پاکستان کا کٹھن سفر نا قابلِ بیان ہے۔ اقبالؒ حکومت کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں:

محفلِ نظمِ حکومت، چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 61)

سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار
نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پرمدار

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 145)

اقبالؒ کا خواب تو قائداعظمؒ اور اُن کے ساتھیوں نے پورا کر دکھایا لیکن اقبالؒ کی آواز تو بازگشت بن گئی۔ اُنھوں نے پاکستان بنتے تو نہ دیکھا لیکن اقبالؒ کو حکومت اور ریاست کا بخوبی ادراک تھا۔ وہ حاکمین سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے دشمن کے خلاف جہاد کیا۔ ''شمشیر وسناں اوّل، طاؤس و رباب آخر'' کے بل بوتے پر وہ آگے بڑھتے رہے۔ کہیں طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا کر منزل کو پالیا، تو کہیں محمود غزنوی نے سومنات پر 17 حملے کر کے بُت شکن ہونے کا مرتبہ پایا۔ یہ سب کچھ دولت کے لیے نہیں تھا۔ یہ ایک نظام اور نظریے کی فتح تھی۔ اقبالؒ کے یہ اشعار ہمیں دعوتِ فکر دے رہے ہیں۔

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے
سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے؟

(بانگِ درا،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:164)

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے، شاہی نہیں!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:390)

اقبالؒ کے نزدیک بہترین ریاست، قول وفعل کی مطابقت سے فعال ہوتی ہے لیکن جس حکومت میں انصاف کا نعرہ لگا کر عوام کو بیوقوف بنایا جائے وہاں خوشحالی نہیں آسکتی۔ وہاں کا علم، حکومت اور حکمت درحقیقت عوام کا لہو پینے بہانے ہیں۔اقبالؒ کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ حکومت!
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:399)

جس معاشرے میں ایک دوسرے کا احساس مرجائے، وہ معاشرہ دم توڑنا شروع کردیتا ہے اگر ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے بعد مشینوں کی حکمرانی کو ہم ترقی سمجھنے لگیں تو یہ کچھ نہیں ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک بڑا انسان چھپا ہے۔اُس انسان کا نام ''احساس'' ہے۔ جہاں احساسِ مروت کو ہمارے آسائشی اندازِ زندگی کچل دیں تو پھر معاشرے میں انصاف کس طرح پیدا ہوسکتا ہے۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت!
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:400)

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقلِ خداداد کی زد سے

(ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:501)

اقبالؒ کو شاید اس بات کا پورا ادراک تھا کہ اُن کی تجویز کردہ ریاست میں ''خوشامد'' کے ذریعے کام ہوا کریں گے۔خوشامد کے بل بوتے پر وزیروں، مشیروں کی حکمرانی ہوگی۔ نئے دور، نئی

حکومت اور نئے دستور کا کام تو سوچ تبدیل کرنا ہے لیکن ہمارے بہت سے لیڈر خوشامد کے بل بوتے پر حکمرانی کرنے کے انداز تلاش کرتے ہیں۔ چشمِ زدن میں حلیف، حریف بنتے ہیں اور حریفوں کو حلیف بنتے دیکھا گیا ہے۔ یہ تبدیلی دراصل خودغرضی اور مطلب پرستی کی تبدیلی ہے۔ عوام الناس کو خطرات سے غافل رکھتے ہوئے دولت وثروت سمیٹنے والے عوام کے دلوں پر کبھی حکمرانی نہیں کر سکتے۔

کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستور نیا اور نئے دَور کا آغاز

(کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:600)

یہ عیش فراواں، یہ حکومت، یہ تجارت
دل سینۂ بے نور میں محرومِ تسلّی!

(کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:601)

اقبالؒ مغربی جمہوریت کے خلاف تھے کیوں کہ اُس جمہوریت میں انسانوں کے کردار اور طرزِ عمل کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ ووٹوں کی گنتی سے کرسیِ اقتدار سونپ دیا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے تو معاشرے کا وہی شخص باعزت، محترم اور معظّم ہے جو حسنِ کردار کی دولت سے مالا مال ہو۔ بدقسمتی سے پاکستان میں بھی اِسی قسم کا جمہوری نظام رائج ہے۔ خاندان، قبیلہ، برادری، جاگیرداری، سرمایہ داری، لسانی اور فرقہ وارانہ اندازِ جمہوریت نے اسلامی جمہوریت کو نقصان پہنچایا ہے۔ موجودہ طرزِ جمہوریت پر ہونے والے انتخابات کے نتائج میں سیاسی پارٹیاں اپنی گنتی کرتی ہیں۔ برسرِ اقتدار آنے کے لیے اکثریت پارٹی آزاد پرندوں کو ٹوکری کے نیچے دانہ ڈال کر اپنے غول میں لانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ دانے سیکڑوں، ہزاروں یا لاکھوں میں نہیں اب تو کروڑوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ دانہ چگنے والے آزاد پنچھی نہ صرف اپنا خرچ پورا کرتے ہیں بل کہ ضرب کے قاعدے سے نفع کماتے ہیں۔ الیکشن کے دنوں میں اسلام اور پاکستان کا نعرہ لگانے والے فرعونیت کی صف میں نظر آتے ہیں۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(بالِ جبریل، غلام علی اینڈ سنز، ص:332)

ہماری سیاست ایسے ہی عناصر میں گھری رہی، دینی طبقات اسے اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے کوشاں رہے جب کہ مغربی جمہوریت پسند اسے مادر پدر آزاد جمہوریت کا نام دیتے رہے۔ بندوں کی گنتی ہوتی رہی، حکمران جمہوریت کے نام پر آمریت کی تصویر بن گئے۔ دولت چند گھرانوں میں سمٹ گئی۔ دین اور سیاست کو الگ کرنے کے بھیانک نتائج ہوئے۔ طبقاتی تقسیم بڑھتی گئی۔ امیروں کے بچے اعلیٰ سکولوں میں پڑھنے کی وجہ سے افسر بنے جب کہ سرکاری سکولوں کے فارغ التحصیل طالبِ علموں کو دفتری کاموں کے لیے کلرک بھرتی کیا گیا۔ دینی مدارس میں خالصتاً دینی نصاب پڑھایا جانے لگا جب کہ دیگر سکولوں میں لارڈ میکالے کا نصابِ تعلیم رائج رہا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اِن دونوں نصابِ تعلیم میں ہم آہنگی دیکھنے کے متمنّی رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ دینی نصاب میں حالات حاضرہ اور دیگر علوم شامل ہوں جب کہ باقی سکولوں میں دینی تعلیم کو لازماً قرار دیا جائے۔ دوعملی کی وجہ سے پاکستان کی تمام دولت گنتی کے چند گھرانوں میں تقسیم ہوگئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار کے دوران غریب کو تھوڑے عرصے کے لیے کچھ اُمید نظر آئی کے شاید روٹی کپڑا اور مکان کے تناظر میں اُس کی قسمت جاگنے لگے۔ شومئ قسمت ایسا نہ ہوا۔ تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن حالات کے تغیّر و تبدل نے پھر وہی کہنہ نظام سامنے لا کھڑا کیا۔ سرمایہ دار دولت کے بل بوتے پر غریبوں کا لہو چوسنے لگا۔ جاگیرداری نظام نے کسانوں، دہقانوں اور مزدوروں کا قتلِ عام کیا۔ غریب محنت کرتا رہا اور سرمایہ دار پلتا رہا۔ بندوں کی گنتی کرنے سے جو نظام سامنے آیا اُس نے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر کر دیا۔ اقبالؒ اس ضمن میں رہنمائی کرتے ہیں۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

(ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 611)

28/ اکتوبر 1958ء کو جنرل محمد ایوب خان (14 مئی 1907ء۔ 19/ اپریل 1974ء) نے مارشل لاء نافذ کر کے بحیثیت فیلڈ مارشل ملک میں قانون کی بالادستی کے لیے کام کیا۔ وہ 28/ اکتوبر 1958ء سے 25/ اپریل 1969ء تک برسر اقتدار رہے۔ صدرِ پاکستان کی حیثیت میں بھی اُنھوں نے تاریخی خدمات انجام دیں۔ محترمہ فاطمہ جناح (31/ اگست 1893ء۔ 9 جولائی 1967ء) کے خلاف صدارتی الیکشن لڑنا ایوب خان کی بہت بڑی غلطی تھی۔ ایوب خان نے مادرِ ملت کو ہرا کر اپنی آمریت

قائم رکھی۔ اِن حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھارت جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔آزادی کے صرف 18 سال بعد 6 ستمبر 1965ء کو بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ بھارتی جرنیل جم خانہ کلب میں ناشتہ اور گوجرانوالہ میں لنچ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔علامہ محمد اقبالؒ کے مرقد سے آواز آئی:

میں تجھ کو بتاتا ہوں ، تقدیرِ اُمم کیا ہے ؟
شمشیر و سناں اوّل ، طاؤس و رباب آخر

(کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:344)

جہاں بانی سے ہے دشوارتر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا!

(بانگِ درا،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:268)

پوری قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی اور بھارت کو شکستِ فاش ہوئی۔قومی یکجہتی، ہمدردی، ہم آہنگی، ایثار وقربانی کا فقید المثال مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو، ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:393)

خواب سے بیدار ہوتاہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلادیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

(بانگِ درا،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:260)

17 روزہ جنگ میں بھارت کو ہر محاذ پر ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ایم ایم عالم نے سرگودھا کی فضا میں فضائی جنگ کا وہ عالمی ریکارڈ قائم کیا جسے توڑنا نہ صرف مشکل بل کہ ناممکن ہے۔

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:457)

اقبالؒ کے مذکوہ شعر کی عملی تصویر 1965ء کی جنگ میں نظر آئی۔ بھارت نے اس جنگ کی

شکست کا بدلہ لینے کے لیے مشرقی پاکستان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا اور اپنی روایتی مکاری اور چالبازی سے مشرقی پاکستان میں مقیم بنگالیوں کو برسرِ بغاوت کیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری رہا۔ ایوب خان، محترمہ فاطمہ جناح کو ہرانے کی وجہ سے اپنا اعتماد کھو بیٹھے۔ گیارہ سالہ حکمرانی کے بعد لوگوں میں تبدیلی کا عنصر بیدار ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو چوں کہ حکومت کا حصہ رہے اور وہ حکومت کے رموز جانتے تھے اور شاید صدر ایوب خان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے، اس لیے وہ میدانِ عمل میں کود پڑے۔ 1965ء کا ہیرو بھٹو کی تحریک کے سامنے زیر و ہو گیا۔ ہنگامہ آرائی بڑھنے لگی۔ 25 مارچ 1969ء کو جنرل یحییٰ خان نے اقتدار سنبھال لیا۔ جنرل یحییٰ خان حکومتی رموز کے ماہر نہ تھے۔ ان کا اہم ترین کارنامہ جنرل الیکشن ہیں۔ جسٹس عبدالستار چیف الیکشن کمشنر نے 1970ء میں الیکشن کروائے۔ ملک کی 24 سیاسی جماعتوں نے الیکشن میں حصہ لیا۔ 7 دسمبر کو قومی اسمبلی کے جب کہ 17 دسمبر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ بلوچستان کے عوام نے بھی الیکشن میں پہلی مرتبہ حصہ لیا۔ مشرقی پاکستان میں قومی اسمبلی کی 162 نشستوں میں سے عوامی لیگ نے 160 نشستیں جیت لیں جب کہ مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی نے 138 نشستوں میں سے 80 نشستوں پر فتح حاصل کر لی۔ صوبائی اسمبلیوں میں بھی مشرقی اور مغربی پاکستان میں دونوں جماعتوں نے فتح حاصل کر لی۔ فوج نے صاف شفاف الیکشن کے انعقاد میں بھرپور معاونت کی۔ ووٹ بینک کے اعتبار سے عوامی لیگ کا پلڑا بھاری تھا۔ انتقالِ اقتدار سے پہلے ہی ملک میں ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی۔ پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ میں ٹھن گئی۔ اس رسہ کشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے منافقانہ کردار ادا کیا۔ 30 دسمبر 1970ء کو قومی اسمبلی کے منتخب اراکین کا اجلاس بلانے کا اعلان ہوا۔ پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ میں مفاہمت نہ ہو سکی۔ مولانا بھاشانی اور شیخ مجیب الرحمٰن نے اتحاد کر لیا۔ ملک میں سیاسی رسہ کشی بڑھنے لگی۔ 2 مارچ 1971ء کو مشرقی پاکستان کے مختلف شہروں میں ہڑتال، آتش زدگی، لوٹ مار کے واقعات رونما ہوئے۔ کئی شہروں میں کرفیو بھی نافذ کر دیا گیا۔ سول نافرمانی شروع ہو گئی۔ حالات کی کشیدگی کے باعث 11 مارچ 1971ء کو غیر ملکیوں نے مشرقی پاکستان چھوڑنا شروع کر دیا۔ 14 مارچ 1971ء کو کراچی کے نشتر پارک میں ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے سے روزنامہ آزاد نے اِدھر ہم اُدھر تم کے نعرے کی سرخی شائع کی۔ یہ سرخی بھٹو صاحب کے لیے ایک عرصہ تک مصیبت کا باعث بنی۔

دونوں بڑی جماعتوں کے سربراہان کو مذاکرات کی میز پر لانے کی کوشش کی گئی مگر عوامی لیگ کے 6 نکات آڑے آئے۔ بالآخر 21 مارچ 1971ء کو صدر یحییٰ خان اور مجیب الرحمٰن کے درمیان جب کہ 22 مارچ کو بھٹو اور مجیب الرحمٰن کے مابین مذاکرات ہوئے۔ جن کا کوئی نتیجہ سامنے آیا۔ 23 مارچ کو عوامی لیگ نے یوم پاکستان منانے کے بجائے یومِ مزاحمت منایا۔ اسی روز بنگالیوں نے پاکستانی پرچم اتار کر بنگلہ دیشی پرچم لہرا دیا۔ 26 مارچ کو فوجی ایکشن شروع ہوا۔ آپریشن سرچ لائٹ میں میجر جنرل راؤ فرمان علی اور میجر جنرل خادم حسین راجہ نے 26 مارچ 1971ء کو رات ابجے شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا۔ مجیب الرحمٰن کے ساتھیوں کو بھارتی خفیہ ایجنسی نے ''را'' نے اُنھیں بھارت فرار ہونے میں مدد کی۔ نیشنل عوامی پارٹی پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ بہت سے سیاسی رہنما پسِ دیوارِ زنداں چلے گئے۔ مولانا بھاشانی نے خان عبدالغفار خان (سرحدی گاندھی) کی ہمدردیاں بھی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ عوامی لیگ کا پریشر گروپ ''مکتی باہنی'' فرنٹ لائن پر آ گیا۔ اس کے انچارج کرنل عثمانی نے بھارتی معاونت سے پاکستانی فوج کا خوب مقابلہ کیا۔ مشرقی پاکستان کی اس صورتِ حال کو دیکھ کر بھارت میں مسرت وشادمانی کے گیت گائے گئے۔

3 اپریل 1971ء کو جنرل ٹکا خان نے مشرقی پاکستان کے مختلف لیڈرز کو اس بات سے آگاہ کیا کہ بھارت اس کشیدگی سے فائدہ اٹھا رہا ہے لیکن بنگالیوں پر صرف بنگلہ دیش بنانے کا بھوت سوار تھا۔ 6 / اپریل 1971ء کو بھارتی فوج کی سرگرمیوں سے پیدا ہونے والے حالات کے پیشِ نظر پاک فوج نے کئی بھارتی فوجی ہلاک کر دیے اور 800 فوجیوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔ 9 اپریل 1971ء کو جنرل ٹکا خان نے مشرقی پاکستان کے گورنر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ بھارت کی کھلم کھلا مداخلت سامنے آ گئی۔ چین، روس اور دیگر ممالک نے اس گمبھیر مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ 19 مئی 1971ء کو بھارتی وزیراعظم نے پاکستان کے خلاف جنگ کی دھمکی دے دی۔ مشرقی پاکستان میں موجود شرپسند عناصر اور بھارتی نژاد لوگوں کی سرگرمیوں نے سر اٹھایا۔ حکومت نے ملک بھر میں عوامی لیگ کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی نیز اخبارات پر سیاسی خبریں شائع کرنے پر پابندی بھی عائد کر دی۔ 5 اگست 1971ء کو حکومت نے مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت اور عوامی لیگ کے شرپسند عناصر کی سرگرمیوں پر ایک وائٹ پیپر شائع کیا۔ بھارت نے ان حالات سے مزید فائدہ اٹھاتے ہوئے روس اور امریکہ سے خفیہ معاہدے شروع کر دیے بطورِ خاص 9 اگست 1971ء

کو امن معاہدہ کے تحت بھارت نے روس سے جدید اسلحہ حاصل کیا۔ ایک غدار انسٹرکٹر مطیع الرحمٰن کچھ خفیہ دستاویزات بھارت پہنچانا چاہتا تھا اس مقصد کے لیے اس نے 20 راگست 1971ء کو پائلٹ راشد منہاس کے طیارے میں زبردستی گھس کر اسے بھارت لے جانے پر مجبور کیا لیکن راشد منہاس نے بھارت کی سرحد سے پہلے ہی اپنا طیارہ زمیں بوس کر دیا۔ غدار انسٹرکٹر اپنے انجام کو پہنچا اور بھارت اپنی جاسوسی میں ناکام ہوا۔ شہید راشد منہاس (نشانِ حیدر) 21 راگست 1971ء کو زیرِ زمیں منتقل ہو گئے تاکہ شہید کے لہو سے وہاں بہادری کے پھول اُگتے رہیں۔

بھارت، مشرقی پاکستان کی طرح مغربی پاکستان میں افراتفری کے خواب دیکھ رہا تھا۔ الحمدللہ! بھارت اپنے ارادے میں ناکام ہوا۔ بھارت نے سرحدوں پر افواج جمع کر دیں۔ پاکستان سے محبّت کرنے والے عوام بھارتی فوج کی مداخلت کے خلاف سڑکوں پر بھی آئے۔ مشرقی پاکستان میں پاک فوج کو بھارتی فوج، بنگالیوں اور مشرقی پاکستان میں موجود بھارتی تخریب کاروں کا ایک ہی وقت میں مقابلہ کرنا پڑا۔ مشرقی پاکستان کی سرحدوں کے علاوہ بھارت نے مغربی پاکستان کی سرحدوں پر بھی فوج ہائی الرٹ کر دی۔ ان حالات کے پیشِ نظر مغربی پاکستان میں بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے سرگرمیوں کا آغاز ہو گیا۔ شہروں کے دفاع کو فعال بنانے کے لیے پاکستان کے ہر شہر میں موجود ''شہری دفاع'' کو بھی فوری طور پر چوکنا اور مستعد رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ راقم الحروف (ہارون الرشید تبسّم) نے 7 نومبر 1970ء کو ''شہری دفاع'' میں شمولیت کی تھی۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں تدریس کے دوران 1971ء کے وسط میں ''کرش انڈیا فرنٹ'' کے کنوینر کی حیثیت سے بھارت کے خلاف جلسے جلوسوں کا اہتمام کیا۔ طالبِ علموں نے پاکستان ائیر فورس میں اپنی خدمات پیش کیں۔ ریت کے تھیلے تیار کرنے، ہتھیاروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پہنچانے کا اہتمام ہونے لگا۔ 17 ستمبر 1971ء کو ینگ سپیکرز یونین کے صدر کی حیثیت سے راقم الحروف نے ایک جنگی نوعیت کا مشاعرہ منعقد کروایا جس کی صدارت صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم نے کی۔ شاعرِ شباب الطاف مشہدی مہمانِ خصوصی تھے۔ ریڈیو پاکستان لاہور کی خصوصی ٹیم مشاعرے کی ریکارڈنگ کے لیے سرگودھا پہنچی۔ ایک محبِّ وطن پروڈیوسر نے راقم الحروف کو بھارتی جارحیت کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار کا موقع دیا جو 18 ستمبر 1971ء کو شام چھ بجے قومی نشریاتی رابطے پر براڈ کاسٹ ہوا۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے، اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:273)

مشرقی پاکستان پر بھارت کے حملے

پاکستانی قوم بھارتی منافقت کو بھانپ چکی تھی اس لیے مختلف محاذوں پر دفاعی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ سیاسی جماعتوں نے بھی اپنے اپنے طور پر کارکنان کو بیدار رہنے کا مشورہ دیا۔ بالآخر مشرقی پاکستان میں ''اپنوں'' کی سازشوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے تمام اخلاقی، انسانی اور عالمی اصولوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے 22 نومبر 1971ء کو مشرقی پاکستان میں موجود پاکستانی فوج پر حملہ کر دیا۔ بھارت کا یہ حملہ بھی 1965ء کے حملے کی طرح بزدلانہ اور اچانک تھا۔ مشرقی پاکستان پر اس حملے کے خلاف مغربی پاکستان اور ڈھاکہ میں بہت جلوس نکالے گئے۔ جیسور، چٹا گانگ اور سلہٹ میں بھارت اور پاکستان کی افواج کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ بھارتی فوج کے افسران اپنے 189 ہلاک فوجی اور 500 زخمی فوجی تحفہ میں ساتھ لے گئے۔ بھارت کی پیدل فوج کے ساتھ اٹھارہ ٹینک بھی تھے جنھیں ہمارے جوانوں نے تباہ کر دیا۔ میرے وطن کے 18 سپاہی جامِ شہادت نوش کر گئے جب کہ 56 جوانوں کو اسپتالوں میں بھیج دیا گیا۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویٰ ہے

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:160)

بھارت کے اس جارحانہ حملے کے پیشِ نظر صدر جنرل یحییٰ خان نے 23 نومبر 1971ء کو ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی۔ بھارت کو جن علاقوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس نے ان علاقہ جات میں ایک بار پھر قوت آزمائی شروع کر دی۔ بھارت نے سرحد کے علاوہ ہماری فضائی حدود کو بھی اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا۔ ''چوا گاچھا'' کی لڑائی میں بھارت اپنے دو طیاروں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ عالمی سطح پر بھارتی فوج کی اس حرکت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ چین سمیت کئی دیگر ممالک نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔ اقوامِ متحدہ کا ادارہ سلامتی کونسل اس حملے کی اطلاع پاتے ہی سرگرمِ عمل ہوگیا۔

24 نومبر کو بھارتی سورماؤں نے دیناج پور کے علاقے ہلی پر زبردست ہلہ بول دیا لیکن پاک فوج کے جوانوں نے اس حملے کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے بھارتی فوجیوں کی نعشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ مجبوراً سہلٹ کے محاذ پر دشمن کو واپسی کی راہ دیکھنا پڑی۔ مختلف علاقوں جیسور، کومیلا اور چٹا گانگ میں بھی لڑائی کے واقعات ہوتے رہے۔ حکومتِ پاکستان نے ہنگامی صورت حال کے پیش نظر ڈھاکہ اور نرائن میں شام ساڑھے پانچ بجے سے رات ساڑھے نو بجے تک کرفیو نافذ کر دیا۔ بھارتی فوج نے 25 نومبر کو جیسور، بنیاپول، ہلی، سہلٹ اور چٹا گانگ یعنی پانچوں اطراف سے حملہ کیا لیکن پاک فوج کے جوانوں نے چومکھی لڑتے ہوئے دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیے۔ 26 نومبر کا معرکہ جیسور اور بیلونیا کے علاقہ جات میں بھارت کے لیے ندامت کا باعث ہوا۔ بھارت کا جزوقتی قبضہ بھی پاک فوج نے واپس لے لیا۔ بھارت کی اپنی بارودی سرنگیں ان کے لیے نقصان کا باعث ہوئیں۔ 27 نومبر کو بھارتی فوج اپنے پانچ حملوں میں ناکام رہی۔ اِن مشرقی محاذوں پر بھارت کو نعشوں کے علاوہ کچھ نہ ملا۔

جیسور کے علاوہ سلہٹ اور دیناج پور میں بھارت اپنی کثیر فوج کے ساتھ 28 نومبر کو حملہ آور ہوا نتیجتاً ٹینکوں، توپوں اور طیاروں کے استعمال کے باوجود بھارت کے 30 جوان واصلِ جہنم ہوئے۔ 29 نومبر 1971ء کو بھی جیسور اور دیناج پور میں شکست بھارتی فوج کا مقدر بنی۔ یکے بعد دیگرے حملوں میں ناکامی کے باعث 30 نومبر کو اندرا گاندھی نے پاکستان کو مشرقی پاکستان ''نام نہاد بنگلہ دیش'' سے اپنی فوجیں ہٹانے کی دھمکی دی۔ مشرقی محاذ کے بعد بھارت نے مغربی پاکستان کا رخ بھی کیا۔ یکم دسمبر 1971ء کو بروز بدھ بھارت کے چار طیاروں نے جونہی سیالکوٹ کے علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو پاکستان کے شہبازوں کو دیکھتے ہی واپس بھاگ گئے۔ کشتیا اور سلہٹ میں بھی بھارت کا ایک زبردست حملہ نہ صرف پسپا ہوا بلکہ اس کے 130 بھارتی فوجی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان بھارتی حملوں کے خلاف عالمِ اسلام میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ مشرقی محاذوں پر مار کھانے کے علاوہ بھارت نے کئی دوسرے علاقہ جات پر بھی چڑھائی کرنے کی کوشش کی۔

راقم الحروف (ہارون الرشید تبسم) نے 3 دسمبر 1971ء بعد از نمازِ جمعہ، جناح ہال سرگودھا میں بھارت کے خلاف ایک بہت بڑے سیمینار کا اہتمام کیا جس کی صدارت چیئرمین تعلیمی بورڈ غالب احمد نے کی۔ اہم مقررین میں عبدالرحمٰن پنگیری، پروفیسر غلام جیلانی اصغر، پروفیسر صاحبزادہ

عبدالرسول، سید مسعود احمد زاہدی، قاضی مقصود احمد انور، خان میاں خان، تاج الدین حقیقت اور دیگر معززین شامل تھے۔ تقریب تقریباً اذان مغرب تک جاری رہی۔ جونہی شرکاء تقریب جناح ہال سے باہر آئے تو خطرے کے سائرن بج رہے تھے۔ شہر میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ بھارت نے مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔ کچھ ہی وقت کے بعد پتا چلا کہ بھارتی طیارے شاہینوں کے شہر سرگودھا کا رخ کر رہے ہیں۔

مغربی پاکستان پر بھارتی یلغار

بھارت نے عیاری اور مکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کے بعد مغربی پاکستان کی تمام سرحدوں پر بھی اچانک زبردست حملے کیے مگر پاک فوج کے جانبازوں اور پاک فضائیہ نے دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ پاک فضائیہ کے شاہینوں نے امرتسر، پٹھان کوٹ، آگرہ، انبالہ، سری نگر، اوانتی پور اور اترالی (راجستھان) کے فضائی اڈوں پر زبردست حملے کر کے انھیں ناکارہ بنا دیا۔ پاک فضائیہ کے سربراہ ائیر مارشل اے رحیم خان نے فضائیہ کو حکم دیا کہ وہ دشمن کو ایسا سبق سکھا دے جسے وہ سو برس تک نہ بھلا سکے۔ بھارتی حملے کے پیشِ نظر پاکستان بھر میں براؤن آؤٹ، بلیک آؤٹ اور رات کو حفاظتی اقدامات کے احکامات صادر کر دیے گئے۔ 4 دسمبر کو صدر پاکستان جنرل محمد یحییٰ خاں نے مسلح افواج اور پاکستانی عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ آگے بڑھیں اور سفاک و مکار دشمن پر اللہ اکبر کی کاری ضرب لگائیں اور اس پر قہرِ خداوندی بن کر ٹوٹ پڑیں، علاوہ ازیں صدر پاکستان نے کہا کہ بھارت کی حالیہ سنگین جارحیت ہمارے خلاف اس کا سب سے بڑا اور آخری وار ہے ہم نے بہت برداشت کیا مگر اب دشمن کا منہ توڑ جواب دینے کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ ہماری مسلح افواج اس حملہ آور کو نہ صرف سرزمینِ پاک سے مار بھگانے بل کہ اس کا پیچھا کر کے دشمن کو اسی کے علاقے میں تہس نہس کر دینے کا پختہ عزم کر چکی ہیں۔ صدر نے اپنی تقریر میں مزید کہا کہ آپ میں سے ہر ایک کو ملک کے دفاع کے لیے کام کرنا ہے۔ قومی اتحاد برقرار رکھئے اور اللہ کا یہ وعدہ یاد رکھئے کہ اگر تم ثابت قدم رہے تو اللہ فتح مبین عطا کرے گا۔

بھارت کی ناکامیاں

5 دسمبر 1971ء بھارت کے لیے ناکامیوں کا سورج لے کر طلوع ہوا۔ پنجاب کی لائن آف

کنٹرول، کشمیر اور دیگر مقامات پر بھارت شکست سے دو چار ہوا۔ بھارت کے کئی طیارے دم توڑ گئے۔ مشرقی پاکستان کے شہر اکھوڑہ ریلوے اسٹیشن پر بھی بھارت کے منہ پر شکست نے طمانچہ دے مارا۔ کھیم کرن چوکی پر پاکستانی فوج براجمان ہوگئی۔ اسی دوران اسرائیل اور روس کی طرف سے پاکستان کو دھمکیاں بھی ملنے لگیں۔ امریکا دو عملی کا شکار رہا۔

بھارتی سازش

پاک فوج نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور 6 دسمبر کو دریائے توی عبور کر لیا۔ حسینی سیکٹر کے قرب و جوار کی بہت سی چوکیوں پر قبضے کے علاوہ دریائے ستلج کے پار بھی دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا۔ سازشی بھارت نے اپنی ندامت مٹانے کے لیے اسی دن مشرقی پاکستان کو بطور ''بنگلہ دیش'' تسلیم کر کے پاکستان کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی ساز و سامان پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ پاک فضائیہ نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہماری مسلح افواج مقبوضہ کشمیر کے اہم شہر چھمب جوڑیاں پر ے دسمبر کو قابض ہوگئیں۔ پاکستان کے کئی بڑے شہروں خصوصاً لاہور، سیالکوٹ، خانیوال، سرگودھا، ڈیرہ غازی خان، کراچی، پشاور، کوئٹہ، راولپنڈی میں بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار بھی قابو میں آ گئے۔

بھارتی فوج کی ناکامی

جنگ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ مغربی محاذ پر بھارتی فوج اپنی لاشیں اٹھاتی رہی کیوں کہ پاک فوج نے مغربی محاذوں پر دشمن کو چھٹی کا دودھ یاد دلوا دیا۔ واہگہ اور برکی سیکٹر میں بھارت کے متعدد دیہاتوں پر پاک فوج نے قبضہ کر لیا۔ چھمب، حسینی والا اور راجستھان میں زبردست جنگ جاری رہی۔ پاک فضائیہ نے جودھپور، پٹھان کوٹ، امرتسر، بھوج اور اترالی کے ہوائی اڈوں کو نشانہ بنایا۔ فضائیہ نے اکھنور اور فانلکا میں دشمن کے تیل اور اسلحہ کے ذخائر تباہ کر دیئے۔ مشرقی پاکستان میں سلہٹ اور دیناج پور سیکٹر میں اترنے والی بھارتی چھاتہ بردار فوج کو پاک فوج نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک بھی بھارتی زندہ نہ بچا۔ جیسور اور لکشمی پور کے محاذوں پر دشمن کی پیش قدمی کو نہ صرف روکا بل کہ دشمن کے ٹینک بھی تباہ کر دیے۔ کامیابی کی داستانوں میں بری اور فضائی قوتوں کے علاوہ بحریہ کی کاوشیں بھی کم نہ تھیں۔ کراچی کے قریب حملہ کی نیت میں آنے والی بھارتی آبدوز کو پاکستانی بحریہ نے

نذرِ آب کر دیا۔ لوگوں کا جذبہ دیدنی تھا۔ انھوں نے فوج کے شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لیا۔ عوام الناس نے دفاعی فنڈ میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ پاک فوج کی پیش قدمی جاری رہی اور اس نے 9 دسمبر 1971ء بروز جمعرات برکی سیکٹر میں چینا بندی چک اور کلاہ نامی دو گاؤں پر قبضہ جما لیا۔ واہگہ اٹاری سیکٹر میں بھی پاک فوج نے کامیابی حاصل کی۔ مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے 42 جوانوں نے کمال پور کے محاذ پر بھارت کے 540 سپاہی جہنم کی آگ میں دھکیل دیے۔ 45 بھارتی فوجیوں نے ہتھیار ڈال کر شکست چاٹ لی۔ پاک فضائیہ نے انبالہ، آدم پور، بھوج اور اترالی کے ہوائی اڈوں پر حملے کر کے نہ صرف زمینی نقصان پہنچایا بل کہ دشمن کے چار طیاروں کو تگنی کا ناچ نچوا کر تباہ کر دیا۔ بھارت نے اپنی روایتی سرشت قائم رکھی۔ اس نے ڈھاکہ کے ایک یتیم خانہ پر آتش و آہن کی بارش کر کے 50 بچوں کو جامِ شہادت کے درجہ تک پہنچا دیا۔

10 دسمبر کو تمام محاذوں پر گھمسان کی جنگ میں دشمن کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ پاک فضائیہ نے بھارت کے مزید چودہ طیارے تباہ کر دیے اور اس طرح 10 دسمبر تک بھارت 120 طیاروں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ راقم الحروف 1971ء کی جنگ میں عملی طور پر شریک رہا۔ دن شہری دفاع کی تربیت کے اصول سیکھانے میں گزرتا تو رات گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج کی چار دیواری میں زمین پر نصب چار طیارہ شکن توپوں کے محافظین کے ساتھ گزرتی۔ شہری دفاع کے رضا کاروں کا جذبہ نا قابلِ فراموش تھا جو توپ خانہ کے جوانوں کو اسلحہ تک پہنچانے کی خدمات انجام دیتے رہے۔

سرگودھا پر بھارتی طیاروں کی بمباری

شاہینوں کے شہر سرگودھا پر 1965ء کی جنگ کی طرح، بھارت نے 10 دسمبر 1971ء بروز جمعۃ المبارک دس بم گرائے۔ شہری آبادی مثلاً مسجد گول چوک، مسلم مسجد، پی ایس او پیٹرول ڈپو، ریلوے ٹریک، پولیس لائن اور قرب و جوار کے چکوک پر اپنی جارحیت کا مظاہرہ کیا۔ کوٹ فرید روڈ پر نصب چار طیارہ شکن توپوں اور پی اے ایف کی توپوں سے ہونے والی مشترکہ فائرنگ سے بھارت کے درجنوں طیارے زمیں بوس ہوئے۔ قریبی چک نمبر 36۔ 37 شمالی سے بھارت کا تباہ شدہ جہاز سرگودھا کے شاہین گدھا گاڑی پر اُٹھا لائے۔ فضاء میں اُڑنے والا بھارتی جہاز پاکستان کی گدھا گاڑی پر دیکھ کر عوام الناس نعرۂ تکبیر بلند کرتے رہے۔ سبحان اللہ! پورا کوٹ فرید اور قریب کے اہلِ محلّہ سول ڈیفنس

کے رضا کاروں کے ہمراہ فوجی بھائیوں کی عسکری مدد میں پیش پیش رہتے۔ سرگودھا کے شہری طیارہ شکن توپوں پر ڈیوٹی پر مامور فوجیوں کے لیے ناشتہ لانا اپنے لیے اعزاز سمجھتے۔ مغربی محاذ پر بھارت اپنی شکست کا بدلہ مشرقی پاکستان میں مداخلت کر کے پورا کرتا رہا۔ 10 دسمبر کے ہوائی حملوں کے بعد بھارتی طیاروں نے سرحد کے اس پار آنے کی جرات نہ کی۔ دشمن نے 11 دسمبر کو ٹیٹوال، پونچھ، واہگہ اور اٹاری پر تازہ دم فوج سے حملے کیے۔ ہماری فوج نے کھلنا پر دو بھارتی حملے پسپا اور پانچ ٹینک نیست و نابود کر دیے۔ بھارت نے ڈھاکہ کے قریب ایک بریگیڈ کمانڈوز اتار دیے۔ ان کمانڈوز نے مشرقی پاکستان کی داخلی صورتحال کو بہت خراب کیا۔ بنگالیوں کی انتہا پسند تنظیموں نے پاک فوج پر حملے شروع کر دیے۔ اس طرح پاکستانی فوج کو اپنوں اور بیگانوں نے گھیرے میں لے لیا۔ اس ساری صورتِ حال کے باوجود بری، بحری اور فضائی کامیابیاں پاکستان کے حصے میں آتی رہیں۔ پاک بحریہ نے 11 دسمبر 1971ء کو دشمن کا ایک جنگی جہاز بحیرۂ عرب میں ڈبو دیا۔ اسی طرح میزائلوں سے لیس روسی ساخت کا ایک جہاز سمندر میں غرق کر کے پاک بحریہ نے دشمن کی کمر توڑ دی۔ 12 دسمبر کو امریکی صدر نکسن نے بھارت کو جنگ بند کرنے کی اپیل کر دی۔ شکر گڑھ میں پاک فوج نے بھارت کے 14 ٹینکوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ مختلف سیکٹروں میں بھی بھارت کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرقی پاکستان کے کمانڈر جنرل امیر عبداللہ خان نیازی نے 13 دسمبر کو دشمن کا مقابلہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

13 دسمبر 1971ء کو سلامتی کونسل کے ہنگامی اجلاس میں پاکستان کے نامزد نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ بھارت کو برصغیر کا چودھری نہیں بننے دیا جائے گا۔ پاکستان سلامتی کونسل میں امن کی بھیک مانگنے کے لیے نہیں آیا۔ ہم مشرقی پاکستان کے لیے آخری دم تک لڑیں گے اور وہاں کا ہر آدمی اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دے گا۔ انھوں نے بھارتی وزیر خارجہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ڈھاکہ کو اتنی آسانی سے فتح نہیں کیا جا سکتا دریں اثناء مشرقی کمان کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے کے نیازی نے کہا کہ پاکستان کی شیر دل افواج دشمن کو پاک سرزمین سے نکالنے کے لیے آخری دم تک لڑیں گی۔ بھارت نے مختلف علاقہ جات میں اکا دکا فضائی حملے جاری رکھے۔ اپنے طیارے تباہ ہوتے دیکھ کر انھوں نے شہری آبادی کو نشانہ بنایا جس سے کئی شہری شہید ہو گئے۔ مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے جیالوں نے ڈھاکہ سے پچاس میل دور ٹانگیل کے مقام پر بھارت کے چھاتہ بردار بریگیڈ کو گھیرے میں لے لیا۔

14 دسمبر کو بھارتی فضائیہ کی بزدلی 129 پاکستانیوں کو تختہ شہادت پر لے آئی۔ 37 افراد زخمی ہوئے۔ اسی روز بھارت اپنے 17 طیاروں اور 28 ٹینکوں کی تباہی کے مناظر دیکھتا رہا۔ پونچھ سیکٹر میں بھی بھارتی اپنے 610 فوجیوں کی لاشیں سمیٹتا رہا۔ شاہین صفت ہوابازوں نے اپنے فن سے پٹھان کوٹ اور امرتسر کے ہوائی اڈوں کو مٹی کا ڈھیر بنا دیا۔

سلامتی کونسل سے بھٹو کا واک آؤٹ

15 دسمبر کو ذوالفقار علی بھٹو سلامتی کونسل کے اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے اور انھوں نے کونسل کے ایجنڈے کو پُرزے پُرزے کر کے پھینک دیا اور میز کو ٹھوکر مارتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ پاکستان پر شرمناک قبضے پر فریق بننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسی روز پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف ائیر مارشل اے رحیم خان کی قیادت میں شاہینوں نے جیسلمیر، پٹھان کوٹ، امرتسر اور سری نگر میں دشمن کے اڈوں پر تباہی مچا دی اور بھارت کے مونا باؤ اور مکیریاں ریلوے اسٹیشنوں پر زبردست بمباری کر کے دشمن کی ایک گاڑی کو اڑا دیا جب کہ بھارتی طیاروں کی بمباری سے لاہور کے 18/افراد شہید اور 80 زخمی ہو گئے۔ دیناج پور، رنگ پور، سلہٹ، کومیلا اور کھلنا میں حملہ آوروں کو زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

پاک افواج کے کارنامے

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ 1971ء کی جنگ میں مسلح افواج نے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت، بنگالیوں کی انتہا پسند تنظیموں اور چند سیاسی کارکنوں کی شرانگیزی سے حالات بہت خراب ہوئے۔ برّی فوج کے ساتھ ساتھ فضائیہ نے دشمن کے حملوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ راشد منہاس کی فقید المثال ذہانت اور شہادت نے پاکستان کا بہت سا نقصان بچا لیا۔ راشد منہاس کی شہادت واقعی قوم کی حیات ثابت ہوئی۔ مشرقی اور مغربی محاذوں پر بھارت کو 119 طیاروں کی تباہ شدہ کرچیاں دیکھنا نصیب ہوئیں جب کہ پاکستان کے 26 طیارے کام آئے۔ پاکستان ائیر فورس نے 1965ء کی جنگ کی طرح 1971ء میں بھی بھارت کے دانت کھٹے کر دیے۔

مقامِ افسوس ہے کہ ہم سقوطِ ڈھاکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی فتوحات کو فراموش کر دیتے ہیں۔ پاکستان ائیر فورس کے شاہینوں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت سے دشمن کے کئی ٹھکانوں کو

نشانہ بنایا۔ 119 طیارے تو مکمل تباہ ہوئے جب کہ 22 طیاروں کی ہڈیاں پسلیاں تک ضائع ہو گئیں۔ پاک فضائیہ کے 14Th سکواڈرن کے لڑاکا یونٹ نے اپنی بہادری کی روایات قائم رکھیں۔ دسمبر 1971ء کے دوران 14 سکواڈرن ڈھاکہ میں تعینات تھا اور مشرقی پاکستان کے اکلوتے ائیربیس کا واحد لڑاکا سکواڈرن تھا جب کہ پاکستان کے مشرقی بازو پر بھارتی فضائی قوت تقریباً 200 طیاروں پر مشتمل تھی جن میں زیادہ ترمگ 21، ایس یونیٹس اور ہنٹر طیارے تھے۔ 1971ء جنگ وسائل کے اعتبار سے بھارت کے ہاتھ تھی لیکن ہمارے شاہینوں نے جذبۂ حب الوطنی اور جذبۂ شہادت سے سرشار ہو کر برّی فوج کی جان توڑ مدد کی اور ایک ہی دن میں بھارت کے متعدد طیارے زمیں بوس کر کے 1965ء میں ایم ایم عالم (6 جولائی 1935ء۔18 مارچ 2013ء) کی بہادری کو بازگشت بنا کر اپنی بہادری رقم کی۔ یکے بعد دیگرے بھارتی حملوں کا منہ توڑ جواب دینے کے ساتھ ساتھ ہمارے شہبازوں نے بھارتی تنصیبات کو تباہ کر کے پاکستان کی فتح کا پرچم بلند کیا۔

اور پاکستان دولخت ہو گیا!

4 دسمبر کو ہی بھارت نے اپنی برتری دکھانے کے لیے لاتعداد حملے کیے۔ فضاؤں کے محافظ جان ہتھیلی پر رکھ کر جب فضائے بسیط میں پہنچے تو فتح کے نغمے گونجنے لگے۔ بھارت کو نقصان کے علاوہ ندامت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ دن بھر کے فضائی معرکوں میں شاہینوں نے دشمن کے 13 طیارے مار گرائے جب کہ پاکستان کے صرف 3 طیارے ضائع ہوئے۔ ہوابازوں کی شجاعت نے ہمارے طیارہ شکن نشانہ بازوں میں ایسا ولولہ پیدا ہوا کہ وہ بھی ہوائی اڈے کی حفاظت میں سینہ سپر ہو گئے۔ بے پناہ جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے گیارہ طیارہ مار گرائے۔ اس طرح ایک دن میں دشمن کو کُل چوبیس طیاروں کی تباہی کا منظر دیکھنا پڑا۔ کئی زخمی طیارے بھارت کی سرزمین پر جا گرے۔ بھارتی فضائیہ نے اس نقصان سے بہت سبق سیکھ لیا اور اپنی حکمتِ عملی تبدیل کر لی۔ بعدازاں انھوں نے تمام تر توجہ رن وے کو تباہ کرنے پر دی جو کہ جنگِ عظیم دوئم کے معیار کا تھا۔ ہوائی میدان کو اس بے پناہ بمباری سے جو نقصان پہنچا اس کے سبب سیبر طیاروں کے لیے حملے یا دفاع کے لیے اُڑنا، ناممکن ہو کر رہ گیا چناں چہ جب جنگ ختم ہوئی تو ہمارے 13 طیارے صحیح سالم تھے۔ جنگ کے اختتام تک بہادر طیارہ شکن توپچیوں نے دشمن کے مزید چار طیارے مار گرائے اور سات کو نقصان پہنچایا۔

1971ء جنگ کے اختتام تک پاک فضائیہ نے مغربی اور مشرقی فضائی حدود کا ولولہ انگیز دفاع کیا۔ وہ دشمن کے طیاروں پر قہرِ الٰہی بن کر ٹوٹے۔ فضاؤں کے محافظوں نے تو اپنی کارگزاری سے فتح کے جھنڈے لہرا دیے لیکن سیاسی شعبدہ بازوں نے جیتی جنگ ایک میز پر ہار دی۔ مشرقی پاکستان میں ہماری عسکری قوت کی حیثیت میدانِ اُحد میں تیر اندازوں ایسی تھی۔ جس طرح میدانِ کارزار میں ہمیں فتح نصیب ہوئی لیکن تیر اندازوں کی غفلت سے ہم جز وقتی شکست میں گھر گئے۔ 1971ء کی جنگ بھی اسی نوعیت کی ثابت ہوئی۔ اسلام دشمن قوتوں نے بنگالیوں کے ساتھ مل کر بھارتی مداخلت سے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ 16 دسمبر 1971ء بروز جمعرات جب ہتھیار ڈالنے کا مرحلہ آرہا تھا تب بھی پاک فضائیہ نے اپنے رن وے کی آخری دم تک حفاظت کی اور جب کچھ نہ بن سکا تو دشمن کے سامنے سر جھکانے کے بجائے برما کا رخ کیا۔ پاک فضائیہ کو 1971ء کی جنگ میں ایک ہیرو کی حیثیت حاصل رہی۔

امریکی بے وفائی

امریکہ نے پاکستان کی مدد کے لیے ایک امریکی بحری بیڑا بھیجنے کا اعلان کیا۔ جو 10 دسمبر کو ویت نام کے سمندر سے روانہ ہوا۔ پس منظر میں اس بحری بیڑے کا مقصد اُس علاقہ میں گھرے ہوئے امریکیوں کو نکالنا تھا لیکن احسان حکومتِ پاکستان پر کیا جا رہا تھا۔ وعدہ کے مطابق دھیرے دھیرے بہتا ہوا یہ امریکی ایٹمی بحری بیڑا چاٹ گام کے قریب اُس وقت پہنچا جب ہمارا بیڑا غرق ہو چکا تھا۔ ''بہت دیر کی مہرباں آتے آتے''

سیاہ ترین دن

16 دسمبر 1971ء بروز جمعرات پاکستان کی تاریخ کا ایک سیاہ دن ثابت ہوا جب بھارتی مسلح افواج ایک غلط انداز میں ڈھاکہ میں داخل ہو گئیں۔ اسی دوران ہیلی کاپٹر کے ذریعے اشتہارات پھینکے گئے جن میں ہتھیار ڈالنے کا اعلان درج تھا۔ بھارت اور بنگلہ دیش کی مشترکہ کمان کے جنرل آفیسر کمانڈر ان چیف لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے سامنے پاکستان کی ایسٹرن کمان کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کو اپنی فوج سمیت ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا۔ یہودی چیف آف سٹاف میجر جنرل جیکب کو بھی ڈھاکہ بلایا گیا جنرل جیکب نے سقوط کی یہ دستاویز پاکستانی حکام

کے حوالے کی۔ رمنا ریس کورس گراؤنڈ میں جنرل نیازی نے اپنا ریوالور اُتارا اور بھارتی جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کو پیش کیا۔ اس طرح سقوطِ مشرقی پاکستان کی دستاویز پر دونوں جرنیلوں نے دستخط کر کے سقوطِ ڈھاکہ کی توثیق کر دی۔

پاکستان 14 راگست 1947ء کو جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب معرضِ وجود میں آیا۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ 16 دسمبر 1971ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب پاکستان دولخت ہو گیا۔ 17 دسمبر 1971ء کا سورج پورے ملک میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ نمودار ہوا۔ پورے ملک میں بھارتی جارحیت کے خلاف جلسے جلوسوں میں بھرپور نفرت کا اظہار کیا گیا۔ نماز جمعہ کے وقت بہت سے پاکستانی زاروقطار روتے رہے۔ جس طرح معرکۂ اُحد میں تیراندازوں نے غفلت کا مظاہرہ کیا تھا اسی طرح 1971ء کی جنگ میں بھی اپنوں کی غفلت نے جیتی ہوئی جنگ ہار دی۔ قومی دفاع میں کوئی کمی نہیں تھی۔ ہر محاذ پر بھارت کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ بری، بحری اور فضائی افواج نے دشمن کو 1965ء کی طرح نقصان پہنچایا لیکن مجیب الرحمٰن، مولانا بھاشانی اور ذوالفقار علی بھٹو کی ہوسِ اقتدار نے مشرقی پاکستان، بھارت کی آغوش میں رکھ دیا۔ جنرل یحییٰ خان نے 20 دسمبر 1971ء کو اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد کر کے اپنی جان چھڑائی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگایا۔ روٹی، کپڑا اور مکان کے تناظر میں عوام کی محبت اور توجہ حاصل کر لی مگر اسلامی جماعتیں اُس کے خلاف متحد ہو تی گئیں۔ 7 ستمبر 1974ء کو بھٹو حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر امن کا راستہ ہموار کر لیا۔ 7 مارچ 1977ء کو جنرل الیکشن ہوئے پیپلز پارٹی کے وزیروں مشیروں نے الیکشن میں اپنا ہاتھ دکھایا اور ذوالفقار علی بھٹو کو ہنگامہ آرائی میں دھکیل دیا۔ پورے ملک میں احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ حالات کی سنگینی کے باعث جنرل ضیاء الحق نے 5 جولائی 1977ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ لے کر ضیاء الحق نے 11 سال حکمرانی کی۔ 19 دسمبر 1984ء کو ریفرنڈم کا سہارا لے کر جنرل ضیاء الحق پاکستان کے صدر بن گئے۔ فوجی حکمرانی کا یہ طویل دور 17 / اگست 1988ء کو ایک فضائی حادثہ میں شریک 29 اعلیٰ فوجی افسروں کی شہادت کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ سینٹ کے چیئرمین غلام اسحٰق خان کی سرپرستی میں 16 نومبر 1988ء کو جنرل الیکشن ہوئے جس میں پاکستان پیپلز پارٹی نے فتح حاصل کی اور محترمہ بے نظیر بھٹو کو پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم ہونے کا

اعزاز حاصل ہوا۔ سردار فاروق لغاری ملک کے صدر منتخب ہوئے۔ سردار فارق لغاری نے آٹھویں ترمیم کی چھری سے 16 اگست 1990ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو فارغ کر دیا۔ غلام مصطفیٰ جتوئی نگران وزیر اعظم اور سردار فاروق لغاری کی سرپرستی میں الیکشن ہوئے اور میاں نواز شریف نے عنانِ اقتدار سنبھال لیا۔ میاں نواز شریف (6 نومبر 1990ء۔18 اپریل 1993ء)، (26 مئی 1993ء۔ 18 جولائی 1993ء)، (16 فروری 1997ء ۔ 12 اکتوبر 1999ء)، (5 جون 2013ء ۔ 28 جولائی 2017ء) برسرِ اقتدار رہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے دو مرتبہ (2 دسمبر 1988ء ۔ 16 اگست 1990ء) اور پھر (19 اکتوبر 1993ء ۔5 نومبر 1996ء) حکمرانی کی۔ مختصر یہ کہ جنرل ضیاء الحق اور جنرل مشرف کے ادوار کے علاوہ مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی اقتدار کے جھولے جھولتے رہے۔ 25 جولائی 2018ء کے الیکشن میں تحریکِ انصاف نے اپنی برتری ثابت کر دی۔ 17/ اگست 2018ء چیئر مین تحریک انصاف عمران خان نے وزارتِ عظمیٰ کا قلم دان تھام لیا۔ 9 ستمبر 2018ء کو تحریک انصاف کے سرکردہ ڈاکٹر عارف علوی نے صدارتی معرکہ فتح کر لیا۔ اس طرح پاکستان کی سیاست میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ نئے پاکستان کی تعمیر کا نعرہ لے کر عمران خان میدانِ عمل میں آئے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نئے پاکستان کی تعمیر میں بہت سے پرانے مستری بھی شامل ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد عمران خان اقتدار کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ دنیا کے تمام ممالک اپنی خارجہ پالیسی کے بل بوتے پر ترقی کرتے ہیں۔ پاکستان نے اسلامی ممالک کے ساتھ ہمیشہ برادرانہ رویہ اختیار کیا۔ ایٹمی قوت بننے کے بعد عالمِ اسلام پاکستان کو اپنا قائد تصور کرنے لگے۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

حقیقت ایک ہے، ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 271)

پاکستان دنیا کے ایسے مقام پر ہے جہاں عسکری قوتیں اپنا راستہ تلاش کرتی ہیں۔ امریکہ پاکستان سے ظاہری دوستی کرتا ہے جب کہ وہ بھارت کو اپنا حلیف تصور کرتا ہے۔ چین اور روس دونوں ہی پاکستان کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ روس نے افغانستان پر فوجی یلغار کر کے بہت بڑی غلطی کی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں روس کو افغانستان چھوڑنا پڑا۔ افغان ہمیشہ سے فوجی حملوں کی تجربہ گاہ بنا رہا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ، افغانستان کے حوالے سے بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ افغانستان ہمارا پڑوسی

ملک ہے۔ پاکستان کے ساتھ اس کے تعلقات کی تفصیل بہت پرانی ہے۔ روسی افواج کی موجودگی میں امریکا نے پاکستان کی عسکری امداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1988ء اوائل میں جنرل حمید گل کی سرپرستی کام آئی، روس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا لیکن مٹھی بھر افغانیوں نے اس کا غرور خاک میں ملا دیا۔ کلامِ اقبالؒ میں افغانستان اور افغانیوں کا کئی مقام پر ذکر ملتا ہے۔

عزیز ہے انھیں نامِ وزیری و محسود
ابھی یہ خلعتِ افغانیت سے ہیں عاری

(ضربِ کلیم: اکادمی کلیات، ص: 689)

افغان باقی، کُہسار باقی
اَلْحُکْمُ لِلّٰہ! اَلْمُلْکُ لِلّٰہ!

(ضربِ کلیم: اکادمی کلیات، ص: 677)

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو

(ضربِ کلیم: اکادمی کلیات، ص: 658)

رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندستان
تُو بھی اے فرزندِ کُہستاں! اپنی خودی پہچان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!
موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کیسا دہقان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!
اُونچی جس کی لہر نہیں ہے، وہ کیسا دریا ہے
جس کی ہوائیں تُند نہیں ہیں، وہ کیسا طوفان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہقانی پر سُلطانی قربان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!
تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

(ضربِ کلیم: اکادمی کلیات، ص: 81-680)

ڈیورنڈ لائن، پاکستان اور افغانستان کا خطِ تقسیم ہے لیکن اسلام کے اٹل رشتے تھے افغان اور پاکستان کے دل ایک ہی وقت دھڑکتے ہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کو امریکی ٹریڈ سنٹر پر ہونے دہشت گردی کے واقعہ نے بہت سے سوالیہ نشان پیدا کیے۔ افغانستان اور عراق پر آتش و آہن کی بارش نے اِن علاقہ جات کو تہس نہس کر دیا۔ 11 ستمبر 2001ء کے اس واقعہ کا پنڈورا باکس آہستہ آہستہ کھل رہا ہے۔ اُسامہ بن لادن کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے امریکا نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تورا بورا کی پہاڑیوں کو بارود سے سے اُڑا دیا۔ افغان طالبان نے ظلم و بربریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ جنرل ضیاء الحق نے احساسِ ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاکھوں افغانیوں کو پاکستان میں پناہ گزین کر کے انسانی ہمدردی پر مہر ثبت کی۔ اِن افغانیوں میں سے بہت سے وہ لوگ ثابت ہوئے، جنھوں نے پاکستان میں جرائم کو ہوا دی۔ طالبان کئی حصوں میں بٹ گئے جس کا نقصان پاکستان کو اُٹھانا پڑا۔ جنرل مشرف (12/اکتوبر 1999ء۔ 18 / اگست 2008ء) کے دور میں امریکی مداخلت کے راستے ہموار رہے۔ افغانستان پر حامد کرزئی نے امریکی قرضئی ہونے کا ثبوت دیا۔ اپنوں کے ہاتھوں، اپنوں کا لہو ہوتا رہا۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی کتاب ''ان دی لائن آف فائر'' میں امریکی حملوں کا ذکر بھی کیا۔ افغانستان اور پاکستان کے تعلقات میں امریکی پالیسیاں حائل ہوتی رہیں۔ تاریخ نے ایک بار پھر خود کو دہرایا۔ امریکی بجٹ کا معقول حصہ افغانستان میں مقیم امریکی فوج پر خرچ ہونے سے امریکی معیشت کمزور ہونے کا خطرہ

لاحق ہوگیا۔ امریکا اب افغانستان سے راہِ فرار چاہتا ہے۔ ڈو مور کا نعرہ لگاتے ہوئے امریکا نے پاکستان سے بہت کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان نے امریکی امداد کو نوکِ پا سے ٹھکرا کر آزادانہ فکر کا اظہار کر دیا ہے۔ امریکی وزیرِ خارجہ مائیک پیمپیو 5 ستمبر 2018ء کو خود پاکستان تشریف لائے۔ عمومی طور پر نئی حکومت کے بعد صدر اور وزیرِ اعظم پاکستان بسا اوقات امریکا یاترا کیا کرتے تھے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمان دشمن اور امریکی وفادار وزیرِ خارجہ مائیک پیمپیو خود پاکستان آئے۔ 9 ستمبر 2001ء کے سانحہ کو گزرے مدت بیت گئی ہے لیکن اس کی تباہی کے اثرات افغانستان اور عراق کی سرزمین پر نمایاں نظر آرہے ہیں۔ امریکی آنکھوں کے اشارے پر ناچنے والی قوتیں بھی اب امریکا کو آنکھیں دکھا رہی ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ کی مغربی ذہنیت اُسے خوفزدہ کر رہی ہے۔ بھارت کو حلیف بنانا بھی اُس کے لیے سودمند ثابت نہ ہوا۔ چین کے ساتھ سی پیک کا معاہدہ اور روس کی طرف پاکستان کے جھکاؤ نے امریکا کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر پاکستان، افغانستان، ایران اور ترکی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر مشترکہ لائحۂ عمل اختیار کریں تو سلطنتِ عثمانیہ کی یاد تازہ ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی نظم ''محراب گلِ افغان کے افکار'' میں افغانستان کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا وہ آج آئینے کی مانند ہمارے سامنے ہے۔

میرے کُہستاں! تجھے چھوڑ کے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے اَب وجَد کی خاک
روزِ ازل سے ہے تُو منزلِ شاہین و چرغ
لالہ و گُل سے تہی، نغمۂ بُلبل سے پاک
تیرے خم و پیچ میں میری بہشتِ بریں
خاک تری عنبریں، آب ترا تاب ناک

(ضربِ کلیم: اکادمی کلیات، ص: 674)

تری دنیا جہانِ مرغ و ماہی
مری دُنیا فغانِ صبح گاہی

(بالِ جبریل: کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 378)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی ایک اور نظم ''نادر شاہ افغان'' میں بھی مسلمانوں کو متحد ہو کر

اس خطے کی دولتِ خداداد سے فائدہ اُٹھانے کا پیغام دیا ہے۔

حضورِ حق سے چلالے کے لُولوئے لالا
وہ ابر جس سے رگِ گُل ہے مثلِ تارِ نفس
بہشت راہ میں دیکھا تو ہو گیا بیتاب
عجب مقام ہے ، جی چاہتا ہے جاؤں برس
صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا
ہرات و کابل و غزنی کا سبزۂ نورس
سرشکِ دیدۂ نادر ر بہ داغِ لالہ فشاں
چناں کہ آتشِ اور ادگر فرونہ نشاں!

(بالِ جبریل: اکادمی کلیات، ص: 484)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اتحادِ ملت اسلامیہ کے لیے جو پیغام دیا اُس کی آج اشد ضرورت ہے۔ ایرانی، تورانی، افغانی، پاکستانی کے سارے رنگ مسلمانی میں مضمر ہیں۔ رنگ و نسل سے بالاتر ہوکر ایک مرکز پر آنے سے قوتِ مسلم نے اضافہ ''نئے پاکستان'' کا اہم تقاضا ہے۔

بُتانِ رنگ و خُوں کو توڑ کر ملت میں گُم ہو جا
نہ تُورانی رہے باقی، نہ ایرانی ، نہ افغانی

(بانگِ درا: اکادمی کلیات، ص: 300)

کہا میں نے کہ اے جانِ جہاں کچھ نقد دِلوادو
کرائے پر منگالوں گا کوئی افغان سرحد سے

(بانگِ درا: اکادمی کلیات، ص: 318)

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گُم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند

(بالِ جبریل: کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص: 446)

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو ، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

(بانگِ درا: اکادمی کلیات، ص: 232)

یہ ہندی، وہ خُراسانی ، یہ افغانی، وہ تُورانی
تو اے شرمندۂ ساحل! اُچھل کر بے کراں ہوجا

(بانگِ درا: اکادمی کلیات، ص:304)

22 ستمبر 2018ء کو بھارتی آرمی چیف جنرل بی پن روات نے بچگانہ انداز میں پاکستان پر حملہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ گھٹیا الفاظ پر مبنی، گھٹیا ذہنیت کا یہ انداز بھارتی کمزوری کا اظہار ہے۔ پاک فوج کی طرف سے منہ توڑ جواب دینے کا اعلان حوصلہ افزا ہے۔ پاکستان کے تمام مکتب ہائے فکر کی جانب سے بھارت کی بھرپور مذمت جاری ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بھارت وزیراعظم نیرنیدر مودی کرپشن کیسز میں گھرے ہوئے ہیں۔ ''ٹی سٹال سے کرپشن مال'' تک مودی کا پوسٹ مارٹم جاری ہے۔ عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے بھارت چیف جنرل بی پن روات نے پاکستان کو دھمکی دے کر نیریندر مودی کو خوش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے شاید اس عمل سے اُس کی ملازمت کا دورانیہ زیادہ ہوسکے۔ نئے پاکستان اور تبدیلی آگئی ہے کا تقاضا ہے کہ پوری قوم کو دفاعِ وطن کے ہمہ وقت تیار رکھا جائے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی شخصیت اور فکری عظمت مسلمانوں کے لیے مینارۂ نور ہے۔ تحریکِ خلافت کی شامِ غریباں سے لے کر اقبالؒ سفرِ آخرت تک مسلمانوں کی بیداری کے لیے سرگرداں رہے۔

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں! ڈُوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:292)

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:293)

اِک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کُہن کو جن کی تیغِ ناصبور

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:159)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ پاکستان بنتے نہ دیکھ سکے اور نہ ہی ہماری آزادی کا جشن منا سکے،

لیکن اُنھیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ برِعظیم پاک و ہند کے مسلمان ایک دن منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ اُنھوں نے ایک آزاد مملکت کا تصور دیا اور اُس تصور کو حقیقت کے رنگ میں ڈھالنے کے انداز بھی سکھائے۔ اقبالؒ کی نثر سے چند اہم پیغامات نئے پاکستان والوں کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد کا خطبہ صدارت

حضرات!

میں آپ کا دل کی گہرائی سے ممنوں ہوں کہ آپ نے مجھے ہند کے مسلم فکر و عمل کی تاریخ کے انتہائی نازک لمحے پر آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی دعوت دے کر اعزاز سے نوازا۔ مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ اس مہتمم بالشان اجتماع میں ایسے افراد موجود ہیں جن کا سیاسی تجربہ میرے تجربے سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور جن کے علم معاملات کا میں انتہائی احترام کرتا ہوں۔ لہٰذا میرے لیے ایسے افراد کی سیاسی فیصلوں کے ضمن میں جنھیں وہ آج کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، رہنمائی کرنے کا دعویٰ خودستائی کے مترادف ہوگا۔ میں کسی جماعت کی قیادت نہیں کرتا نہ ہی کسی قائد کا پیروکار ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام، اس کے قوانین، اس کے نظام سیاست، اس کی ثقافت، اس کی تاریخ اور اس کے ادب کے محتاط مطالعے میں صرف کیا ہے۔ روح اسلام کے ساتھ اس پیہم رابطے نے جیسا کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے پرت پلٹتا رہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک عالمی حقیقت کے طور پر اس کی اہمیت کے بارے میں مجھے ایک طرح کی بصیرت عطا کر دی ہے۔ اس وجدان کی روشنی میں جس قدر و قیمت خواہ کچھ بھی ہو، یہ فرض کرتے ہوئے کہ مسلمانانِ ہند رُوحِ اسلام سے مخلص رہنے کا عزم رکھتے ہیں میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ کے فیصلوں کے ضمن میں آپ کی رہنمائی کرنے کی بجائے اس سے کمتر درجہ کا کام انجام دوں اور وہ یہ کہ میں آپ کی توجہ اس اہم اصول کی جانب مبذول کروا دوں جس کی بنا پر میری دانست میں ان فیصلوں کی عام نوعیت کا تعین کرنا چاہیے۔

اسلام اور قوم پرستی

یہ امر نا قابلِ تردید ہے کہ اسلام کو ایک اخلاقیاتی تصور اور ایک قسم کا نظام سیاست سمجھا جاتا ہے۔ اس اصطلاح سے میری مراد ایک معاشرتی ڈھانچہ ہے جس پر ایک ضابطہ قانون محیط ہو اور جس کی روح ایک مخصوص نوع کا اخلاقیاتی تصور ہو۔ یہ مسلمانان ہند کی تاریخ میں ایک بہت اہم تشکیلی

عنصر رہا ہے۔اس نے وہ اساسی جذبات اور محسوسات فراہم کیے ہیں جو منتشر افراد اور گروہوں کو آخر کار قطعی طور پر معین نظریے کے لوگوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔جن کا اپنا اخلاقی شعور ہو۔درحقیقت اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہند دنیا میں وہ واحد ملک ہے جہاں اسلام نے قوم کی قوت کی حیثیت سے بہترین کام کیا۔ ہند میں جیسا کہ دیگر مقامات پر ہوا، ایک معاشرے کے اسلامی ڈھانچے کی حیثیت سے معرض وجود میں آنے کا سبب کم وبیش مکمل طور پر اسلام کے ایک مخصوص اخلاقیاتی تصور سے عبارت ثقافت پر عمل درآمد ہے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مسلم معاشرہ اپنی غیر معمولی ہم آہنگی اور داخلی اتحاد کی بدولت نشوونما پا کر وہ کچھ بن گیا جو وہ اس وقت ہے۔یہ اس دباؤ کا نتیجہ ہے جو اسلامی ثقافت سے متعلق قوانین اور اداروں نے اس پر ڈالا۔

تاہم یورپ کے سیاسی فکر نے جو خیالات پھیلائے ان سے مسلمانوں کی موجودہ نسل کے نظریات نہایت سرعت کے ساتھ اندرون ہند اور بیرون ہند میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ ہمارے نوجوان ان خیالات سے متاثر ہو کر انھیں اپنے ملکوں میں زندہ قوت کا روپ دینے کے لیے بے قرار ہیں اور یہ ان حقائق کا تنقیدی جائزہ لیے بغیر ہو رہا ہے۔جنھوں نے یورپ میں ان کا ارتقاء معین کیا۔ یورپ میں عیسائیت کا خالصتاً رہبانہ نظام تصور کیا جاتا تھا۔ جو بتدریج ترقی پا کر ایک بہت بڑی کلیسائی تنظیم بن گیا۔لوتھر کا احتجاج اس کلیسائی تنظیم کے خلاف تھا۔کسی نظام سیاست کے خلاف نہ تھا اور اس کی بدیہی وجہ یہ ہے کہ ایسا کوئی نظام سیاست موجود ہی نہ تھا جو عیسائیت سے متعلق ہو۔اس تنظیم کے خلاف لوتھر کی بغاوت بالکل جائز تھی اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے یہ محسوس نہیں کیا کہ ان مخصوص حالات میں جو اس وقت یورپ میں موجود تھے۔اس کی بغاوت کا مطلب یہ ہوگا کہ قومی تکثیریت کی نمو کے باعث اخلاقیات تنگ تر ہو جائے گی اور عیسیٰ علیہ السلام کی عالمگیر اخلاقیات تہہ و بالا ہو جائے گی۔روسو اور لوتھر جیسے لوگوں نے جس دانش ورانہ تحریک کا آغاز کیا۔اس نے ایک اکائی کو توڑ کر بہت سی بے ترتیب کثرتوں کو جنم دے دیا اور ایک انسان کے انفرادی نظریے کو قومی نظریے میں تبدیل کر دیا۔ جسے زیادہ حیثیت پسندانہ اساس درکار تھی جیسے ملک کا تصور نظام سیاست کے مختلف النوع ضابطوں کے ذریعے اظہار جن کی بنا قومی خطوط پر استوار ہو۔یعنی ایسے خطوط جو جغرافیائی علاقے کو سیاسی استحکام کو واحد اصول تسلیم کرے۔اگر آپ مذہب کو ایک مکمل رہبانیت کے تصور کے طور پر لے کر بحث کا آغاز کریں تو عیسائیت کے ساتھ جو کچھ یورپ میں ہوا۔وہ قطعی طور پر قدرتی امر نظر آئے

گا۔ یسوع مسیح کی آفاقی اخلاقیات کو اخلاقیات کے قومی ضابطوں اور نظام سیاست سے بدل دیا گیا۔ اس سبب سے یورپ کو جو نتیجہ اخذ کرنا پڑا وہ یہ تھا کہ مذہب ایک فرد کا نجی معاملہ ہے اور اسے اس چیز سے جسے دنیوی زندگی کا نام دیا جاتا ہے۔ کوئی سرور کار نہیں۔ اسلام انسان کی یکتائی کو روح اور مادے کی ناسازگار دوئی میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام میں اللہ اور کائنات روح اور مادہ کلیسا اور ریاست ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ انسان بے دین دنیا کا باشندہ نہیں ہے جسے روحانی دنیا جو کسی اور جگہ واقع ہے کی خاطر تیاگ دیا جائے۔ اسلام کے مطابق مادہ روح ہے جو زمان ومکان میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ یورپ نے تنقیدی جائزے کے بغیر روح اور مادے کی دوئی کے بارے میں غالبًا کسی فلسفی کی فکر کو قبول کر لیا۔ ان کے بہترین مفکرؔ آج اس ابتدائی غلطی کو محسوس کر رہے ہیں لیکن اس کے سیاسی مدبرین بالواسطہ دنیا کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اسے مسلمہ عقیدے کے طور پر قبول کر لے۔ چناں چہ روحانی اور دنیوی زندگی کی یہی علیحدگی ہے جس نے بڑی حد تک یورپ کے مذہبی اور سیاسی فکر کو متاثر کیا اور عملاً عیسائیت کو پوری ریاستوں کی زندگی سے جدا کر دیا۔ نتیجہ باہم بے ترتیب ریاستوں کا ایک مجموعہ ہے جس پر ایسے مفادات کا غلبہ ہوا جو انفرادی نہیں بل کہ قومی تھے اور یہ باہم بے ترتیب ریاستیں عیسائیت کے اخلاقی اور مذہبی عقائد کو پامال کرنے کے بعد آج یورپ کے ملکوں کا وفاق تشکیل دینے کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں۔ یعنی اس اتحاد کی احتیاج محسوس کر رہی ہیں جسے اصلاً مسیحی کلیسا کی تنظیم نے انھیں عطا کیا تھا لیکن جس کی عیسیٰ علیہ السلام کی فکر کی روشنی میں جو انسانی اخوت پر مبنی تھا۔ تشکیل نو کرنے کے بجائے انھوں نے لوتھر کے زیر اثر ملیا میٹ کرنے کے قابل سمجھا۔ تاہم عالم اسلام میں کسی لوتھر کا ہونا ناممکن ہے کیوں کہ یہاں کوئی کلیسائی تنظیم موجود نہیں ہے۔ جیسی کہ ازمن وسطی میں مسیحیت کی شکل میں تھی جس نے نظام شکن ہستی کے ظہور کا لازمی قرار دیا۔ عالم اسلام میں ہمارے پاس ایک آفاقی نظام سیاست موجود ہے جس کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کے بنیادی اصول وحی کیے گئے لیکن جس کے ڈھانچے ہمارے ماہرین قوانین کے جدید دنیا کے ساتھ رابطے کے فقدان کے باعث، نئے سرے سے ترتیب دینے کی ضرورت لاحق ہے۔ مجھے علم نہیں کہ عالم اسلام میں قومی تصور کے حتمی شکل کیا نکلے گی۔ کیا اسلام سے ضم کر لے گا اور اس کی ہیت تبدیل کر لے گا جیسا کہ اس نے اس سے قبل بہت سے مختلف تصورات کو ضم کیا اور ان کی ہیئت کو تبدیل کیا یا اس تصور کے بل پر اپنے ہی ڈھانچے میں اساسی نوعیت کی تبدیلی کرنے دے گا۔ اس کے بارے میں

کوئی پیش گوئی کرنا دشوار بات ہے لیڈن ہالینڈ کے پروفیسر وین سنک نے مجھے حال ہی میں لکھا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس بحران میں داخل ہوا چاہتا ہے جس میں سے مسیحیت ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہوا گزر رہی ہے۔ بڑی دشواری یہ ہے کہ جب بہت سے پرانے تصورات کو خیر باد کہنا پڑے تو مذہب کی بنیادوں کو کس طرح بچایا جائے۔ میرے لیے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ عیسائیت کے حق میں اس کا نتیجہ کیا ہوگا چہ جائے کہ میں اسلام کے بارے میں کچھ کہوں۔ فی الوقت قومی نظریہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کو نسل پرستی کا درس دے رہا ہے اور اس طرح عملاً اسلام کے بنی نوع انسان کی خدمت کے کام کی نفی کر رہا ہے اور نسلی شعور کی ترقی کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کے معیار سے مختلف بل کہ اس کے خلاف اصولوں کی نشو ونما ہو۔

مجھے توقع ہے کہ آپ بظاہر علمی اور نظری بحث چھیڑنے پر معذرت قبول کریں گے۔ آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس سے خطاب کرنے کے لیے ایسے آدمی کو چنا جو اسلام سے بحیثیت ایک زندہ قوت کے مایوس نہیں رہا اور جو ایک فرد کے نقطہ نظر کو جغرافیائی حدود سے آزاد کر سکتا ہے۔ جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ افراد اور ریاست کی زندگی میں مذہب ایک طاقت ہے جو بے انتہا اہم ہے اور جو حتمی طور پر اس عقیدے کا حامل ہے کہ اسلام بنفسہ ایک قوت ہے جو کسی تقدیر کا شکار نہیں ہو سکتی۔ اس طرح کا شخص معاملات کو اپنے نقطہ نگاہ سے ہی دیکھ سکتا ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ جس مسئلہ کی میں نشاندہی کر رہا ہوں وہ محض ایک نظریاتی معاملہ ہے۔ یہ بالکل زندہ اور عملی مسئلہ ہے جو زندگی اور کردار کے ضابطے کی حیثیت سے اسلام کی جڑ اور بنیاد کو متاثر کرتا ہے۔ صرف اس کے مناسب عمل پر ہی ہند میں ایک علیحدہ ثقافتی وحدت کے طور پر آپ کے مستقبل کا انحصار ہوگا۔ ہماری تاریخ میں اسلام کو اس سے بڑی آزمائش کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسی کہ آج اسے درپیش ہے۔ لوگوں کو اس کی آزادی ہے کہ وہ اپنے معاشرتی ڈھانچے کے بنیادی اصولوں میں ترامیم کریں۔ ان کی نئی تاویل وتعبیر کریں یا انھیں مسترد کر دیں لیکن ان کے لیے یہ ازبس ضروری ہے کہ تازہ تجربہ کرنے سے پیشتر واضح طور پر دیکھ لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ نہ ہی یہ کہ جس طریقہ سے میں اس اہم مسئلہ سے نبٹ رہا ہوں کسی کو سوچنا چاہیے کہ میں ان لوگوں سے جھگڑا کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں جو مجھ سے مختلف انداز میں سوچتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کا اجتماع ہے اور میں فرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ اسلام کی روح اور اس کے تصورات سے مخلص رہنے کے لیے بے قرار بھی ہیں۔ لہٰذا میری واحد خواہش یہ ہے کہ میں آپ کو صاف صاف اور

دیانتداری سے بتادوں کہ موجودہ صورت حال کے بارے میں صداقت کیا ہے۔صرف اسی طریقے سے میرے لیے ممکن ہے کہ میں اپنی بصیرت کے مطابق آپ کے سیاسی عمل کی راہوں کو منور کردوں۔

ہندی قوم کا اتحاد

پھر اصل مسئلہ اور اس کے مضمرات کیا ہیں؟ کیا مذہب ایک نجی معاملہ ہے؟ کیا آپ یہ چاہیں گے کہ ایک اخلاقی اور سیاسی تصور کی حیثیت سے اسلام کے ساتھ بھی عالم اسلام میں وہی معاملہ ہو جیسا کہ یورپ میں عیسائیت کے ساتھ پہلے ہو چکا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اسلام کو ایک اخلاقی تصور کی حیثیت سے برقرار رکھا جائے اور نظام سیاست کے طور پر اسے قومی سیاست کے حق میں مسترد کر دیا جائے جس میں مذہبی رویے کو کوئی کردار ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہند میں یہ سوال خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔

یہ بات کہ مذہب ایک فرد کا نجی تجربہ ہے یورپ کے ایک باشندے کے لبوں پر ہو تو حیرت انگیز نہیں لگتی۔ یورپ میں عیسائیت کا تصور راہبانہ نظام ہے۔ جو اس مادی دنیا کو ترک کر دینے کی تعلیم دیتا ہے اور پوری طرح سے روحانی دنیا پر اپنی نظریں جماتا ہے۔ اس کی رہنمائی فکر کے ایک منطقی عمل سے ہوتی ہے۔ جو اسے اس خیال کی طرف لے جاتا ہے جس پر یہ قضیہ مبنی ہے۔ تاہم رسولِ مقبولﷺ کے مذہبی تجربے کی نوعیت جیسا کہ قرآن کریم میں انکشاف کیا گیا ہے۔ کلیتاً مختلف ہے یہ خالصتاً حیاتیاتی واقعہ کی نوعیت کا محض ایک تجربہ نہیں جس میں معاشرتی ماحول پر اس کے ردِعمل کا ہونا لازمی نہ ہو۔ یہ ایک انفرادی تجربہ ہے جس کے بطن سے ایک معاشرتی نظام جنم لیتا ہے۔ اس کا فوری نتیجہ نظام سیاست کے بنیادی اصول ہیں جن پر واضح قانونی تصورات محیط ہیں اور جس کی سماجی اہمیت کو صرف اس لیے کم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی اصل الہامی ہے۔ لہٰذا اسلام کا مذہبی تصور خلقی اعتبار سے اس معاشرتی نظام سے وابستہ ہے۔ جسے خود اس نے تخلیق کیا ہے۔ ان میں سے ایک کو مسترد کیا جائے تو آخر کار دوسرا بھی مسترد ہو جائے گا۔ لہٰذا ضابطۂ سیاست کی قومی خطوط پر تعمیر اگر اس کا مطلب اسلامی اصول ہم آہنگی کو تبدیل کرنا ہو ایک مسلمان کے لیے ناقابل فہم ہو گی۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا فی الوقت مسلمانانِ ہند سے براہِ راست تعلق ہے۔ رینان نے کہا ہے کہ آدمی کو نہ اس کی نسل نے غلام بنایا ہے، نہ اس کے مذہب نے، نہ دریائی راستوں نے، نہ پہاڑوں کے سلسلے کی سمت نے، ذی فہم اور پر جوش انسانوں کا ایک عظیم اجتماع جو ایک اخلاقی شعور پیدا کرتے ہے جو قوم کہلاتا ہے۔

اس طرح کی تشکیل بالکل ممکن ہے اگر چہ اس میں طویل اور صبر آزما عمل کو دخل حاصل ہے جس کا مطلب عملاً بنی نوع انسان کی تخلیق نو اور اسے تازہ جذباتی ساز و سامان سے لیس کرنا ہے۔ ہند میں یہ ایک حقیقت ہو سکتی تھی کہ اگر کبیر کی تعلیم اور اکبر کے دین الٰہی میں اس ملک کے عوام کے لیے کوئی کشش ہوتی تاہم تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ہند میں ذات پات اور مذہب کی مختلف وحدتوں نے اپنی اپنی انفرادیت کو ایک بڑے کُل میں ضم کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ ہر گروہ اپنے مجموعی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے بے حد بے قرار ہے۔ ریناں کے خیال کے مطابق ایسے اخلاقی شعور کی تخلیق جسے ایک قوم کا ماحصل قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسی قیمت کا تقاضا کرتی ہے جو ہند کے لوگ ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لہٰذا ایک ہندی قوم کے اتحاد کو انکار کے بجائے بہت سوں کی باہمی ہم آہنگی اور تعاون میں تلاش کرنا ہوگا۔ صحیح الخیال تدبر اور حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ وہ کتنے ہی ناخوش گوار کیوں نہ ہوں۔ واحد عملی راہ یہ نہیں کہ ایسے حالات کی موجودگی کو فرض کر لیا جائے جو موجود نہیں ہیں بل کہ حقائق کو ان کی موجودہ شکل میں تسلیم کیا جائے اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے اور اس جہت میں ہندی اتحاد کی دریافت پر ہی ہند اور ایشیا کے مستقبل کا حقیقتاً دار و مدار ہے۔ ہند چھوٹے پیمانے پر ایشیا ہے۔ اس کے لوگوں کے ایک حصے کے ثقافتی میلانات مشرقی اقوام کے ساتھ ہیں اور دوسرے حصے کے وسطی اور مغربی ایشیا کے ساتھ۔ اگر ہند میں تعاون کے لیے کوئی موثر اصول دریافت ہو جاتا تو وہ اس قدیم سرزمین پر امن اور باہمی خیر سگالی لے آئے گا۔ جو اتنے عرصے تک ابتلا کا شکار رہی تاریخ اپنے مخصوص حالات کی بنا پر نہ کہ اپنے لوگوں کی کسی بنیادی معذوری کی وجہ سے اور اس سے اس کے ساتھ ساتھ ایشیا کا سارا سیاسی مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

تاہم یہ دکھ کی بات ہے کہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ داخلی ہم آہنگی کے اصولوں کی دریافت کے ضمن میں ہماری مساعی ابتک بار آور ثابت نہیں ہوئیں، وہ ناکام کیوں ہوئیں؟ شاید ہم ایک دوسرے کی نیتوں پر شک کرتے ہیں اور باطنی طور پر ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شاید باہمی تعاون کے وسیع تر مفاد میں ہم ان اجارہ داریوں سے محروم ہونے کے لیے تیار نہیں جو حالات نے ہماری تحویل دے دی ہیں اور اپنی انا کو قوم پرستی کے لبادہ میں چھپانا چاہتے ہیں۔ بظاہر تو کشادہ دلی کے ساتھ حب وطن کے جذبے کو ابھارتے ہیں اور بباطن ہم کسی ذات یا قبیلہ کی طرح تنگ دل ہیں۔ شاید ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں کہ ہر گروہ کو اپنی ثقافتی روایات کے مطابق آزادنہ

طور سے ترقی کا حق ہے لیکن ہماری ناکامی کے اسباب خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہوں میں اب بھی پُر امید ہوں ایسا نظر آتا ہے کہ واقعات کسی نہ کسی قسم کی داخلی ہم آہنگی کی جہت میں رواں دواں ہیں اور جہاں تک مَیں مسلمان کے ذہن کو پڑھ سکا ہوں مَیں بغیر کسی پس وپیش کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس اصول کو فرقہ ورانہ تصفیے کی بنیاد کے طور پر تسلیم کرلیا جائے کہ ہندی مسلمان کو اپنے وطن میں اس کی اپنی ثقافت اور روایات کے خطوط پر مکمل اور آزادانہ طور سے ترقی کا حق حاصل ہے۔ تو وہ ہند کی آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دینے کے لیے آمادہ ہوگا۔ یہ اصول کہ ہر گروہ کو اس کے اپنے خطوط پر آزادانہ ترقی کا استحقاق حاصل ہے کسی تنگ فرقہ پرستی کے احساس کی وجہ سے نہیں ہر طرف فرقہ پرستی ہی فرقہ پرستی دکھائی دیتی ہے لیکن جو فرقہ دوسروں فرقوں کے خلاف کد رکھتا ہو وہ پست اور رزیل ہوتا ہے۔ مَیں دوسروں فرقوں کے رسم و رواج، قوانین اور مذہبی اور معاشرتی اداروں کا بے حد احترام کرتا ہوں یہی نہیں بل کہ یہ تو قرآنی تعلیم کے عین مطابق یہ میرا فرض ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں ان کی عبادت گاہوں کا دفاع بھی کروں۔ تاہم میں اس فرقہ وارانہ گروہ سے محبّت کرتا ہوں جو میری زندگی اور روئیے کا سر چشمہ ہے اور مجھے اپنا مذہب، اپنا ادب، اپنا فکر اور اپنی ثقافت عطا کر کے مجھے وہ کچھ بنادیا جو آج میں ہوں اور اس طرح سے اپنے تمام ماضی کی از سرِ نو تخلیق کو میرے وجودۂ شعور میں ایک زندہ اور فعال عنصر کے طور سے داخل کر دیا۔ نہرو رپورٹ کے مصنفین بھی فرقہ پرستی کے اس ارفع پہلو کی قدر و قیمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ سندھ کی علیحدگی پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوم پرستی کے وسیع تر نقطہ نظر سے یہ کہنا کہ فرقہ وارانہ صوبوں کی تخلیق نہیں ہونا چاہیے۔ ایک طرح سے ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس سے بھی زیادہ وسیع تر بین الاقوامی نقطہ نگاہ سے یہ کہے کہ کوئی علیحدہ اقوام ہی نہیں ہونی چاہیں۔ ان دونوں بیانات میں ایک حد تک صداقت موجود ہے لیکن کٹر سے کٹر بین الاقوامیت کا پرستار یہ تسلیم کرتا ہے کہ مکمل ترین قومی خودمختاری کے بغیر ایک بین الاقوامی ریاست کی تخلیق غیر معمولی طور سے دشوار ہوگی۔ اس طرح سے مکمل ترین ثقافتی خودمختاری اور فرقہ ورایت کے بناء اور فرقہ ورایت کا بہتر پہلو ثقافت ہے۔ ایک ہم آہنگ قوم کی تشکیل دشوار ہوگی۔

ہند میں مسلم ہند

تب تو ہند جیسے ملک میں فرقہ ورایت اپنے اعلیٰ وارفع پہلو کے ساتھ ایک ہم آہنگ کل کی تشکیل کے لیے ناگزیر ہے۔ ہندی معاشرے میں وحدتیں اس طرح علاقائی نہیں ہیں جس طرح

یورپی ممالک میں ہیں۔ ہند ایسے انسانی گروہوں کا براعظم ہے جن کا تعلق مختلف نسلوں سے بنا جو مختلف زبانیں برتتے ہیں اور مختلف مذاہب کے پیروکار ہیں۔ ان کا رویہ ایک مشترکہ نسل کے شعور سے متعین نہیں ہوتا۔ ہندو بھی یک جنسی گروہ تشکیل نہیں دیتے۔ فرقہ وارانہ گروہوں کی حقیقت کو تسلیم کیے بنا یورپی جمہوریت کے اصول کا اطلاق ہند پر نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہند میں مسلم ہند قائم کر دیا جائے بالکل حق بجانب ہے۔ دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرارداد، میرے خیال میں کلیتاً اسی ارفع تخیل سے متاثر ہوئی کہ ایک ہم آہنگ کل اپنے اجزائے ترکیبی کی انفرادیتوں کا گلا گھوٹنے کے بجائے انھیں یہ مواقع عطا کرتا ہے کہ ان میں جو امکانات مضمر ہیں انھیں مکمل طور سے بروئے کار لے آئیں اور مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ یہ ایوان اس قرارداد میں موجودہ مسلمانوں کے مطالبات کی پر زور انداز میں حمایت کرے گا۔ ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے کہیں آگے جاؤں گا۔ میں چاہوں گا کہ پنجاب، شمال، مشرق، شمالی مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ضم کر کے ایک واحد ریاست بنا دی جائے اور اسے خود مختاری دے دی جائے۔ برطانوی سلطنت کے اندر یا برطانوی سلطنت کے باہر شمال مغربی ہندی مسلمانوں کی ایک مستحکم ریاست کا قیام مسلمانوں کی حتمی تقدیر نظر آتی ہے۔ کم سے کم شمال مغربی ہند کی یہ تجویز نہرو کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ انھوں نے اس بناء پر مسترد کر دیا کہ اگر اس تجویز کو روبہ عمل لایا گیا تو جو ریاست بنے گی وہ بڑی بے ڈھب ہوگی جہاں تک رقبے کا تعلق ہے یہ بات درست ہے کہ لیکن آبادی کے اعتبار سے مجوزہ ریاست ہند کے بعض صوبوں سے چھوٹی ہوگی۔ قسمت انبالہ اور ان چند اضلاع کو نکال کر جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہیں یہ ریاست کم وطویل وعریض رہ جاتی اور مسلمانوں کی آبادی بڑھ جاتی۔ اس طرح اس علاقے میں یہ مستحکم ریاست غیر مسلم اقلیتوں کو زیادہ موثر تحفظ دے سکتی تھی۔ اس تخیل سے ہندوؤں یا انگریزوں کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہند دنیا میں عظیم ترین مسلم ملک ہے۔ ملک میں ایک ثقافتی قوت کے اعتبار سے اسلام کی زندگی کا تمام تر انحصار ایک معین علاقے میں مرکزیت پر ہے۔ مسلمانانِ ہند کے سب سے زیادہ زندہ حصے میں مرکزیت جس کی فوجی اور پولیس سروس نے اس کے باوصف کہ انگریزوں نے ان کے ساتھ برا سلوک روا رکھا۔ اس ملک میں برطانوی راج کو ممکن بنا دیا۔ اس سے آخرکار نہ صرف ہند کا مسئلہ بل کہ ایشیا کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ اس سے ان کے احساس ذمہ داری میں اضافہ ہوگا اور حب الوطنی کا جذبہ گہرا ہو جائے گا۔ اس طرح اگر شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کو ہند سے جس پر

سیاست میں ترقی کے بھر پور مواقع میسر آئیں گے تو وہ خود کو بیرونی حملہ آور کے خلاف ہند کا بہترین محافظ ثابت کر سکیں گے۔ بیرونی حملہ تصورات کا ہو یا سنگینوں کا۔ پنجاب جس میں مسلمان 56 فیصد ہیں 54 فیصد لڑاکا سپاہی ہندی فوج کو فراہم کرتا ہے اور اگر 19 ہزار گورکھوں کو جو آزاد مملکت نیپال سے بھرتی کیے جا سکتے ہیں اور تعداد میں سے خارج کر دیا جائے تو پوری ہندی فوج میں پنجاب کے فوجی دستوں کا تناسب 62 فی صد ہو جاتا ہے۔ اس تناسب سے چھ ہزار کی وہ لڑاکا نفری شامل نہیں جو شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان ہندی فوج کو فراہم کرتا ہے۔ اس سے آپ آسانی کے ساتھ شمالی مغربی ہند کے مسلمانوں کے بیرونی جارحیت کے خلاف ہند کے دفاع میں امکانات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا یہ خیال ہے کہ شمال مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک خود مختار ریاست کے قیام کے تعلق میں مسلمانوں کے مطالبہ کے پس پشت یہ خواہش کارفرما ہے کہ ہنگامی صورتِ حال کے موقع پر انھیں حکومت ہند پر دباؤ ڈالنے کا ایک حربہ ہاتھ آجائے۔ میں نہایت صاف گوئی کے ساتھ انھیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلم مطالبے کا محرک وہ نہیں جس کا انھوں نے ہم پر الزام لگایا ہے بل کہ دراصل یہ آزادانہ ترقی کی حقیقی خواہش ہے جو قوم پرست ہندو سیاست دانوں کی اس سوچ کے باعث ناممکن ہو جائے گی جس کے مطابق وہ ہند میں وحدانی طرز کی حکومت قائم کرنے کے خواہاں ہیں تا کہ سارے ہند پر انھیں دائمی فرقہ وارانہ غلبہ حاصل ہو جائے۔

نہ ہی ہندوؤں کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ خود مختار مسلم ریاستوں کے قیام کا مطلب ہوگا کہ ایسی ریاستوں میں مذہبی حکمرانی کا قیام ہو جائے گا۔ میں نے پہلے ہی لفظ مذہب کے معنی کی نشاندہی کر دی ہے جیسا کہ اس کا اسلام پر اطلاق ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اسلام کلیسا نہیں ہے۔ یہ ایک ریاست ہے، اسے ایک تنظیم سمجھ لیجئے جو معاہدے کے ذریعہ تشکیل پاتی ہے اور اس تخیل نے روسو کی فکر سے برسوں پہلے جنم لیا اور یہ اخلاقیاتی تصور سے متاثر ہے جو انسان کو زمین سے وابستہ مخلوق نہیں سمجھتا، جو زمین کے اس یا اس حصے سے مخصوص ہو بل کہ یہ انسان کو ایک روحانی وجود گردانتا ہے جو معاشرتی وجود کا ایک جزو ہوتا ہے جس کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور کچھ فرائض اور یہ معاشرتی وجود کا ایک زندہ عنصر ہوتا ہے۔ مسلم ریاست کے کردار کا اندازہ ٹائمز آف انڈیا کے اس کے ادارے سے لگایا جا سکتا ہے جو اس کے کچھ عرصہ پیشتر انڈین بینکنگ انکوائری کمیٹی کے عنوان کے تحت سپرد قلم و قرطاس کیا۔ مذکورہ اخبار رقم طراز ہے کہ قدیم ہند میں ریاست قوانین منضبط کرتی تھی جس سے شروع سود کا تعین

ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کے عہد میں اگر چہ اسلام واضح طور سے قرض پر سود کی ممانعت کرتا ہے۔ ہند کی مسلم ریاستوں نے شرح سود پر کبھی کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ لہٰذا میں ہند اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک مستحکم ریاست کی تشکیل کا مطالبہ کرتا ہوں۔ ہند کے لیے اس کا مطلب ہے تحفظ اور امن جو داخلی توازن قوت کا نتیجہ ہوگا۔ اسلام کے لیے ایک موقع فراہم ہو جائے گا کہ وہ گلو خاصی کرا کے اس مہرے سے جو عرب استعمار نے مجبوراً اس پر ثبت کی اور پھر اس کے قانون اس کی تعلیم اور اس کی ثقافت کو مجتمع کر کے اس کی اصل روح اور موجودہ زمانے کی روح کے ساتھ قریبی رابطہ پیدا کر سکے۔

وفاقی ریاستیں

پس یہ بالکل واضح ہے کہ ہند کی لامحدود رنگارنگ آب و ہوا نسلیں، زبانیں، عقائد اور معاشرتی ضابطوں کے پیش نظر خود مختار ریاستوں کی تخلیق جو زبان کے اتحاد، نسل، تاریخ، مذہب اور اقتصادی مفادات کے تشخص پر مبنی ہو ہند میں ایک مستحکم دستوری ڈھانچے کے حصوں کا واحد ممکن طریقہ ہے۔ سائمن رپورٹ میں مذکور وفاق کے تصور سے یہ لازم آتا ہے کہ مرکزی مجلس قانون ساز کو ایک محرابی مجلس کی حیثیت سے توڑ دیا جائے اور اسے وفاقی ریاستوں کے نمائندوں کی مجلس بنا دیا جائے۔ رپورٹ علاقے کی ان خطوط پر دوبارہ تقسیم کا بھی تقاضا کرتی ہے جن کی میں نے نشاندہی کی ہے اور رپورٹ دونوں کی سفارش کرتی ہے۔ میں معاملے کی اس پہلو کی پوری پوری حمایت کرتا ہوں اور یہ تجویز پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ سائمن رپورٹ میں علاقے کی دوبارہ تقسیم کی جو سفارش کی گئی ہے۔ اسے دو شرطیں پوری کرنی چاہیں۔ یہ نئے دستور کے نفاذ سے پہلے ہونی چاہیں اور یہ اس طریقے سے ترتیب دی جائیں کہ یہ حتمی طور پر فرقہ ورایت کا مسئلہ بھی حل کر دے۔ مناسب دوبار تقسیم سے ہند کی دستوری بحث و تمحیص کے منظر سے مخلوط اور جداگانہ طرز انتخاب کا سوال خود بخود غائب ہو جائے گا۔ یہ صوبوں کا موجودہ ڈھانچہ ہے جو بڑی حد تک اس بحث کا ذمہ دار ہے۔ ہندو سوچتا ہے کہ جداگانہ انتخاب کا طریقہ حقیقی قوم پرستی کے جذبے کی منافی ہے کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ لفظ قوم کا مطلب ہے ایک آفاقی قسم کا انضمام جس میں کسی فرقہ وارانہ وجود کو اپنی نجی انفرادیت برقرار نہیں رکھنی چاہیے۔ تاہم ایسی صورتِ حال موجود نہیں نہ ہی یہ کوئی پسندیدہ بات ہے کہ یہ ضرور موجود ہونی چاہیے۔ ہند مختلف النوع نسلوں اور مذہبوں کی سرزمین ہے۔ اس میں مسلمانوں کی عام زبوں حالی کا اضافہ کر لیجیے۔ ان پر قرضوں کا زبردست بوجھ بالخصوص پنجاب میں پھر بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریت،

جیسا کہ فی الوقت ان کی حدود متعین ہیں اس منظر کو سامنے رکھیے اور آپ واضح طور سے سمجھنے لگیں گے کہ ہم جداگانہ طریقۂ انتخاب کو برقرار رکھنے کی خاطر کیوں بے چین ہیں؟ ایسے ملک میں اور ان حالات میں علاقائی رائے دہندگان جملہ مفادات کی مناسب نمائندگی حاصل نہیں کر سکتے اور بدیہی طور سے یہ طریقہ امراء کی حکومت پر منتج ہوگی۔ مسلمانانِ ہند کو خالصتاً علاقائی رائے دہی کے اصول کے خلاف کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ بشرطیکہ صوبوں کی حدود کا اس انداز سے تعین کیا جائے کہ مقابلتاً فرقوں میں نسلی، لسانی، ثقافتی اور مذہبی اتحاد حاصل ہو سکے۔

سائمن رپورٹ کے مطابق وفاق کا تصور

لیکن جہاں تک مرکزی وفاقی ریاست کے اختیارات کا تعلق ہے ہند کے پنڈتوں اور انگلستان کے پنڈتوں کے تجویز کردہ دساتیر میں ارادوں کا نہایت باریک سا فرق ہے۔ ہند کے پنڈت مرکزی حاکمیت کو، جیسا کہ وہ اس وقت موجود ہے چھیڑنا نہیں چاہتے وہ جس چیز کے خواہاں ہیں وہ یہ ہے کہ حاکمیت مرکزی مقننہ کے سامنے جواب دہ ہو جائے جس کو وہ علی حالہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں جہاں ان کی اکثریت میں نامزد عنصر کے خاتمے سے مزید اضافہ ہو جائے گا۔ دوسری جانب انگلستان کے پنڈت یہ باور کرتے ہوئے کہ مرکزی اقتدارِ اعلیٰ ان کے مفاد کے خلاف کام کرے گا اور وہ تمام قوت جو اس وقت ان کے ہاتھوں میں ہے وہ سلب کر لے گا۔ اگر ذمہ دار حکومت کے ضمن میں مزید پیش رفت ہوئی۔ ادھر جمہوریت کا تجربہ مرکز سے صوبوں کی طرف منتقل ہوا ہے۔ بلاشبہ انھوں نے اُصول وفاق کا متعارف کرایا اور کچھ تجاویز پیش کر کے اس کا آغاز بھی کر دیا۔ تاہم ان کا اس اصول قدر و قیمت کا اندازہ لگانا اس سے یکسر مختلف ہے جس سے مسلمان اس کی قدر و قیمت کا تعین کرتے ہیں۔ مسلمان وفاق کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ یہ نمایاں طور سے ہند کے سب سے زیادہ دشوار مسئلے کا حل ہے یعنی فرقہ وارانہ مسئلے کا۔ رائل کمیشن کے ارکان کا وفاق کے بارے میں نقطہ نظر اگرچہ اصولاً ٹھوس ہے لیکن بظاہر وفاقی ریاستوں کے لیے ذمہ دار حکومتوں کو اگلی منزل قرار نہیں دیتا ہے۔ درحقیقت وہ اس صورتِ حال سے فرار کی راہ مہیا کرنے سے آگے نہیں جاتا جو ہند میں جمہوریت کو متعارف کرانے کے ضمن میں انگریزوں کو درپیش آئیں اور فرقہ وارانہ مسئلہ کو جہاں تھا وہیں چھوڑ کر کلیتاً نظرانداز کر دیا گیا۔

پس یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں تک حقیقی وفاق کا تعلق ہے سائمن رپورٹ اصول

وفاق کی اس کی حقیقی اہمیت کے اعتبار سے نفی کرتی ہے۔ نہرو رپورٹ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ مرکزی مجلس قانون ساز میں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی وحدانی طرز کی حکومت کا تقاضا کرتی ہے چوں کہ اس نوع کا ادارہ سارے ہند میں ہندوؤں کو غلبہ فراہم کردیتا ہے۔ سائمن رپورٹ برطانیہ کے موجودہ غلبے کو ایک غیر حقیقی وفاق کی باریک سی تہ کے نیچے برقرار رکھتی ہے۔ جزوی طور سے اس لیے چوں کہ انگریز قدرتاً اس قوت سے خود محروم نہیں کرنا چاہتا جسے وہ اتنی طویل مدت کے دوران استعمال کرتا رہا۔ جزوی طور سے اس لیے کہ یہ ان کے لیے ممکن ہے چوں کہ ہند میں فرقوں کی باہمی مفاہمت موجود نہیں اس لیے اس قوت کا ان کے اپنے ہاتھ میں رکھنے کا جواز مہیا ہوجاتا ہے۔ میرے خیال میں وحدانی طرز کی حکومت خود مختار ہند میں بالکل ناقابل تصور ہے۔ وہ جنھیں باقی ماندہ اختیارات کہا جاتا ہے کلیتاً خود مختار ریاستوں کی تحویل میں ہوں۔ مرکزی وفاقی حکومت صرف وہی اختیارات استعمال کرے جو وفاقی ریاستیں اپنی رضامندی سے اس کے حوالے کریں۔ میں مسلمانان ہند کو ہرگز کو یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ وہ ایسا نظام قبول کریں جس پر انگریز کا ٹھپہ ہو یا ہند کا، جو فی الواقعی حقیقی اصول وفاق کی نفی کرتا ہو یا جو انھیں ایک علیحدہ سیاسی وجود کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

گول میز کانفرنس میں زیر بحث آنے والی وفاقی اسکیم

مرکزی حکومت کے ڈھانچے میں تبدیلی کی ضرورت کا احساس غالباً اس سے بہت پہلے ہو گیا ہوگا جب انگریزوں نے یہ تبدیلی لانے کی غرض سے بے انتہا موثر ذرائع دریافت کیے۔ یہی سبب تھا کہ کافی تاخیر کے ساتھ یہ اعلان کیا گیا کہ گول میز کانفرنس میں والیان ریاست کی شرکت نا گزیر ہوگی۔ ہند کے لوگوں کے لیے بالخصوص اقلیتوں کے لیے ایک طرح سے حیران کُن بات تھی کہ انھوں نے دیکھا کہ والیان ریاست نہایت ڈرامائی انداز میں گول میز کانفرنس میں کل ہند وفاق میں اپنی شمولیت پر آمادگی کا اظہار کر رہے ہیں چناں چہ یہ ان علامات کا ہی نتیجہ تھا کہ ہندو مندوبین نے جو وحدانی طرز حکومت کے تخیّل کے کٹر قسم کے علمبردار تھے خاموشی سے وفاقی اسکیم کے ارتقا سے اتفاق کرلیا۔ مسٹر شاستری نے بھی جنھوں نے صرف چند روز پیشتر ہی سر جان سائمن پر صرف اس وجہ سے کڑی تنقید کی تھی کہ انھوں نے اپنی رپورٹ میں ہند کے لیے وفاقی اسکیم کی سفارش کی تھی۔ اچانک مشرف بہ وفاقی اسکیم ہوجانے کا اعلان کردیا اور انھوں نے وحدانی طرز حکومت کے بجائے وفاقی اسکیم کو قبول کر لینے کا اعتراف کرلیا۔ انھوں نے یہ صرف اعتراف کانفرنس کے ابتدائی اجلاس میں

کیا۔اس طرح انھوں نے بذلہ سنج وزیراعظم برطانیہ کو اپنی اختتامی تقریر میں بے حد شوخ جملہ کہنے کا موقعہ فراہم کردیا۔اس تمام کا انگریزوں کے لیے جنھوں نے ہند کے والیانِ ریاست کی گول میز کانفرنس میں شرکت کی خواہش کی اور ہندوؤں کے لیے جنھوں نے بغیر کسی پس وپیش کے ایک کل ہند وفاق کی ارتقائی اسکیم کو قبول کرلیا۔سچ تو یہ ہے کہ ہندی والیان ریاست کی ہند کے وفاق میں شمولیت، جن میں صرف چند ایک مسلمان تھے سے دو مقصد حاصل ہوتے تھے ایک طرف تو وہ نہایت اہم عنصر تھا، برطانوی قوت کو ہند میں عملاً جوں کا توں برقرار رکھنے میں کردار ادا کرنا۔دوسری طرف ہندوؤں کو وفاقی مجلس قانون ساز میں زبردست غالب اکثریت مہیا کرنا۔مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے مرکزی حکومت کی حتمی طرز کے بارے میں ہندو مسلم اختلافات کا انگریزوں کی جانب سے والیان ریاست کے ذریعہ بڑی چالاکی کے ساتھ استحصال ہو رہا ہے۔جنھیں اس اسکیم میں اپنی آمرانہ حکمرانی کے بہتر تحفظ کے امکانات نظر آئے اگر مسلمان خاموشی سے کسی ایسی اسکیم کے ساتھ اتفاق کرلیں تو یہ ہند میں ان کے سیاسی وجود کی حیثیت سے فاتح کے دن کو قریب سے قریب تر لے آئے گا۔اس طرح سے تخلیق ہونے والے ہندی وفاق کے ضمن میں یہ حکمت عملی یہ ہوگی کہ وفاقی مجلس قانون ساز میں سب سے بڑا گروپ ہندو والیان ریاست کا ہوگا۔استعماری امور کے بارے میں برطانوی تاج کی حمایت کرے گا اور جہاں تک ملک کے داخلی انتظام کا تعلق ہے تو وہ ہندوؤں کو برقرار رکھنے اور اسے استحکام بخشنے میں مدد دے گا۔دوسرے لفظوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ ہندو ہند اور برطانوی استعمار میں کچھ اس طرح کی مفاہمت ہو جائے۔آپ ہمیں ہند میں مستقلاً رہنے دیجیے۔اس کے عوض ہم آپ کو ہندو طبقہ امراء کی حکومت عطا کردیں گے تاکہ وہ دیگر تمام ہندی فرقوں کو اپنی دائمی محکومی میں رکھ سکیں۔لہٰذا اس صوبوں کو حقیقی خودمختار ریاستوں میں تبدیل نہیں کیا جاتا۔تو والیان ریاست کی وفاق ہند کی اسکیم میں شمولیت کی یہی تعبیر کی جائے گی کہ انگریز سیاستدان چالاکی سے اور کسی حقیقی اعتبار سے محروم ہوئے بغیر تمام متعلقہ فریقوں کا مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔مسلمانوں کا لفظ وفاق سے ہندوؤں کو مرکز میں اکثریت سے برطانوی استعمار کے حامیوں کو خواہ وہ ٹوری ہوں یا لیبر پارٹی سے ہوں حقیقی اقتدار کے حصول سے۔

ہند میں ہندوریاستوں کی تعداد مسلم ریاستوں کی تعداد کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ مرکزی وفاق مجلس قانون ساز میں یک ایوانی یا دو ایوانی جو

برطانوی ہند اور ہندی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ تینتیس فی صد نشستیں ہونی چاہیں کیسے پورا کیا جائے گا؟ میں توقع کرتا ہوں کہ مسلمان مندوبین وفاقی اسکیم کے جیسا کہ گول میز کانفرنس میں اس پر بحث و تمحیص ہوئی۔ مضمرات سے پوری طرح سے باخبر ہوں گے۔ مجوزہ کل ہند وفاق میں مسلمانوں کی نیابت کے سوال پر ابھی تک بحث نہیں ہوئی۔ خبر رساں ادارہ رائٹر کی تلخیص کے مطابق عبوری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ وفاقی مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی اور دونوں میں برطانوی ہند اور ہندی ریاستوں کے نمائندے شامل ہوں گے۔ ان کی تعداد کے تناسب کا معاملہ ان موضوعات کے تحت بعد ازایں زیر غور آئے گا۔ جو ابھی تک ذیلی کمیٹی کے سپرد نہیں کیے گئے۔ میرے خیال میں تناسب کا سوال بے حد اہمیت کا حامل ہے اور اس پر مجلس قانون ساز کے ڈھانچے کے اہم سوال کے ساتھ ہی غور کرنا چاہیے تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ بہترین ردِ عمل یہ ہوتا کہ صرف برطانوی ہند میں وفاق کی تشکیل سے آغاز ہوتا۔ ایک وفاقی اسکیم جو جمہوریت اور مطلق العنانیت کے ناپاک گٹھ جوڑ سے جنم لیتی ہے۔ برطانوی ہند کو اسی شیطانی چکر میں محبوس رکھے گی جسے وحدانی مرکزی حکومت کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح وحدانی طرز انگریزوں کے لیے برطانوی ہند میں اکثریتی فرقے کے لیے اور ہندی والیان ریاست کے لیے بے انتہا سود مند ہو۔ یہ مسلمانوں کے لیے کسی طور سے مفید نہیں ہوسکتی تا آنکہ انھیں ہند کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ میں اکثریتی حقوق پورے باقی ماندہ اختیارات کے ساتھ حاصل نہ ہو جائیں اور ایک تہائی نشستیں وفاقی مقننہ کی مجموعی نشستوں کی نہ مل جائیں۔ جہاں تک برطانوی ہند کے صوبوں کے اقتدار اعلیٰ کے اختیارات کے حصول کا تعلق ہے ہز ہائی نیس والئ بھوپال سر اکبر حیدری اور مسٹر جناح نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ ناقابلِ تردید ہے تاہم والیان ریاست کی ہندی وفاق میں شمولیت کے پیش نظر برطانوی ہند کی مجلس قانون ساز میں اپنی نیابت کے مطالبے پر نئے پس منظر کی روشنی میں غور کرنا ہوگا۔ سوال برطانوی ہند کی مجلس قانون ساز میں نمائندگی کا نہیں بل کہ یہ کل ہند وفاقی مجلس قانون ساز میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کی نیابت سے متعلق ہوگا۔ 33 فی صد کے ہمارے مطالبے کو کل ہند وفاقی مجلس میں ہماری نیابت کے تناسب کا مطالبہ تصور کرنا ہوگا اور اس میں وہ نشستیں شامل نہیں ہوں گی جو وفاق میں شامل ہونے والی مسلم ریاستوں کے لیے مختص کی جائیں گی۔

دفاع کا مسئلہ

ایک اور دشوار مسئلہ جو ہند میں کامیابی کے ساتھ وفاقی نظام کے رو بہ عمل آنے کے ضمن میں درپیش ہوگا وہ ہے مسئلہ دفاع ہند۔ اس بارے میں رائل کمیشن کے اراکین نے ہند کی تمام کمیوں اور کوتاہیوں پر سیر حاصل گفت گو کی تا کہ فوج کے نظم ونسق کو برطانوی استعمار کی تحویل میں رکھنے کا موقف تیار کیا جا سکے۔ کمیشن کے اراکین کہتے ہیں کہ ہند اور برطانیہ کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ اب یا مستقبل قریب میں یہ نہیں کیا جا سکتا کہ ہند کا دفاع خالصتاً ہند کا معاملہ ہے۔ اب کیا اس نقطہ نظر سے یہ لازم آتا ہے کہ برطانوی ہند میں ذمہ دار حکومت کے حصول کے سلسلے میں پیش رفت اس وقت تک کے لیے مسدود ہو جائے تا آنکہ دفاع کا کام انگریز افسروں اور انگریز فوجیوں کی امداد واعانت کے بغیر کما حقہٗ سرانجام دیا جا سکے؟ مرکزی حکومت کی حتمی منزل کی جانب جس کا 20 / اگست 1917ء کے اعلانیہ میں ذکر ہے ارتقا کی تمام امیدیں غیر معینہ مدت کے لیے موہوم ثابت ہوں گی۔ اگر نہرو رپورٹ کے اس رویے کو برقرار رکھا جائے کہ مستقبل کی تبدیلی میں یہ امر شامل ہے کہ فوج کا انتظام وانصرام منتخب ہندی مقننہ کے اختیار کے تابع کر دیا جائے۔ مزید اپنے استدلال کو برہان قاطع کا روپ دینے کے لیے وہ اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ ایک دوسرے کے مد مقابل مذاہب اور حریف نسلیں موجود ہیں۔ یہ کہتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ ایسا نظر آئے کہ یہ مسئلہ لاینحل ہے۔ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ ہند معمول کے مطابق اور قدرتی طور سے ایک واحد قوم نہیں ہے یہ بات اس سے زیادہ اور کسی طرح واضح نہیں ہوتی جتنی کہ ہند کی لڑاکا نسلوں اور باقی نسلوں کے مابین پائے جانے والے فرق کو دیکھتے ہوئے ہوتی ہے۔ مسئلے کے ان پہلوؤں پر زور یہ ظاہر کرنے کے لیے دیا جا رہا ہے کہ انگریز نہ صرف ہند کو کسی غیر ملکی حملے سے محفوظ رکھ رہے ہیں بل کہ وہ داخلی عافیت کے غیر جانبدار نگہبان بھی ہیں۔ تاہم ہند کے وفاق بن جانے کے بعد، جیسا کہ میں وفاق کو سمجھتا ہوں مسئلہ کا صرف ایک پہلو ہوگا اور وہ ہے خارجی حملے کا دفاع۔ صوبائی فوجوں کے علاوہ جو داخلی امن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہوں گی۔ ہند کی وفاقی کانگرس میں بھی شمال مغربی سرحد پر مضبوط ہندی سرحدی فوج رکھ سکتی ہے۔ جو ایسے دستوں جن کے لیے ہمارے صوبوں سے بھرتی کیا گیا ہے اور ایسے باصلاحیت اور تجربہ کار فوجی افسروں پر مشتمل ہوں جن کا تعلق سارے فرقوں سے ہو۔ مجھے علم ہے کہ ہند کے پاس باصلاحیت فوجی افسر موجود نہیں ہیں اور کمیشن کے اراکین نے اس حقیقت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ فوج کا نظم ونسق

انگریزوں کے ہاتھ میں رکھنے کی دلیل پیش کرنے کے لیے اس نکتہ پر میں ایک اور پیرے کا حوالہ دیئے بنا نہیں رہ سکتا۔ جو میرے خیال میں کمیشن کے اراکین کے اختیار کردہ موقف کے خلاف بہترین استدلال پیش کرتا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ فی الوقت کوئی ہندی بھی کنگز کمیشن رکھتے ہوئے کپتان سے بڑے عہدے کا حامل نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ 39 کپتان ہیں جن میں 25 فوجی دستوں میں معمول کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ عمر کی اس منزل میں ہیں جوان کے زیادہ اعلیٰ عہدوں کے حصوں کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ خواہ وہ اپنی سبکدوشی سے قبل ضروری محکمانہ امتحان بھی پاس کرلیں۔ ان میں سے بہت ایسے ہیں جنھوں نے سینڈھرسٹ میں تربیت حاصل نہیں کی بل کہ انھیں جنگ عظیم اول کے دوران کمیشن ملا۔ تاہم اب خواہش کیسی بھی حقیقی کیوں نہ ہو اور اس تبدیلی کے لیے کام کرنے کی کوشش کتنی بھی مخلصانہ کیوں نہ ہو۔ اسکین کمیٹی جس کے چیئرمین اور فوج کے سیکرٹری کے علاوہ تمام اراکین ہندی تھے۔ نے قطعی شرائط کا نہایت شدت کے ساتھ ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے ترقی کا دارومدار اس کامیابی پر جو ہر مرحلے میں حاصل کیا جائے اور فوجی صلاحیت اور کارکردگی کو برقرار رکھنے پر ہونا چاہیے۔ تاہم بہرنوع یہ ترقی محدود اور سست رو ہوگی۔ موجودہ ہندی افسروں میں سے جو جونیئر عہدے دار ہیں اور محدود تجربہ رکھتے ہیں۔ ایک مختصر سے نوٹس پر اعلیٰ کمان ترتیب نہیں دی جاسکتی۔ تا آنکہ افسر کلاس کے لیے مناسب ہندی رنگروٹ آہستہ آہستہ آئیں اور ہم مخلصانہ طور سے اس امر کے خواہاں ہیں کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو۔ بہت زیادہ تعداد میں نہیں آئیں گے اور جب تک کافی ہندی لوگ تجربہ اور تربیت حاصل نہیں کرلیتے جو فوجی افسروں کے لیے لازمی ہے تمام افسروں کا مہیا کیا جانا بہر طور کچھ ہندی دستوں کو ہندی افسروں کی فراہمی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ فوجی اس آزمائش سے گزر نہ جائیں جو ممکنہ طور سے ان کی فوجی صلاحیت اور کارکردگی کا تعین کرسکے اور اس وقت تک نہیں جب تک کہ ہندی افسر کامیاب فوجی کیریئر کے ذریعہ اعلیٰ کمان میں جانے کی اہلیت حاصل نہ کرلیں۔ اس وقت یہ ممکن ہوگا کہ فوج ہندیانے کی حکمت عملی کو کسی حد تک روبہ عمل لایا جاسکے۔ تب کہیں جاکر مکمل طور سے ہندیائی ہوئی فوج قابل حصول نظر آئے گی۔ پھر بھی یہ عمل مکمل ہونے میں برس ہا برس لگ جائیں گے۔

اب میں یہ دریافت کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ موجودہ صورتِ حال کے لیے ذمہ دار کون ہے؟ کیا یہ ہماری جنگ جونسل میں کسی بنیادی کمی وجہ سے ہے یا یہ فوجی تربیت کے عمل میں سست

روی کی وجہ سے ہے؟ دیگر انسانی تربیت کے عمل کے مقابلے میں فوجی تربیت کا عمل سست ہو سکتا ہے۔ میں کوئی فوجی ماہر نہیں ہوں کہ اس معاملے کا تصفیہ کر سکوں لیکن ایک عام آدمی کی حیثیت سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ استدلال فرض کرتا ہے کہ یہ عملاً لامتناہی عمل ہوگا۔ اس کے معنی ہیں ہند کے لیے دائمی غلامی اور اس وجہ سے یہ اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا جیسا کہ نہرو رپورٹ میں تجویز کیا گیا ہے کہ سرحدی فوج کو دفاعی کمیٹی کی تحویل میں دے دیا جائے جس کے اراکین کا معاملہ باہمی مفاہمت کے ذریعے طے کیا جائے۔ پھر بھی ایک اہم بات ہے کہ سائمن رپورٹ میں ارضی سرحد کو تو غیر معمولی اہمیت دی گئی لیکن بحری معاملہ کو رواروی میں نبٹا دیا گیا۔ بلاشبہ ہند کو ارضی سرحد کی جانب سے حملوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ اس کے وجودہ آقاؤں نے اس کا قبضہ ساحل سمندر کی طرف سے لیا جس کے دفاع کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ ایک خودمختار اور آزاد ہند کو آج کل کے زمانے میں اپنے ساحل سمندر کی جانب ارضی سرحد کے مقابلے میں زیادہ دھیان دینا ہوگا۔ مجھے اس باب میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ایک وفاقی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو مسلم وفاقی ریاستیں اس امر سے آمادگی کے ساتھ اتفاق کریں گی کہ ہند کے دفاع کی غرض سے غیر جانبدار ہندی بری اور بحری افواج کی تشکیل دے دی جائیں۔ اس طرح کی غیر جانبدار بری فوج ہند کے دفاع کے لیے مغل عہد میں بھی ایک حقیقت تھی۔ درحقیقت اکبر کے عہد میں ہند کی سرحد کی حفاظت وہ فوجیں کرتی تھیں جن کے افسر ہندو جرنیل ہوتے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ غیر جانبدار ہندی فوج، جو ہند کے وفاق پر مبنی ہوگی کی اسکیم مسلمانوں کے جذبہ حب الوطنی کو فروغ دے گی اور یہ شک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا کہ حملے کی صورت میں کوئی مسلمان حملہ آور مسلمان فوج میں شامل ہو جائے گا۔

متبادل

میں نے اس طرح مختصراً اس راستے کی نشاندہی کی کوشش کی ہے کہ جس کے ذریعے میرے خیال میں ہند کے مسلمانوں کو ہند کے دو بے حد اہم دستوری مسئلوں کا ادراک حاصل کرنا چاہیے۔ برطانوی ہند کی دوبارہ تقسیم جس کا مقصد فرقہ وارانہ مسئلے کا مستقل حل تلاش کرنا ہو مسلمانانِ ہند کا بڑا مطالبہ ہے۔ تاہم اگر فرقہ وارانہ مسئلے کے تصفیے کی غرض سے مسلمانوں کے علاقائی حل کے مطالبے کو نظر انداز کر دیا گیا تب میں اتنے پرزور طریقے سے جتنا ممکن ہو آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کے ان مطالبات کی حمایت کروں گا جنھیں بار بار دہرایا گیا ہے۔ مسلمانانِ ہند ایسی دستوری

تبدیلیوں کو قبول نہیں کریں گے جو پنجاب اور بنگال میں ان کے جداگان طریقہ انتخابات کے ذریعہ حاصل ہونے والے اکثریتی حقوق کو متاثر کریں یا انھیں کسی بھی مرکزی مقننہ میں نمائندگی کا 33 فی تناسب نہ دلاسکیں۔ دوگڑھے تھے ان میں مسلمان سیاسی رہنما گرے۔ ایک تھا مسترد میثاق لکھنؤ جس کی اساس ہندو قومیت کے جھوٹے دعوے پر استوار کر گئی اور جس نے مسلمانان ہند کو ہند میں سیاسی اقتدار کے حصول کے امکانات سے یکسر محروم کر دیا۔ دوسرا تھا پنجاب کے دیہات کی ترقی کی طرح تنگ نظری پر مبنی اسلامی یک جہتی اور استحکام کا اثیار جو اس تجویز پر منتج ہوا جس نے مسلمانان پنجاب کو عملاً اقلیتی سطح پر لا کھڑا کیا۔ یہ لیگ کا فریضہ ہے کہ وہ معاہدے اور تجویز دونوں کی مذمت کرے۔

سائمن رپورٹ مسلمانوں کے ساتھ زبردست ناانصافی کا ارتکاب کرتی ہے۔ جب وہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کی سفارش نہیں کرتی۔ یہ صورتِ حال تو میثاق لکھنؤ سے چپکے رہنے کا تقاضا کرتی ہے یا مخلوط طریقہ انتخاب سکیم کو قبول کرنے کا۔ سائمن رپورٹ کے بارے میں حکومت ہند کے مراسلے میں یہ تسلیم کیا گیا کہ اس دستاویز کی اشاعت کے بعد سے مسلم فرقے نے رپورٹ میں تجویز کردہ دونوں تبادلات میں کسی ایک کو بھی قبول کرنے پر اپنی آمادگی کا اظہار نہیں کیا۔ مراسلہ تسلیم کرتا ہے کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق کونسلوں میں صرف اس وجہ سے نمائندگی نہ دینا ایک جائز شکل ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو کسی اور جگہ ان کی آبادی کے لحاظ سے زیادہ نیابت دی گئی۔ جہاں تک پنجاب اور بنگال کا تعلق ہے سائمن رپورٹ کی ناانصافیوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ نہایت اہم نکتہ ہے۔ یہ تائید کرتا ہے اس نام نہاد محتاط طریقے سے متوازن کی ہوئی اسکیم کی جسے حکومت پنجاب کے سرکاری اراکین نے ترتیب دیا۔ جو مسلمانان پنجاب کو ہندوؤں اور سکھوں کو ملا کر صرف دو کی اکثریت دیتا ہے اور من حیث المجموع ایوان میں ان کا تناسب 49 فیصد رہ جاتا ہے۔ بدیہی طور سے مسلمانان پنجاب اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک کہ انھیں ایوان میں مجموعی طور سے اکثریت حاصل نہ ہو۔ تاہم لارڈ اروِن اور ان کی حکومت کے اراکین یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ فرقہ وارانہ انتخابات کے طریقہ کا جواز اکثریتی فرقے کے لیے اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک کہ طریقہ رائے دہی میں توسیع کر کے ان کی قوت کو اتنا نہ بڑھا دیا جائے کہ وہ ان کی آبادی کے صحیح صحیح تناسب کا اظہار کر سکے اور مزید یہ کہ جب تک صوبائی کونسل کے مسلم اراکین دو تہائی اکثریت متفقہ طور سے حق جداگانہ طریقہ انتخاب سے دستبرداری

کا فیصلہ نہ کر دے۔ تاہم میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ حکومت کو ہند میں مسلمانوں کی شکایت کا جائز گردانتے کے باوصف اتنی جرات کیوں نہ ہوئی کہ وہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کی سفارش کر سکتی۔

نہ ہی مسلمانان ہند کسی ایسی تبدیلی کو قبول کریں گے جو سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ قرار نہ کر دے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کو کمتر درجے کا سیاسی رتبہ دے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ سندھ کو بلوچستان کے ساتھ شامل کر کے ایک علاحدہ صوبہ نہ بنایا جا سکے۔ اس سندھ کی بمبئی پریذیڈینسی کے ساتھ کوئی چیز مشترک نہیں۔ حیات اور تہذیب و تمدن کے نقطہ نظر سے رائل کمیشن کے اراکین اسے سندھ کو میسو پوٹیمیا اور عرب کے قریب تر پاتے ہیں بمقابلہ ہند کے۔ مسلم جغرافیہ دان مسعودی نے اس قربت کو بہت پہلے محسوس کیا تھا جب انھوں نے کہا تھا کہ سندھ ایسا ملک ہے جو اسلامی ممالک سے قریب تر ہے۔ پہلے اموی فرمانروا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ مصر کی پشت افریقہ کی طرف ہے اور چہرہ عرب کی جانب۔ ضروری تصرف کے ساتھ یہی بات سندھ کی ٹھیک صورتحال کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کی پشت ہند کی جانب ہے اور چہرہ وسط ایشیا کی طرف مزید غور کیا جائے تو اس کے زرعی مسائل کی نوعیت ایسی ہے کہ اسے حکومت بمبئی سے کوئی ہمدردی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لامحدود تجارتی امکانات کا انحصار کراچی کی ترقی پر ہے کہ وہ ہند کا دوسرا بمبئی کی طرز پر دارالحکومت بن جائے۔ اسے پریذیڈینسی کے ساتھ وابستہ رکھنا۔ جو آج تو درست ہے لیکن مستقبل قریب میں حریف بن سکتا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ مالی مشکلات علیحدگی کی راہ میں حائل ہیں۔ اس معاملے میں مجھے کسی قطعی اعلان کا علم نہیں لیکن یہ فرض کرتے ہوئے کہ کچھ ایسی مشکلات ہیں مجھے کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی کہ حکومت ہند ایسے پرامید صوبے کو جو اپنی ترقی کے لیے جدوجہد میں مصروف ہے عارضی طور پر مالی امداد کیوں نہ دے۔

جہاں تک شمال مغربی صوبہ سرحد کا تعلق ہے یہ دکھ کی بات ہے کہ رائل کمیشن کے اراکین نے عملاً اس سے انکار کیا ہے کہ اس صوبے کے لوگوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اس صوبے میں بھی اصلاحات ہوں۔ وہ برے کمیٹی کی مطلوبہ اہلیت سے بہت نیچے ہیں اور ان کے لیے جو کونسل کی سفارش کی گئی ہے وہ محض چیف کمشنر کی مطلق العنایت کو چھپانے کے لیے ایک پردہ ہے۔ افغان کے سگریٹ سلگانے کے بنیادی حق کو محدود کر دیا گیا کیوں کہ وہ بارود کے گھر میں مقیم ہے۔ رائل کمیشن

کے اراکین کا مزاحیہ استدلال کافی خوشگوار ہے لیکن وہ قائل نہیں کرتا۔ سیاسی اصلاح روشنی ہوتی ہے آگ نہیں اور روشنی حاصل کرنا ہر انسان کا حق ہے خواہ وہ بارود کے گھر میں رہتا ہو یا کوئلے کی کان میں۔ دلیر، ذی شعور اور اپنی جائز امنگوں کی خاطر مصائب برداشت کرنے کا عزم رکھنے والا افغان یقیناً ہر اس کوشش کی مزاحمت کرے گا جو اسے اپنی پوری ترقی کے امکانات سے محروم کر دے۔ ایسے لوگوں کو مطمئن رکھنا انگلستان اور ہند دونوں کے بہترین مفاد میں ہے۔ اس بدقسمت صوبے میں جو کچھ پچھلے دنوں ہوا وہ نتیجہ ہے۔ سوتیلی ماں کے سے سلوک کا جو لوگوں کے ساتھ اس وقت سے روا رکھا گیا جب باقی ماندہ ہند میں خود مختار حکومت کے اصول کا نفاذ ہوا۔ میں صرف اتنی توقع کرتا ہوں کہ برطانیہ کے مدبرین خود فریبی میں مبتلا ہو کر صورت حال کو دیکھنے سے یہ کہہ کر احتراز نہیں کریں گے کہ صوبے میں موجودہ بے سکونی وبیرونی اسباب کا نتیجہ ہے۔

حکومت ہند نے اپنے مراسلے میں شمال مغربی سرحدی صوبے میں جس قدر اصلاحات کے نفاذ کی سفارش کی ہے وہ بھی غیر اطمینان بخش ہے۔ بلاشبہ مراسلہ سائمن رپورٹ سے ذرا آگے جاتا ہے کہ وہ ایک طرح کی نمائندہ کونسل اور ایک نیم نمائندہ کابینہ کے قیام کی سفارش کرتا ہے لیکن یہ اس اہم مسلم صوبے کو ہند کے دیگر صوبوں کے مساوی سطح پر نہیں رکھتا۔ درحقیقت افغان اپنی جبلت کے اعتبار سے ہند کے اور لوگوں کے مقابلے میں جمہوری اداروں کا زیادہ اہل ہے۔

گول میز کانفرنس

میں سمجھتا ہوں کہ اب مجھے گول میز کانفرنس کے بارے میں چند تاثرات کا اظہار کر دینا چاہیے۔ ذاتی طور سے اس کانفرنس کے نتائج کے بارے میں زیادہ پر امید نہیں۔ یہ توقع کی گئی کہ فرقہ وارانہ کشیدگی سے دور اور ایک بدلے ہوئے ماحول میں بہتر طرح مشورے ہوں گے اور دو بڑے فرقوں کے مابین اختلافات کا ایک حقیقی تصفیہ ہو جانے سے ہند کی آزادی قریب تر آجائے گی لیکن اصلاً وہاں جو واقعات رونما ہوئے وہ ایک دوسری ہی کہانی سناتے ہیں۔ فی الحقیقت لندن میں فرقہ وارانہ مسئلہ پر جو بحث وتمحیص ہوئی اس نے ہند کی دو ثقافتی وحدتوں کے درمیان اختلاف کے پہلوؤں کو پہلے سے کہیں زیادہ اجاگر کر دیا۔ تاہم وزیر اعظم برطانیہ بظاہر یہ سمجھنے سے انکار کرتے ہیں کہ ہند کا مسئلہ قومی نہیں، بین الاقوامی ہے۔ ان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے کہا کہ ان کی حکومت کے لیے پارلیمان کے سامنے یہ تجویز پیش کرنے میں خاصی دشواری پیش آئے گی کہ

جداگانہ طریقہ انتخاب کو برقرار رکھا جائے کیوں کہ مخلوط طریقہ انتخاب برطانوی جمہوری جذبات سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ بدیہی طور سے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ برطانوی طرز کی جمہوریت کا بہت سی اقوام کی سرزمین میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ کہ جداگانہ طریقہ انتخاب کے مسئلے کے ارضی علاقائی حل کا ایک نہایت کمتر درجے کا متبادل ہے نہ ہی اس کا امکان ہے کہ اقلیتی ذیلی کمیٹی ایک تسلّی بخش تصفیہ پر پہنچ سکتی ہے۔ سارے مسئلے کو برطانوی پارلیمان کے سامنے لے جانا ہوگا اور ہم صرف یہ توقع کر سکتے ہیں کہ برطانوی قوم کے زیرک نمائندے ہمارے بہت سے ہندی سیاستدانوں کی طرح نہیں۔ معاملات کی سطح سے ذرا نیچے جھانک کر دیکھیں گے تو واضح طور پر سے انھیں ہند جیسے ملک میں امن و امان کی حقیقی بنیاد نظر آجائے گی۔ ایک دستور کی اساس یک جنسی ہند پر استوار کرنا یا ہند پر ان اصولوں کا اطلاق کرنا جو برطانوی جمہوری احساسات سے متاثر ہیں۔ ایسا ہے جیسے غیر ارادی طور پر ہند کو خانہ جنگی کے لیے تیار کرنا ہے۔ جہاں تک میں دیکھ سکتا ہوں ہند میں اس وقت تک امن و امان قائم نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی مختلف اقوام کو اپنے ماضی سے یکا یک ناطہ توڑے بغیر جدید خطوط پر ترقی کے لیے مواقع مہیا نہ کیے جائیں۔

مجھے مسرت ہے کہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے مسلم مندوبین کو پورے طور سے اس مسئلے کے مناسب حل کی اہمیت کا احساس ہے جسے میں ہندی اور بین الاقوامی مسئلہ کہتا ہوں وہ اس بات پر زور دینے میں بالکل حق بجانب ہے کہ اس سے قبل کہ مرکزی حکومت کی ذمہ داری کا معاملہ حتمی طور سے طے کیا جائے فرقہ وارانہ سوال حل ہونا چاہیے۔ کسی مسلم سیاستدان کو اس طعنے کا زیادہ خیال نہیں کرنا چاہیے۔ جو پروپا گنڈا لفظ فرقہ پرستی میں مضمر ہے۔ یہ خاص طور پر تخلیق کیا گیا تا کہ برطانوی وزیر اعظم کے الفاظ برطانوی جمہوری احساسات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا سکے اور انگلستان کو اس صورت حال کو باور کرنے کی غرض سے گمراہ کیا جا سکے جو حقیقتاً ہند میں موجود نہیں ہے۔ عظیم مفادات داؤ پر لگی ہوئے ہیں۔ ہم ستر ملین نفوس ہیں اور ہند کی کسی اور قوم کی نسبت ہم میں زیادہ یک جنسیت اور ہم آہنگی موجود ہے۔ فی الحقیقت مسلمانان ہند واحد ہندی لوگ ہیں جنھیں بجا طور پر سے لفظ کے جدید معنوں میں ایک قوم کہا جاتا ہے۔ ہندو اگرچہ ہم سے ہر اعتبار سے آگے ہیں مگر وہ ابھی تک وہ ہم آہنگی حاصل نہیں کر سکے۔ جو ایک قوم کے لیے از بس ضروری ہوتی ہے اور جسے آپ کو اسلام نے ایک مفت تحفے کے طور پر عطا کی ہے۔ بے شک وہ ایک قوم بننے کے لیے بے قرار ہیں لیکن

ایک قوم بننا سخت مشکل کام ہے اور خاص طور سے ہندو ہند کے معاملے میں تو اس معاشرتی ڈھانچے کو مکمل طور پر تبدیل کرنا ہوگا۔ نہ ہی مسلم رہنماؤں اور سیاستدانوں کو اس لطیف لیکن گمراہ کن استدلال کے قریب میں آنا چاہیے کہ ترکی اور فارس، (ایران) اور دیگر مسلم ممالک بھی تو اپنے قومی یعنی علاقائی حدود میں رہتے ہوئے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ مسلمانان ہند کی صورتِ حال مختلف ہے۔ بیرون ہند اسلامی ممالک عملاً آبادی کے لحاظ سے سارے کے سارے مسلمان ہیں۔ وہاں اقلیتیں قرانی زبان میں اہل کتاب ہیں۔ مسلمانوں اور اہل کتاب میں کوئی معاشرتی رکاوٹ حائل نہیں۔ ایک یہودی اور ایک عیسائی یا ایک زرتشی کا ہاتھ لگ جانے سے مسلمان کا کھانا پلید نہیں ہوجاتا۔ اسلامی قانون اہل کتاب کے ساتھ شادی بیاہ کی اجازت دیتا ہے دراصل اسلام نے بنی نوع انسان کے اتحاد کے ضمن میں جو پہلا عملی قدم اٹھایا وہ تھا ایک ہی نوع کے اخلاقی ضابطے رکھنے والوں کو اتحاد کی دعوت دینا۔ قرآن کریم نے اعلان کیا کہ اہلِ کتاب آئیں ہم اللہ تعالیٰ کی توحید پر متحد ہوجائیں۔ جو ہم سب کے درمیان مشترک ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے درمیان جنگیں اور بعد ازاں مختلف شکل میں یورپ کی جارحیت نے عالم اسلام میں اس آیتِ کریمہ کے لامحدود معنی کو روبہ عمل نہ آنے دیا۔ آج اسلامی ممالک میں سم قومیت کی شکل میں اسے بتدریج محسوس کیا جارہا ہے۔

اس امر کا اضافہ میرے لیے ضروری نہ ہوگا کہ ہمارے مندوبین کی کامیابی کی واحد آزمائش یہ ہے کہ وہ کس حد تک کانفرنس کے غیر مسلم مندوبین کو ہمارے ان مطالبات کو قبول کر لینے پر رضامند کر سکتے ہیں جو قرارداد دہلی میں مذکور ہیں۔ اگر ان مطالبات سے اتفاق نہیں کیا جاتا تو قوم کے لیے ایک بہت بڑا اور دوررس اہمیت کا سوال کھڑا ہوجائے گا۔ پھر وہ لمحہ آن پہنچے گا جب مسلم ہند کو ایک آزاد اور بھرپور سیاسی کاروائی کرنے کی ضرورت لاحق ہوجائے گی۔ اگر آپ اپنے تصورات اور امنگوں کے بارے میں ذرا بھی سنجیدہ ہیں تو آپ کو اس کاروائی کے بارے میں تیار رہنا چاہیے۔ ہمارے قائدین نے کافی سیاسی سوچ بچار کیا ہے اور ان کی فکر نے یقیناً ہمیں ان قوتوں کے بارے میں حساس بنا دیا ہے جو ہند اور بیرون ہند لوگوں کے مستقبل کی تشکیل میں مصروف ہیں لیکن میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ کیا اس فکر نے ہمیں اس کاروائی کے لیے بھی تیار کیا ہے جو اس صورت حال کا تقاضا ہوگی جو مستقبل قریب میں پیدا ہونے والی ہے۔ اجازت دیجیے کہ میں آپ کو صاف صاف بتادوں کہ فی الوقت مسلم ہندو دوسیات میں گرفتار رہے اول ہے شخصیتوں کا فقدان۔ سر مالکم ہیلی اور

لارڈ اروِن اپنی اس تشخیص میں بالکل درست تھے جب انھوں نے علی گڑھ یونی ورسٹی سے کہا کہ آپ کا فرقہ قائدین پیدا کرنے میں ناکام رہا۔ قائدین سے میری مراد ہے وہ اشخاص جو اللہ کے دین یا تجربے کے باعث اسلام کی روح اور اس کے مستقبل کے بارے میں خاص ادراک رکھتے ہیں اور اتنا ہی تیز ادراک ان کا جدید تاریخ کے رجحان کے بارے میں ہو۔ ایسے لوگ فی الحقیقت لوگوں کے لیے قوت متحرکہ ہوتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوتے ہیں۔ وہ خواہش کے مطابق تیار نہیں کیے جا سکتے۔ دوسری بری بات جس میں مسلم ہند گرفتار ہے وہ ہے کہ قوم نہایت تیزی کے ساتھ اجتماعیت کھو رہی ہے۔ اس سے افراد اور گروہوں کے لیے یہ ممکن ہو رہا ہے کہ وہ عام فکر اور قوم کے سرگرمی میں حصہ لیے بغیر آزاد کیریر اپنالیں۔ آج ہم سیاست کے شعبے میں وہی کچھ کر رہے ہیں جو صدیوں سے مذہب کے دائرے میں کر رہے ہیں لیکن مذہب کے مختلف فرقوں میں شور و شغب ہماری یک جہتی کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ان سے کم سے کم ایک دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ جو ایک قوم کی حیثیت سے ہمارے ڈھانچے کا واحد اصول ہے۔ مزید برآں یہ اصول اتنی ہمہ گیری کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے کہ ایک گروہ کے لیے اس حد تک بغاوت پر اتر آنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے عام دائرے سے کٹ جائے لیکن سیاسی کاروائی کے ضمن میں اختلاف اس وقت جب ہمارے لوگوں کی زندگی کے بہترین مفاد میں بھرپور کاروائی کی ضرورت ہو تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر ہم ان دو خرابیوں کا مداوا کسی طرح ہو سکتے ہیں۔ پہلی خرابی کا مداوا ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ جہاں تک دوسری خرابی کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کا مداوا دریافت کرنا ممکن ہے۔ اس موضوع پر میرے خیالات بڑے واضح اور حتمی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اظہار کو اس وقت تک التوا میں رکھنا مناسب ہے جب کہ وہ صورت حال واقعی طور سے پیدا ہو جس کا خدشہ ہے اس صورت میں یہ کہ یہ پیدا ہو جائے۔ ہر نقطہ نگاہ سے متعلق مسلم قائدین کو اکٹھا ہونا ہوگا۔ قراردادیں منظور کرنے کے لیے نہیں بل کہ مسلم رویے کو قطعی طور پر متعین کرنے اور حصول مقصد کی غرض سے راہ دکھانے کے لیے اس خطبے میں اس متبادل کا ذکر صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ میری خواہش ہے کہ آپ اسے اپنے ذہن میں رکھیں اور اسی اثناء میں پر اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کریں۔

اختتام

حضرات میں نے بات مکمل کر لی ہے۔ اخیر میں یہ بات آپ کے ذہن نشین کرائے بغیر

نہیں رہ سکتا کہ ہند کی تاریخ میں موجودہ بحران اس امر کا متقاضی ہے کہ ایک مکمل تنظیم ہو اور مسلم فرقے میں ارادی اور مقصد کا اتحاد بحیثیت ایک فرقے کے آپ کے مفاد میں بھی ہے اور من حیث المجموع ہند کے مفاد میں بھی۔ ہند کی سیاسی غلامی پورے ایشیاء کے لیے بے حد تکلیف کا باعث ہے۔ اس نے مشرق کی روح کو دبا دیا ہے اور ذاتی اظہار کی مسرت سے کلیتاً محروم کر دیا ہے جس نے اسے کبھی ایک عظیم اور شاندار ثقافت کا تخلیق کار بنا دیا تھا۔ ہم پر ہند کی طرف سے بھی ایک فرض عائد ہوتا ہے۔ جہاں ہمیں جینا اور مرنا ہے اور ہم پر ایشیا کی طرف سے ایک فرض عائد ہوتا ہے۔ بالخصوص مسلم ایشیاء کی طرف سے اور ایک واحد ملک میں ستر ملین ساٹھ کروڑ مسلمانوں کا وجود اسلام کا ایک پیش قیمت سرمایہ ہے بمقابلہ مسلم ایشیاء کے ساری مسلمانوں کو ملا کر ہمیں ہند کے مسئلے کو نہ صرف مسلم نقطہ نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ بل کہ ہند کے مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بھی۔ ایشیا ہند کے لیے ہمارا فرض اس وقت تک پوری وفاداری سے ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک قطعی مقصد کے حصول کے لیے منظم ارادہ معرض وجود میں نہ آ جائے۔ خود آپ کے مفاد میں بحیثیت ایک سیاسی وجود کے جو ہند کے دیگر سیاسی وجودوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس طرح کے ساز و سامان سے لیس ہونا از بس ضروری ہے۔ ہماری غیر منظم حالت نے ان سیاسی مسائل کو الجھا دیا ہے۔ جو فرقے کی زندگی کے لیے اہم ہیں۔ میں مفاہمت سے مایوس نہیں ہوں لیکن میں آپ سے ان احساسات کو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ موجودہ بحران سے نبٹنے کے لیے کہ مستقبل قریب میں ہماری فرقے کو ایک علاحدہ لائحۂ عمل اختیار کرنا پڑے گا اور ایسے بحران میں ایک آزاد سیاسی لائحۂ عمل صرف پرعزم لوگوں کے لیے ممکن ہے جن کے پاس ایک ارادہ ہو جو ایک واحد مقصد کے تابع ہو۔ کیا آپ کے لیے ایک متحد ارادے کی خاطر نامیاتی سالمیت کا حصول ممکن ہے۔ جی ہاں ایسا ہے فرقہ بندی کے مفادات اور نجی اُمنگوں سے بلاتر ہو جائیے۔ اپنے انفرادی اور مجموعی اقدام کی قدر و قیمت کو متعین کرنا سیکھیے خواہ وہ کتنے ہی مادی مقاصد کے لیے ہوں۔ ان مقاصد کی روشنی میں جن کی نمائندگی کے آپ مدعی ہوں مادے سے روح کی جانب چلے جائیے۔ مادہ انتشار ہے اور روح روشنی اور زندگی کا اتحاد ہے۔ میں نے مسلمانوں کی تاریخ سے ایک سبق سیکھا ہے۔ ان کی تاریخ کے نازک لمحوں میں اسلام نے ہی مسلمانوں کو بچایا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کو نہیں اگر آج آپ اپنی نظریں اسلام پر مرکوز کر دیں اور اسی ہمہ وقت حیات بخش تخیل سے کسبِ فیض کریں جو اس میں پوشیدہ ہے تو آپ صرف اپنی منتشر قوتوں کو مجتمع کر رہے ہوں گے۔ اپنی گمشدہ

سالمیت کو دوبارہ حاصل کر رہے ہوں گے اور اس طرح آپ خود کو مکمل تباہی سے بچا رہے ہوں گے۔ قرآن کریم کی ان آیات مقدسہ میں جن کے ہمہ گیر معانی ہیں ایک آیہ کریم ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ پوری بنی نوع انسان کی پیدائش اور دوبارہ پیدائش ایسی ہی ہے جیسے فرد واحد کی پیدائش اور دوبارہ پیدائش ہو۔ آپ کیوں نہیں جو بحیثیت ایک قوم کے بجا طور سے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ آپ نے سب سے پہلے انسانیت کے بارے میں اس اعلیٰ وارفع تصور کا عملی طور سے مظاہرہ کیا اور اسے ترویج دیا۔ زندہ رہیں، چلیں پھریں اور اپنے وجود کو فرد واحد کی طرح سمجھیں۔ میں یہ کہتے ہوئے کسی کو مخمصے میں ڈالنا نہیں چاہتا کہ ہند میں حالات وہ نہیں ہیں جو نظر آتے ہیں تاہم اس کے معنی آپ پر اس وقت ہویدا ہوں گے جب آپ انھیں دیکھنے کے لیے ایک حقیقی اجتماعی خودی حاصل کر لیں گے۔ الفاظ قرآنی کے مطابق خود کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ کوئی شخص جو خود غلطی کا مرتکب ہو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا بشرطیکہ تمہاری اچھی طرح رہنمائی کی جا رہی ہو۔"

اسلام بحیثیت ایک اخلاقی اور سیاسی تصور

(مطبوعہ دی ہندوستان ریویو، الٰہ آباد جولائی 1909ء صفحہ 38۔29 اور اگست 1909ء صفحات 71۔166)

تین زاویہ ہائے نگاہ ہیں جن کی وساطت سے ایک مذہبی نظام تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے ایک نقطہ نگاہ استاد کا ہے، ایک شارح کا اور ایک دقیقہ شناس میں طالب علم کا۔ میں ایک استاد کا روپ دھارنا نہیں چاہتا جس کا فکر و عمل ان تصورات سے ہم آہنگ ہے یا ہونا چاہیے جن پر وہ اپنی نجی زندگی میں عمل پیرا ہونے کی سعی کرتا ہے اور دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے مخاطبین کو ضابطے سے زیادہ عمل کی مثال سے متاثر کرتا ہے۔ نہ ہی میں شارح کے بلند منصب کا دعویدار ہوں۔ جو اپنے کٹھن کام میں لطیف فراست کا جادو جگاتا ہے اور ان اصولوں کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرنے کی سعی بلیغ کرتا ہے جن کا وہ شارح ہے اور کچھ مفروضات کے ساتھ کام کرتا ہے جن کی صداقت پر وہ کبھی حرف گیری نہیں کرتا۔ ذہن کا وہ رویہ جو ایک دقیقہ شناس طالبِ علم کو اس صفت سے متصف کرتا ہے۔ بنیادی طور سے استاد اور شارح سے مختلف ہے۔ وہ اپنے موضوع تحقیق تک رسائی جملہ کے مفروضات سے آزاد ہو کر کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ ایک مذہبی نظام کے عضویاتی ڈھانچے کو سمجھ لے اس طرح سے جیسے ایک ماہر حیاتیات زندگی کا ایک صورت کا مطالعہ کرے گا یا ایک ماہر ارضیات دھات کے ٹکڑے کا۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ سائنسی تحقیق کے طریقوں کا اطلاق مذہب پر

کر دے تا کہ وہ یہ دریافت کر سکے کہ ایک موجودہ ڈھانچے میں مختلف عناصر کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو جاتے ہیں۔ کس طرح ہر جز و انفرادی طور پر کام کرتا ہے اور کس طرح ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کل کی کارکردگی کی قدر کا تعین کرتا ہے۔ وہ موضوع پر تاریخ کے زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالتا ہے اور اس نظام کی اصل اس کی ترقی اور تشکیل کے بارے میں کچھ بنیادی سوالات اٹھاتا ہے۔ اسے وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ وہ کون سی تاریخیں تو تیں تھیں جن کے روبہ عمل آنے کا لازمی نتیجہ ایک مخصوص نظام کے مظہر کے طور پر ظاہر ہوا؟ خاص لوگوں نے ایک خاص مذہبی نظام کیوں پیش کیا؟ جن لوگوں نے یہ مخصوص مذہبی نظام پیش کیا ان کی تاریخ میں اس کی حقیقی اہمیت کیا تھی اور بنی نوع انسان کی تاریخ میں من حیث المجموع کیا ہے؟ کیا کوئی جغرافیائی عوامل ہیں۔ جو مذہب کے آغاز کے لیے علاقے کو متعین کرتے ہیں۔ کس حد تک وہ ایک قوم کی اصل روح، ان کی معاشرتی، اخلاق اور سیاسی امنگوں کا آشکار کرتے ہیں؟ اس نے ان میں کیا تغیر وتبدل پیدا کیا۔ اگر کوئی ہوا انسانی تاریخ میں انسان کے حتمی مقصد کا جو اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے حصول میں اس نے کیا کردار ادا کیا۔ یہ کچھ سوالات ہیں جن کا جواب مذہب کا ایک دقیقہ شناس طالب علم دینے کی کوشش کرتا ہے تا کہ وہ اس کے ڈھانچے کو سمجھ سکے اور تاریخی ارتقا کے عوامل میں ایک تہذیب کا رادارے کی حیثیت سے اس کی حتمی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکے۔

میں اسلام پر دقیقہ شناس طالبِ علم کے زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالنا چاہتا ہوں لیکن میں شروع میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ان اصطلاحات کے استعمال سے احتراز کروں گا جو مقبول الہامی و دینیات میں رائج ہیں کیوں کہ میرا طریقہ لازماً سائنسی ہے اور جو نتیجتاً ان اصطلاحات کے استعمال کو ضروری قرار دیتا ہے جن کی روزمرہ کے انسانی تجربے کی روشنی میں تاویل کی جا سکے۔ مثال کے طور پر جب میں یہ کہتا ہوں کہ ایک قوم کا مذہب اس کے زندگی بھر کے تجربے کا حاصل ہوتا ہے جس کا قطعی اظہار ایک عظیم شخصیت کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ تو میں صرف سائنس کی زبان میں وحی کے واقعہ کا ترجمہ کر رہا ہوتا ہوں۔ بعینہٖ فرد اور کائنات توانائی کے مابین عمل احساس دعا کا ایک اور انداز بیان ہے جسے سائنسی صحت کی خاطر اسی طرح بیان کیا جانا چاہیے یہ اس لیے ہے کہ میں اپنے موضوع تک رسائی کلیتاً انسانی نقطہ نگاہ سے چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ مجھے اس باب میں کوئی شبہ ہے کہ وحی الٰہی ہی تمام مذہب کی اصل اساس ہے کہ میں زیادہ سائنسی مشمولات پر مبنی اصطلاحات کے استعمال کو ترجیح دیتا ہوں۔ مزید برآں عمر کے اعتبار سے اسلام جملہ مذاہب میں سب سے چھوٹا ہے۔ بنی نوع انسان

کی آخری تخلیق۔ اس کا بانی نہایت واضح طور پر ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ صحیح طور سے تاریخ کی ایک عظیم شخصیت ہیں اور خود کو نہایت آزادانہ طور سے بے حد گہری تنقید کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔ تیز وطرار داستانوں نے ان کی شخصیت کے گرد چلمنیں کھڑی نہیں کیں۔ وہ تاریخ کے ایک تابناک دن کی روشنی میں پیدا ہوئے۔ ہم ان کے افعال کے داخلی سوتے کو پورے طور سے سمجھ سکتے ہیں۔ ہم ان کے ذہن کو گہرے نفسیاتی تجزیے کی دھار پر رکھ سکتے ہیں۔ آئیے پھر ہم فی الوقت مافوق الفطرت عنصر کو حذف کرتے ہوئے اسلام کے ڈھانچے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اسے پاتے ہیں۔

میں نے ابھی وہ راہ سمجھائی ہے جس کے ذریعے مذہب کا ایک دقیقہ شناس طالبِ علم اپنے موضوع تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اب یہ میرے لیے ممکن نہیں کہ اس مختصر مدت میں جو مجھے میسر ہے میں اسلام کے متعلق ان تمام سوالات کے جواب دے سکوں جو ایک دقیقہ شناس طالبِ علم کی حیثیت سے مجھے اٹھانے چاہیے اور جواب دینا چاہیے تا کہ اس مذہبی نظام کا حقیقی مطلب ہویدا ہو جائے۔ میں اسلام کی ابتدا اور ترقی کا سوال نہیں اٹھاؤں گا۔ نہ ہی میں ماقبل اسلام عرب معاشرے میں فکر کے مختلف دھاروں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا جو پیغمبرِ اسلام ﷺ کی گفت گو کا حتمی مرکز نگاہ بنے۔ میں اپنی توجہ اسلامی تصور کے اخلاقی اور سیاسی پہلوؤں تک محدود رکھوں گا۔ شروع میں ہی ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر عظیم مذہبی نظام آغاز کار انسان اور کائنات کی نوعیت سے متعلق کچھ مسائل سے کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بدھ مت کی نفسیات دکھ کی وہ بنیادی حقیقت ہے جسے کائنات کی تشکیل میں غالب عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔ بدھ مت کی تعلیم کے مطابق انسان جسے ایک انفرادی وجود تصور کیا گیا ہے دکھ کی قوتوں کے سامنے عاجز ہے۔ انفرادی شعور اور دکھ کے مابین ایک ناقابل تحلیل تعلق ہو جو اس اعتبار سے مسلسل دکھ کے سوا کچھ نہیں۔ دکھ سے آزادی کا مطلب انفرادی وجود سے آزادی ہے۔ دکھ سے آغاز کرتے ہوئے بدھ مت مسلسل انسان کے سامنے ذاتی تباہی کا نصب العین رکھتا ہے۔ اس تعلق میں دو اصطلاحیں دکھ اور شخصیت کا شعور ہیں ایک یعنی دکھ تو حتمی ہے۔ دوسری فریب نظر ہے جس سے نجات حاصل کرنا ممکن ہے وہ یوں کہ ہم ان خطوط پر کام کرنا چھوڑ دیں جن سے شخصیت کے شعور میں اضافہ ہوتا ہے۔ چناں چہ بدھ مت کے مطابق نجات کی خاطر بے عملی، اپنی ذات کو تیاگ دینا اور دنیا کو ترک کر دینا بڑے اوصاف ہیں۔ اسی طرح مسیحیت ایک مذہبی نظام کی حیثیت سے واقعہ گناہ پر مبنی ہے۔ دنیا کو معصیت تصور کیا جاتا ہے اور گناہ کے داغ کو سمجھا جاتا ہے کہ

وہ انسان کو ورثے میں ملتا ہے۔ جو انفرادی وجود کے طور پر ناکافی ہے اور اس امر کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ کوئی مافوق الفطرت شخصیت اس کے اور اس کے خالق کے مابین مداخلت کرے۔ مسیحیت بدھ مت کے برعکس انسانی شخصیت کو حقیقی تصور کرتی ہے لیکن اس باب میں بدھ مت سے اتفاق کرتی ہے کہ گناہ کے مقابلے میں انسان بحیثیت ایک قوت کے ناکافی ہے تاہم اس مشابہت میں ایک لطیف سافرق ہے۔ مسیحیت کے مطابق ہم نجات دھندہ پر بھروسہ کرتے ہوئے گناہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ بدھ مت کے مطابق ہم دکھ سے خود کو آزاد کر سکتے ہیں اس ناکافی قوت کو غائب کر کے یا اسے فطرت کی کائناتی توانائی میں کھو کر دونوں ناکافی ہونے کے واقع پر اتفاق کرتے ہیں اور دونوں اس کے قائل ہیں کہ یہ ناکافی ہونا برائی ہے لیکن ایک اس کمی کو پورا کرنے کے لیے نجات دھندہ کی شخصیت پر بھروسہ کرتا ہے اور دوسرا اس میں بتدریج کمی کرنے کی تجویز کرتا ہے تا آں کہ یہ بالکل فنا ہو جائے۔ پھر زرتشی عقیدہ فطرت کو ایسے منظر سے تعبیر کرتا ہے جس میں شر اور خیر کی قوتیں لامتناہی جنگ میں مصروف ہیں اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ انسان میں یہ طاقت ہے کہ وہ شر اور خیر کوئی راہ اختیار کر سکتا ہے۔ زرتشی عقیدے کے مطابق کائنات جزواً شر ہے اور جزواً خیر۔ انسان بھی نہ تو پوری طرح سے اچھا ہے اور نہ ہی پوری طرح سے خراب بل کہ دو اصولوں کا مرکب ہے۔ روشنی اور تیرگی ایک دوسری کے ساتھ مسلسل نبرد آزما ہیں تاکہ کلی غلبہ حاصل کر سکیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ مت، مسیحیت اور زرتشی نظام میں کائنات اور انسان کی نوعیت کے بارے میں کچھ بنیادی مفروضات ہیں جو علی الترتیب حسب ذیل ہیں:

۱۔ فطرت میں دکھ ہی دکھ ہیں اور انسان جسے ایک فرد تصور کیا جاتا ہے برائی ہے۔ (بدھ مت)

۲۔ فطرت میں گناہ ہے اور داغ گناہ انسان کے لیے مہلک ہے (مسیحیت)

۳۔ فطرت میں کشاکش ہے انسان نبرد آزما قوتوں کا مرکب ہے اور خیر کی قوتوں کی طرفداری کرنے میں آزاد ہے جو آخر کار فتح یاب ہوں گے۔ (زرتشی نظام)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کائنات اور انسان کے بارے میں مسلمانوں کا نقطہ نظر کیا ہے؟ اسلام میں وہ مرکزی خیال کیا ہے جو پورے نظام کے ڈھانچے کا تعین کرتا ہے ہمیں علم ہے کہ گناہ دکھ اور مصیبت کا قرآن کریم میں بار بار ذکر آیا ہے حق بات تو یہ ہے کہ اسلام کائنات کو ایک حقیقت گردانتا ہے اور نتیجتاً اس میں جو کچھ بھی ہے اسے حقیقت تسلیم کرتا ہے۔ گناہ، دکھ اور مصیبت

کشاکش یقینی طور سے حقیقی ہیں لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ شر (برائی) کائنات کا لازمی و لابدی جز نہیں۔ کائنات کی اصلاح کی جاسکتی ہے کہ گناہ اور بدی کے عناصر کو بتدریج ختم کیا جاسکتا۔ کائنات میں جو کچھ ہے وہ خدا کی نعمت ہے اور فطرت کی بظاہر جو تباہ کن قوتیں ہیں وہ حیات بخش قوتیں بن جاتی ہیں بشرطیکہ انسان ان پر مناسب طریقے سے قدرت پالے جسے انھیں سمجھنے اور تسخیر کرنے کی قوت عطا کی گئی ہو۔

یہ اور اسی طرح کے دیگر تعلیمات قرآنی کے ساتھ قرآن کریم کا گناہ اور مصیبت کو تسلیم کرنا شامل کرلیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے نہ کوئی چیز بری ہے نہ بھلی۔ جدید نفس پیمائی نے بدھ مت کے نفسیاتی مضمرات کا حتمی جواب دے دیا ہے۔ دکھ کائنات کی تشکیل کا ایک لازمی جز نہیں ہے اور یاس قنوطیت مخالف معاشرتی ماحول کی پیداوار ہے۔ اسلام عمدہ ہدایت کے تحت کا عمل کے موثر ہونے کا قائل ہے۔ چناں چہ اسلام کے نقطہ نظر کو اصلاحی بیان کیا جانا چاہیے۔ معاشرتی ترقی سائنسی دریافت کے ضمن میں جملہ انسانی مساعی کے تعلق میں مفروضہ اور جواز۔ اگرچہ اسلام فطرت میں دکھ، گناہ اور کشمکش کے واقعہ کو تسلیم کرتا ہے تاہم وہ بڑا سبب جو انسان کی اخلاق ترقی کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ اسلام کے مطابق وہ نہ تو دکھ ہے اور نہ گناہ اور نہ ہی کشمکش۔ یہ ہے خوف جس کا انسان شکار ہے۔ اپنے ماحول کی نوعیت سے عدم واقفیت کی بناپر اور خدا پر مکمل ایمان ہونے کے فقدان پر انسان کی اخلاقی ترقی کی معراج اس وقت ہوتی ہے جب وہ خوف اور رنج سے مکمل طور پر آزاد ہوجاتا ہے۔ تب مرکزی خیال جو اسلامی ڈھانچے کو باقاعدگی بخشتا ہے۔ وہ فطرت میں خوف ہے اور سلام کا مقصد ہے کہ وہ انسان کو خوف سے آزاد کردے۔ کائنات کے بارے میں اس نقطہ نظر سے انسان مابعد الطبیعاتی نوعیت کے تعلق میں اسلامی نقطہ نظر بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔ اگر خوف وہ قوت ہے جسے انسان پر غلبہ حاصل ہے اور جو انسان کی اخلاقی ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہے تو انسان کو قوت کی ایک اکائی سمجھنا چاہیے۔ ایک توانائی ایک قصد لامحدود طاقت کا ایک جرثومہ پھر تو اس کی بتدریج بے نقابی نوع انسانی کی جملہ سرگرمی کا مقصد ہونا چاہیے۔ تب تو انسان کی لازمی سرشت قصد میں ہوگی۔ عقل یا مفاہمت میں نہیں۔

انسان کی اخلاقی نوع کے باب میں بھی اسلامی تعلیمات و دیگر مذہبی نظاموں سے یکسر مختلف ہیں اور جب خدا فرشتوں سے گویا ہوا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں تو انھوں

نے کہا کیا تو اس کی تخلیق کرنا چاہتا ہے جو زمین پر خون بہائے گا اور جو زمین کا امن تہ و بالا کرے گا اور ہم تیری عظمت کے گن اور ہم تیری تعریفوں کے گیت گاتے ہیں۔ خدا نے جواب دیا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ قرآن کریم کی اس آیت کو اگر اس معروف حدیث کی روشنی میں پڑھا جائے کہ ہر بچہ مسلمان پرامن پیدا ہوتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم کے مطابق انسان لازمی طور سے اچھا اور پرامن ہوتا ہے۔ یہ وہ خیال ہے کہ جس کی وضاحت اور مدافعت ہمارے زمانے میں روسو جدید سیاسی فکر کے جدِ امجد نے بھی کی۔ اس کے برعکس نقطہ نظر انسان کے بگاڑ کے نظریئے کا حامل کلیسائے رومہ ہے اور جو ہماری رہنمائی بے حد مضرت رساں مذہبی اور سیاسی عواقب کی جانب کرتا ہے۔ چوں کہ اگر انسان اساسی طور پر بد ہے تو اسے اپنی مرضی چلانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کی پوری زندگی کسی خارجی صاحب اختیار کے بس میں ہونی چاہیے جس کا مطلب ہے مذہب میں پاپائیت اور سیاست میں مطلق العنانیت۔ تاریخ یورپ کے ازمنہ وسطی میں اس رومن عقیدے کو سیاسی اور مذہبی عواقب سے دوچار کیا گیا جس کا نتیجہ ایسے معاشرے کی تشکیل کی صورت میں ظاہر ہوا جسے تباہ کرنے اور جس کے ڈھانچے کے اساسی مفروضات کو تہس نہس کرنے کے لیے مہیب انقلابوں کی ضرورت لاحق ہوئی۔ لوتھر کو جو مذہب میں مطلق العنانیت کا دشمن تھا اور روسو کو جو سیاست میں مطلق العنانیت کا دشمن تھا ہمیشہ یورپ کی نوع انسانی کا پاپائیت کی بھاری بیڑیوں اور مطلق العنانیت سے نجات دھندے تصور کیا جائے گا اور ان کے مذہبی اور سیاسی افکار کو کلیسا کے انسانی پیدائشی گناہ کے عقیدے کی تکذیب تصور کرنا چاہیے۔ ارتقائی عمل میں سے گناہ اور دکھ کے خاتمے کا امکان اور انسان کی قدرتی اچھائی پر تصور اسلام کے اساسی دعاوی ہیں۔ جہاں تک جدید یورپی تہذیب کا تعلق ہے جس نے بالکل غیر شعوری طور سے ان دعاوی کی صداقت کو تسلیم کیا ہے۔ اس امر کے باوصف کہ یہ کس مذہبی نظام سے وابستہ ہے۔ اخلاقی نقطہ نظر سے گفت گو کرتے ہوئے لہٰذا انسان فطرتاً بھلا اور پرامن ہے۔ مابعد الطبیعیاتی نقطہ نگاہ سے بات کرتے ہوئے۔ وہ انسان توانائی کی ایک اکائی ہے جو اپنے خوابیدہ امکانات اس لیے بروئے کار نہیں لاسکتا۔ اس کے اپنے ماحول کی نوعیت کے بارے میں غلط تصورات ہیں۔ اسلام کا اخلاقی تصور انسان کو خوف سے نجات دلاتا ہے اور اس طرح سے اپنی شخصیت کا شعور عطا کرتا ہے اور اسے قوت کے سرچشمے کی حیثیت سے خود اپنے بارے میں احساس دلاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق انسان کی ایک فرد کی حیثیت سے لامتناہی طاقت بنی نوع انسان کی قدر

و قیمت کا تعین بھی کرتی ہے۔ جو چیز انسان میں اس انفرادیت کے شعور میں اضافہ کرتی ہے۔ وہ اچھی ہے اور جو اس میں کمی کرتی ہے وہ بری ہے۔ اچھائی طاقت، قوت اور مضبوطی ہے۔ بدی کمزور ہے انسان کو خود اپنی شخصیت کے احترام کا گہرا شعور دے دیجیے اور اسے اللہ تعالیٰ کی وسیع وعریض زمین پر بے خوفی اور آزادی کے ساتھ گھومنے پھرنے دیجیے۔ تو وہ دوسروں کی شخصیت کا احترام کرے گا اور بہت اچھا بن جائے گا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں اس مقالے میں اس امر کا اظہار کر سکوں کہ تمام بڑی برائیوں کی جڑ خوف ہے۔ البتہ اب ہم اس سبب پر نظر ڈالیں گے کہ انسانی سرگرمی کی بعض صورتیں جیسے نفس کشی، غربت، غلامانہ اطاعت تابعداری جو بعض اوقات عاجزی، غیر دنیاداری وغیرہ کے حسین نام کا لبادہ پہن لیتی ہیں ایسی سرگرمی ہے جو انسانی انفرادیت کو کمزور کرتی ہے۔ یہ بدھ مت اور مسیحیت میں اوصاف تصور کیے جاتے ہیں اور اسلام انھیں کلیتاً نظر انداز کرتا ہے جب کہ ابتدائی عیسائیوں نے غربت اور غیر دنیاداری کی عظمت کے گن گائے اسلام غربت کو ایک عیب سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں اپنے حصے کو فراموش مت کرو اسلام کے نقطہ نظر سے ارفع ترین وصف تقوی ہے جسے قرآن کریم حسب ذیل انداز میں بیان کرتا ہے۔

یہ تقوی نہیں ہے کہ تم نماز کے دوران اپنا چہرہ مشرق کے جانب کرتے ہو یا مغرب کی جانب بل کہ تقوی اس کا ہے جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر روز آخرت اور فرشتوں پر اور الہامی کتابوں پر اور رسولوں پر اور دیتا ہے اپنی دولت اللہ کی راہ میں اپنے قرابت داروں اور یتیموں کو اور حاجت مندوں کو اور اجنبیوں کو اور انھیں جو یہ طلب کرتے ہیں اور اسیروں کی رہائی کے لیے اور ان کا ہے جو نمازوں میں تسلسل رکھتے ہیں اور ان کا ہے جو اپنے قول وقرار کی پابندی کرتے ہیں جب وہ کوئی عہد کر لیں اور عزم واستقلال سے کام لیتے ہیں مصیبت اور تشدد کے دوران۔

لہٰذا یہ واضح ہے کہ اسلام دنیائے قدیم کی اخلاقی اقدار کی قلب ماہیت کرتا ہے اور انسانی شخصیت کے شعور کو محفوظ کرنے اور اس کی شدت میں اضافے کا اعلان کرتا ہے اور اسے جملہ اخلاقی سرگرمی کا میدان قرار دیتا ہے۔ انسان ایک آزاد اور ذمہ دار وجود ہے۔ وہ اپنی تقدیر خود بناتا ہے۔ اس کی نجات اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ خدا اور اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ خدا ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ لہٰذا قرآن جب کہ حضرت یسوع مسیح کو روح خداوندی سمجھتا ہے۔ مسیحی نظریہ نجات کے خلاف پرزور احتجاج کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی معصوم عن الخطا نظر آنے والا سربراہ کلیسا اور ان

تمام نظریوں کے خلاف جواسی مفروضے سے آغاز کرتے ہیں کہ انسانی شخصیت ناکافی ہےاور انسان میں دوسروں پر انحصاری کا احساس پیدا کرتے ہیں جسے اسلام ایسی قوت سے تعبیر کرتا ہے۔ جو انسان کی اخلاقی ترقی میں حائل ہوتی ہیں۔ قانون اسلام ناجائز ولادت بالکل تسلیم نہیں کرتا کیوں کہ ناجائز ولادت کا داغ انسان میں صحت مند آزادی کی ترقی کا ایک زبردست تازیانہ ہے۔ بعینہ انسان کو احساس انفرادیت ذرا جلد عطا کرنے کے لیے اسلامی قانون کہتا ہے۔ کہ ایک بچہ پندرہ سال کی عمر میں ایک آزاد انسان ہو جاتا ہے۔

مسلم اخلاقیات کے اس نقطہ نظر پر ایک اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ جب انسانی انفرادیت کی ترقی کو اسلام اس قدر اہمیت دیتا ہے تو یہ غلامی کے ادارے کو کیوں برداشت کرتا ہے قدیم دنیا کے اقتصادی شعور کے اعتبار سے مفت حصول محنت کا تصور خارج از مبحث تھا۔ ارسطو اسے انسانی معاشرے میں ایک لازمی عنصر قرار دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام قدیم اور جدید دنیا کے درمیان ایک رابطہ ہونے کے ناطے اعلان مساوات کرتے ہیں اور اگرچہ ہر دانشمند مصلح کی طرح سے انھوں نے اپنے گردونواح پر نظر ڈالتے ہوئے غلامی کا نام برقرار رکھنے کی رعایت برتی۔ تاہم انھوں نے نہایت خاموشی سے اس ادارے کی پوری روح سلب کر لی اور یہ کہ غلاموں کو دیگر مسلمانوں کی طرح مساوی مواقع میسر تھے۔ اس کی شہادت اس امر سے دستیاب ہے کہ بعض عظیم ترین جرنیل، بادشاہ، وزرائے اعظم، مفکر اور مصنف غلام گزرے ہیں۔ خلفاء کے ابتدائی دور میں خرید و فروخت کے ذریعہ غلامی معدوم تھی۔ سرکاری محاصل کا ایک حصہ غلاموں کی آزادی پر صرف کرنے کے لیے وقف تھا۔ جنگی قیدیوں کو یا تو ایسے ہی آزاد کر دیا جاتا تھا یا تاوان جنگ کی وصولی کے بعد رہا کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم نے بیت المقدس فتح کے بعد تمام غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ قتل عمد اور غلطی سے جھوٹی قسم کھانے کی صورت میں بھی غلاموں کی رہائی کی شکل میں سزا نافذ کی جاتی تھی۔ خود پیغمبر ﷺ کا غلاموں کے ساتھ رویہ بھی غیر معمولی طور پر فیاضانہ تھا۔ ایک مغرور امیر کبیر عرب کو تو یہ بھی گوارا نہ تھا آزاد ہو جانے کے بعد بھی ایک غلام کا معاشرتی درجہ بلند ہو۔ مکمل مساوات کا جمہوری تصور جس نے پیغمبر ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران ایک واضح اظہار کے طور پر راہ پائی۔ اسے ایک بے حد مغرور دولت مند طبقہ میں کمال احتیاط کے ساتھ ہی نافذ کیا جا سکتا تھا۔ انھوں نے ایک رہائی حاصل کردہ غلام اور ایک آزاد قریش ان کی اپنی قرابت دار کے مابین شادی کا اہتمام کیا۔ یہ شادی اس آزاد عرب خاتون کے متمول افتخار پر ایک زبردست ضرب

تھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہ چل سکیں۔ شادی کا اہتمام کیا۔ شادی ناکام ہوگئی اور طلاق پر منتج ہوئی جس نے انھیں مزید بے چارگی میں مبتلا کر دیا کہ اب ہم کون معزز عرب ایک سابق غلام کی طلاق یافتہ بیوی سے شادی کرے گا۔ ہمہ وقت محتاط اور چوکس رہنے والے پیغمبر ﷺ نے اس واقع کو اپنی معاشرتی اصلاح کی مساعی کے کھاتے میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے خود اس خاتون سے شادی کر لی اور یہ ثابت کر دیا کہ نہ صرف ایک غلام، ایک آزاد خاتون سے شادی کر سکتا ہے بل کہ اس خاتون کی جیسی طلاق دے دی گئی۔ دنیا کی عظیم ترین پیغمبر (ﷺ) سے شادی ہوسکتی ہے۔ عرب کی معاشرتی اصلاح کی تاریخ میں اس شادی کی اہمیت حقیقتاً عظیم ہے۔ یہ اندازہ لگانا دشوار امر ہے کہ اسلام کے یورپی ناقدین کا اس شادی کا حقیقی مطلب نہ سمجھ سکنے کا سبب ان کا تعصب ہے یا جہالت یا ان میں بصیرت کے فقدان نے انھیں اندھا کر دیا ہے۔

جدید دنیا کے مسلمانوں نے غلاموں کے ساتھ جو رویہ اپنایا اس کے اظہار کے لیے میں افغانستان کے فرماں روا مرحوم امیر عبدالرحمان کی خودنوشت سوانح حیات کے انگریزی ترجمے سے ایک حوالہ دوں گا وہ کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر فراحز خان ایک چترالی غلام ہرات میں میرے نہایت بااعتماد سپہ سالار اعظم ہیں۔ نذیر محمد سفر خان ایک اور چترالی غلام میرے دربار کے بے حد اعتماد افسر ہیں۔ میری مہران کی تحویل میں رہتی ہے کہ وہ جس دستاویز پر چاہیں لگا دیں اور میری خوراک اور غذا پر بھی مختصراً یہ کہ انھیں میری زندگی پر پورا اختیار حاصل ہے اور میری سلطنت بھی ان کے ہاتھوں میں ہے۔ پروانہ خان مرحوم نائب سپہ سالار اعظم اور جان محمد خان مرحوم وزیر خزانہ سلطنت کے دو نہایت اعلیٰ عہدہ دار اپنی زندگی کے دوران میرے غلام رہے۔

حق بات یہ ہے کہ اسلام میں غلامی برائے نام ہے اور محمدی قانون اور اخلاق کے سارے نظام میں انفرادیت کا تخیل ایک رہنما اصول کے طور پر جلوہ گر ہے۔ چناں چہ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک مضبوط جسم میں عزمِ مصمم اسلام کا اخلاقی تصور ہے لیکن میں ایک لمحہ کے لیے یہاں رکنا چاہتا ہوں اور یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم ہندی مسلمان اس نصب العین کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں؟ کیا ہندی مسلمان کے مضبوط جسم میں عزم مصمم موجود ہے؟ کیا اس میں زندہ رہنے کا عزم ہے؟ کیا اس میں کردار کی اتنی قوت ہے کہ وہ ان طاقتوں کی مخالفت کر سکے جو اس معاشرتی نظام کو جس سے اس کا تعلق ہے درہم برہم کرنے کا قصد رکھتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے سوالات کا نفی

میں جواب دینے پر مجبور ہوں۔ قاری کے لیے یہ بات نہایت قابل فہم ہوگی کہ زندگی کی اہم جدوجہد میں کسی معاشرتی نظام کے برقرار رہنے کی بڑی وجہ تعداد نہیں ہوتی بل کہ کردار ایک انسان کا حتمی اسلحہ ہوتا ہے۔ اس کی معاندانہ قدرتی ماحول کے خلاف سعی میں ہی نہیں اس مقابلے میں بھی جواب اسے اپنے حریفوں سے کرنا پڑتا ہے اور ایک بھرپور پُرتعیش نازونعم کی زندگی گزارنے کے بعد۔ ہندی مسلمان کی زندگی کی قوت افسوس ناک حد تک کمزور ہو چکی ہے۔ مذہبی جوش و جذبے میں اختلاف نے سیاسی نوعیت کے اسباب سے مل کر جن پر اسے قابو حاصل نہیں تھا۔ اس میں کوتاہ قدری کی خو پیدا کر دی۔ دوسروں پر انحصار اس نے اپنا شعار بنالیا اور مزید برآں یہ تساہل جیسے ضعیف و ناتواں لوگ قناعت کے شاندار نام سے یاد کرتے ہیں تا کہ اپنی کمزوری پر پردہ ڈال سکیں۔ اپنی لاتعلق تجارتی اخلاقیات کی بدولت اس کے تجارتی منصوبے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتے۔ قومی دلچسپی کے صحیح تصور کی عدم موجودگی کی وجہ سے اور اس ملک کی دیگر فرقوں میں اپنی فرقے کی موجودہ صورت کو صحیح طور سے نہ سراہ سکنے کے باعث وہ اپنی نجی اور غیر نجی زندگی میں ایسے خطوط پر کام کر رہا ہے جو مجھے خدشہ ہے کہ اسے تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کریں گے۔ کتنی بار ہم اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کسی مقصد کی حمایت سے پہلوتہی کرتا ہے اور ہر چند کہ اس کی اہمیت قومی ہوتی ہے محض اس لیے کہ اس کے علیحدہ کھڑے ہو جانے سے کوئی بارسوخ ہندو خوش ہو جائے گا اور وہ اپنے لئے اس کے ذریعے سے کوئی ذاتی امتیاز حاصل کرنے کی آس لگاتا ہے۔ میں بلا کسی پس و پیش کے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میرے دل میں اس ان پڑھ دکاندار کا زیادہ احترام ہے۔ جو دیانتداری کے ساتھ اپنی روزی کماتا ہے اور جس کے بازوؤں میں اتنی سکت ہے کہ وہ مصیبت کے وقت اپنی بیوی بچوں کی حفاظت کر سکے۔ اس اعلیٰ تہذیب سے وابستہ ذہین گریجوایٹ کے مقابلے میں جس کی دھیمی اور بودی آواز سے پتہ چلتا ہے کہ گویا اس کے جسم میں روح موجود ہی نہیں۔ وہ اپنے انکسار پر فخر کرتا ہے کم کھاتا ہے اور رات کو بے خوابی کی شکایت کرتا ہے اور اپنے فرقے کے لیے غیر صحت مند بچے پیدا کرتا ہے، اگر کرتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں یہ کہوں کہ میرے دل میں تھوڑا ابلیس کے لیے احترام ہے تو میں قاری کے جذبات مجروح نہیں کروں گا اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جسے وہ دیانتداری سے اپنے سے کہتر سمجھتا تھا۔ اس نے اپنی عزتِ نفس کے ایک اعلیٰ شعور کا اظہار کیا۔ کردار کا ایک وصف جس کے باعث اس کی روحانی بدصورتی کو معاف کر دینا چاہیے تھا میرے خیال میں جس طرح مینڈک کی

خوبصورت آنکھیں اس کی جسمانی بدہیتی کوڈھانپ لیتی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ابلیس کو اس کی سزا نہیں دی گئی کہ اس نے ایک کمزور نوع انسانی کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے انکار کیا بل کہ اس کے اس کی اس نے کائنات کے قادرالمطلق کی مرضی کی مکمل اطاعت سے انکار کیا۔ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان کا نصب العین زیادہ تر ملازمت ہے اور ملازمت بالخصوص ہند جیسے ملک میں دوسروں پر انحصاری کا وہ شعور پیدا کرتا ہے۔ جو انسانی شخصیت کی طاقت کو کمزور کرتا ہے، ہم میں جو غریب غربا ہیں وہ سرمایہ سے عاری ہیں۔ متوسط درجے کے لوگ باہمی بداعتمادی کے باعث مشترکہ نوعیت کا کاروبار نہیں کرتے اور امراء تجارت کو کسرشان تصور کرتے ہیں۔ دوسروں پر اقتصادی انحصاری درحقیقت اُم الخبائث ہے۔ ہندی مسلمان میں موجود برائیوں سے اس میں قوت حیات کی کمزوری کا اظہار کا ہوتا ہے۔ جسمانی طور سے بھی اس میں خوفناک قسم کا اضمحلال آیا ہے۔ اگر کوئی سکولوں اور کالجوں میں مسلمان کے بچوں کے پیلے چہرے دیکھے تو اسے میرے بیان کی صداقت کی تکلیف دہ تصدیق ہو جائے گی۔ طاقت، توانائی ،قوت اور مضبوطی جی ہاں جسمانی مضبوطی زندگی کا قانون ہے۔ ایک مضبوط آدمی دوسروں سے چھین سکتا ہے۔ اگر اس کی جیب خالی ہے لیکن ایک کمزور انسان کو تو دنیا کے پیہم جنگ وجدال کے منظر میں صرف کسم پرسی کی موت سے ہم کنار ہو جانا چاہیے لیکن اس ناپسندیدہ صورتِ حال میں اصلاح کیسے لائی جاسکتی ہے۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ تعلیم مطوبہ تبدیلی لاسکتی ہے لیکن میں یہ بات فوراً کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجھے تعلیم پر اخلاقی تربیت کے ذریعے کے طور سے کچھ زیادہ اعتماد نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ جسے اس ملک میں تعلیم سمجھا جاتا ہے۔ بنی نوع انسان کی اخلاقی تربیت درحقیقت عظیم شخصیتوں کا کام ہے۔ جو انسانی تاریخ میں گاہ بگاہ پیدا ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ معاشرتی ماحول ایسی شخصیتوں کی پیدائش اور ان کی نشوونما کے موافق نہیں جن میں اخلاقی مقناطیسیت ہو۔ ہمارے درمیان شخصیتوں کے بارے میں اس فقدان کی وجہ تلاش کرنے کے لیے ان دیدہ اور نادیدہ قوتوں کا ایک لطیف تجزیہ کرنا ہوگا۔ جو فی الوقت ہمارے معاشرتی ارتقاء کی راہ متعین کر رہی ہیں۔ یہ ایسی تحقیق ہے جو اس مقالے کے دوران نہیں کی جاسکتی لیکن سب غیر متعصب افراد آسانی سے یہ بات تسلیم کرلیں گے کہ ایسی شخصیتیں اب ہمارے درمیان کمیاب ہیں۔ جب یہ صورت حال ہو تو تعلیم واحد سہارا رہ جاتا ہے لیکن کس طرح کی تعلیم ،تعلیم میں کوئی صداقت مطلق نہیں جیسا کہ فلسفہ یا سائنس میں نہیں ہے۔ علم برائے علم احمقوں کا نصب العین ہے۔ کہیں ہم نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو اپنے ذہن

میں روشنی کے تموج میں کھویا ہوا ہو، صرف اس لیے کہ یہ سائنس کی ایک حقیقت ہے۔ دوسری چیزوں کی طرح تعلیم کا تعین بھی طالب علم کی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے۔ تعلیم کی ایک ایسی شکل جس کا براہِ راست تعلق اس خصوصی نوعیت کے کردار سے نہ ہو جس نوع کے کردار کے ارتقا کے آپ خواہش مند ہوں بالکل بے کار ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہند میں موجودہ تعلیمی نظام ہمیں روٹی مکھن فراہم کر دیتا ہے۔ ہم کچھ گریجوایٹ تیار کرتے ہیں اور پھر کچھ خطاب یافتہ لوگوں کو کاسہ گدائی دے کر ان کے لیے حکومت کے پاس نوکریوں کی بھیک مانگنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ پس اگر ہم اعلیٰ ملازمتوں میں چند تقرریاں حاصل کر لیتے ہیں۔ تب کیا؟ یہ عوام ہی ہے جو قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بہتر کھانا، بہتر رہائش اور مناسب طریقے کی تعلیم کا اہتمام ہونا چاہیے۔ زندگی صرف روٹی اور مکھن ہی تو نہیں، یہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے، یہ صحت مند کردار ہے جو قومی نصب العین کا عکاس ہو ہر پہلو سے اور ایک حقیقی قومی کردار کے لیے ایک حقیقی قومی تعلیم ہونی چاہیے۔ کیا آپ کے نوجوان لڑکے میں آزاد مسلم کرار کی توقع کر سکتے ہیں جو ایک امداد یافتہ اسکول میں پروان چڑھا ہو اور جو اپنی معاشرتی اور تاریخی روایات سے یکسر نابلد ہو؟ آپ اسے کراموبل کی تاریخ کی خوراکیں پلاتے ہیں۔ یہ توقع کرنا کہ وہ حقیقی مسلم کردار کا حامل ہوگا عبث ہے کراموبل کی تاریخ سے شناسائی کی وجہ سے کلیسائی رسوم کو ترک کر دینے کے قائل انقلابی کے لیے اس نوجوان میں بہت تعریف و توصیف ہو گی لیکن یہ اس کی روح میں وہ صحت مند افتخار تو پیدا نہیں کر سکتا۔ جو ایک اصلی قومی کردار کے لیے حیات بخش لہو کی حیثیت کا حامل ہوگا۔ ہمارا تعلیم یافتہ نوجوان پر ونگٹن اور گلیسڈ اسٹون والیٹر اور لوتھر کے بارے میں تو سب کچھ جانتا ہوگا۔ وہ آپ کو یہ بتا دے گا کہ لارڈ رابرٹس نے جنوبی افریقہ کی جنگ میں اسی برس کی عمر میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے کام کیا لیکن کتنے لوگ یہ جانتے ہیں کہ محمد دوم نے قسطنطنیہ کو 22 برس کی عمر میں فتح کیا تھا؟ ہم میں کتنے لوگوں کو اس بات کا ذرا سا بھی علم ہے کہ ہماری مسلم تہذیب کا جدید یورپ کی تہذیب کتنا اثر ہے؟ ہم میں کتنے لوگوں کے ابن خلدوں کی تاریخ نویسی کے کارناموں کا علم ہوگا یا الجبریا کے عظیم میر عبدالقادر کے غیر معمولی شریفانہ کردار سے واقفیت ہوگی ایک زندہ قوم اس لیے زندہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مرحومین کو فراموش نہیں کرتی۔ میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اس ملک میں اس وقت موجود تعلیمی نظام ایک قوم کی حیثیت سے ہمارے حسبِ حال نہیں۔ بحیثیت ایک قوم کے یہ ہمارے مزاج کے مطابق نہیں یہ ہماری قومی ضروریات

کے مطابق متعین نہیں کیا گیا۔ یہ ایک غیر مسلم نوع کا کردار پیدا کرتا ہے۔ یہ کلیتاً ہمارے ماضی سے ہمارا تعلق منقطع کرتا ہے اور یہ اس غلط مفروضے پر کام کرتا ہے کہ تعلیم کا تخیل انسانی قصد کی بجائے انسانی عقل کی تربیت کرنا ہوتا ہے۔ نہ ہی یہ سطحی نظام ہندوؤں کے مزاج پر صادق آتا ہے۔ ان میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سیاسی مثالیت پسند تخلیق کر دیئے گئے ہیں جن کے تاریخ کے غلط مطالعے اور اس کی غلط تعبیر نے انھیں سیاسی نظم اور معاشرتی امن کو درہم برہم کرنے کی جانب مائل کر دیا۔ ہم سال بسال اپنے بچوں کی تعلیم پر گرانقدر رقوم صرف کرتے ہیں۔ ملک معظم کا شکر یہ کہ ہند ان معنوں میں ایک آزاد ملک ہے کہ یہاں آزادیٔ فکر موجود ہے جس کا جیسے دل چاہے اپنی رائے قائم کرے۔ میں اسے محض ضیاع تصور کرتا ہوں۔ درست طور سے ہم اپنی شخصیت اختیار کریں تو ہمارے اپنے اسکول، اپنے کالج اور اپنی یونی ورسٹیاں جامعات ہونی چاہیں۔ اپنی معاشرتی اور تاریخی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے ہمیں اچھے اور پرامن شہری بناتے ہوئے اور ہمارے اندر وہ آزاد اور پابند قانون جذبہ پیدا کرتے ہوئے جو خود میں سے شریف ترین سیاسی وصف کی نشوونما کرتا ہے۔ ہماری راہ میں جو دشواریاں حائل ہیں مجھے ان کا پورا شعور ہے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی دشواریوں سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکے۔ تو دنیا ہم سے چھٹکارا پالے گی۔

اس ریویو کے آخری شمارے میں اسلام کے اخلاقی تصورات سے بحث کرنے کے بعد اب میں اسلامی تصور کے سیاسی پہلو پر چند لفظ کہوں گا۔ تاہم اپنے موضوع پر آنے سے پیشتر میں اسلام کے خلاف ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں جو ہمارے یورپی ناقدین اکثر اوقات کرتے رہتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو جنگ کی صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جنگ کی صورت میں ہی پھلتا پھولتا ہے۔ اب اس بات سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ ہی سے ایک قوم کی توانائی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک قوم جو لڑ نہیں سکتی وہ مقابلے کے زور اور شدت میں خود کو برقرار بھی نہیں رکھ سکتی۔ جو انسانی ترقی کی ایک ناگزیر شرط ہے۔ قرآن نے یقینی طور سے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے لیکن کفار کے خلاف اسلام کی کتاب مقدس نے جارحانہ جنگ کلیتاً ممنوع قرار دی ہے۔ یہ ہیں قرآن کریم کے الفاظ۔

دانشمندی اور شفقت کے ساتھ اللہ کی راہ پر آنے کی دعوت دو، ان کے ساتھ نہایت مشفقانہ طریقے سے بحث وتکرار کرو، اہل کتاب اور ناواقفوں سے کہو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ پھر

اگر وہ اسلام قبول لیتے ہیں تو ان کی درست طور پر سے رہنمائی ہو گئی اور اگر وہ روگردانی کرتے ہیں۔ تب تمہارا فرض تو صرف تبلیغ کرنا ہے اور اللہ کی نظریں اپنے خادموں پر لگی ہیں۔ پیغمبر (ﷺ) کی حیاتِ طیبہ کے دوران جتنی جنگیں لڑی گئیں وہ سب کی سب دفاعی تھیں۔ ان کی 628ء میں سلطنت رومہ کے خلاف جنگ حکومت قسطنطنیہ کی جانب سے ایک بین الاقوامی قانون کی مہلک خلاف ورزی کی بنا پر لڑی گئی تھی جس نے ایک معصوم عرب کو ہلاک کر دیا تھا جسے ان کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ دفاعی جنگوں میں بھی وہ (ﷺ) مفتوح پر بے لگام ظلم کو منع فرماتے تھے۔ میں ان کے پُرسوز الفاظ کا حوالہ دیتا ہوں جو انھوں نے اپنے پیروکاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہے جب وہ لڑائی کی غرض سے روانہ ہونے والے تھے۔

''ہم پر جو ضربات لگائی جائیں ان کا بدلہ لینے کے لیے ان بے ضرر لوگوں کو مت ستاؤ جو اپنے گھروں میں خلوت گزیں ہیں جو عورتوں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ شیر خوار بچوں کے سینوں کو زخمی نہ کر دیا ان لوگوں کو جو علیل اور صاحب فراش ہیں۔ مزاحمت نہ کرنے والے لوگوں کے گھروں کو مسمار مت کرو، ان کے ذرائع گزر بسر کو تباہ نہ کرو۔ نہ ہی ان کے پھلوں اور درختوں کو اور نہ کھجور کے درختوں کو ہاتھ لگاؤ۔''

اسلام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بحیثیت مذہب اسلام کے فروغ کا کسی طور سے بھی اس کے پیروکاروں کی سیاسی قوت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اسلام کی عظیم ترین روحانی فتوحات ہماری سیاسی درماندگی کے ایام میں ہوئیں جب منگولیا کے وحشی جنگلیوں نے 1258ء میں بغداد کی تہذیب کو خون میں نہلا دیا۔ جب ہسپانیہ میں مسلم اقتدار کا آفتاب غروب ہوا اور 1236ء میں فرڈی نینڈ کے حامیوں نے مسلمانوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کیا یا انھیں قرطبہ سے نکال دیا اسلام نے ابھی ساٹرا میں قدم ہی رکھا تھا اور ملایا کے مجموع الجزائر میں پرامن تبدیلی مذہب کا کام شروع ہونے والا تھا۔

پروفیسر آرنلڈ کہتے ہیں کہ اپنی سیاسی تذلیل کے لمحوں میں مسلمانوں نے اپنی نہایت شاندار فتوحات حاصل کیں۔ دو عظیم تاریخی موقعوں پر کافر وحشیوں نے پیغمبر (ﷺ) کے پیروکاروں کی گردنوں پر پیر دھرے۔ سلجوق ترکوں نے گیارویں صدی عیسوی اور منگولوں نے تیرھویں صدی میں اور ان دونوں صورتوں میں فاتحین نے مفتوحین کے مذہب کو قبول کر لیا۔ کسی اور جگہ وہی فاضل مفکّر پروفیسر آرنلڈ کہتے ہیں کہ ہم بلاشک وشبہ یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام نے ایک اپنی عظیم ترین اور

بہت دیرپا تبلیغی کامیابیاں اس زمانے میں اوران مقامات پر حاصل کیں جب اور جہاں اس کی سیاسی طاقت کمزورترین تھی جیسے کہ جنوبی ہند اور مشرقی بنگال ہیں۔حق یہ ہے کہ اسلام ناگزیر طور پر ایک امن کا مذہب ہے۔ جملہ سیاسی اور معاشرتی فسادات کی قرآن کریم نے غیر مصالحانہ انداز میں مذمت کی ہے۔میں قرآن کریم کی چند آیات مقدسہ کا تذکرہ کرتا ہوں۔

''خدا نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اس میں سے کھاؤ اور سرکشوں کی طرح اس زمین پر بھاگ دوڑ نہ کرو اور زمین کے امن میں نقص نہ ڈالو۔اس کی اصطلاح ہو جانے کے بعد۔تمھارے لیے اچھا ہے اگر تم مومن ہو اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو جیسی تیرے رب نے تیرے ساتھ کی اور زمین پر نقص امن کی جستجو نہ کرو کیوں کہ خدا امن میں خلل ڈالنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔''

''وہ گھر ہے دوسری دنیا میں جسے ہم بنائیں گے ان کے لیے جنھیں زمین پر بغاوت اور فتنہ و فساد برپا کرنے سے غرض نہیں ہوتی اور یہ خاتمہ ان کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

''جنھوں نے شہروں میں بغاوت کی اور بدامنی بڑھائی۔اللہ ان کی طرف آیا اپنے سزا کے تازیانے کے ساتھ۔''

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس شدت سے قرآن کریم میں سیاسی اور سماجی بدامنی کی جملہ صورتوں کی مذمت کی گئی ہے مگر قرآن کریم محض فساد کی لعنت کی مذمت سے ہی مطمئن نہیں ہو جاتا۔وہ اس برائی کی جڑ تک جاتا ہے ہم جانتے ہیں کہ قدیم اور جدید دونوں ادوار میں خفیہ اجلاس سیاسی اور سماجی بے چینی کا مسلسل ذریعہ رہے ہیں۔قرآن ایسی کانفرنسوں کے بارے میں کیا کہتا ہے کہ اے ایمان والوں اگر تم خفیہ طور سے بات چیت کرتے ہو یعنی خفیہ کانفرنس منعقد کرتے ہیں ہوتو بات چیت مت کرو گناہ اور بغاوت کی غرض سے، اسلام کا مقصود یہ ہے کہ ہر قیمت پر سماجی امن حاصل کیا جائے۔معاشرے میں تبدیلی کے متشددانہ طریقوں کی غیر مبہم زبان میں مذمت کی گئی ہے۔تارتشی اسلامی روح کے عین مطابق گفت گو کرتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ ایک گھنٹہ لاقانونیت سے چالیس سالہ ظلم وتعدی کی حکمرانی بہتر ہے۔بخاری سے منقول ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر خدا (ﷺ) فرماتے ہیں کہ اس لیے اس کی اطاعت کرو اگر ایک حبشی غلام کو ہی تمہارے اوپر حکمران مقرر کر دیا جائے۔مسلم ایک اور اہم حدیث مبارکہ نقل کرتے ہیں کہ جس کے راوی ہیں فجہ کہتے ہیں میں نے اللہ کے

رسول (ﷺ) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب تم نے ایک شخص کی پیروی کرنے پر اتفاق کر لیا پھر اگر ایک اور شخص آگے بڑھتا ہے تمہاری لاٹھی کو توڑنے کے قصد سے تمہاری قوت کے کمزور کرنے کے لیے یا تمہارے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اسے قتل کر دو۔"

ہم میں سے بعض لوگوں نے مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے سیاسی خیالات سے اختلافات سے اختلاف کرنا اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ انھیں اس حدیث مبارکہ کو احتیاط کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اگر ان کے دل میں رسول خدا ﷺ کے قول کا ذرا سا بھی احترام ہے تو یہ ان کا فرض ہے کہ وہ خود کو سیاسی رائے میں اختلاف کمینگی کو ہوا دینے سے باز رکھیں۔ جو شاید ان کے لیے تھوڑی سی ذاتی منفعت کا باعث تو ہو سکتا ہے لیکن فرقے کے مفاد کے لیے بے حد ضرر رساں۔ ان آیات کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کا تذکرہ کرنے سے میرا مقصد سیاسی رائے کو خالصتاً اسلامی خطوط اسلامی خطوط پر تسلیم کرنا ہے۔ اس ملک میں، ہم ایک مسیحی حکومت کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمیں ان اولین مسلمانوں کی مثال ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھنی چاہیے جن پر ان کے اپنے ہم وطنوں سے ستم توڑے اور وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی مسیحی ملکیت میں قیام کرنے کی غرض سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ انھوں نے اس سرزمین پر جو رویہ اختیار کی وہ اس ملک میں رہنما اصول ہونا چاہیے جہاں مغربی خیالات کی یلغار نے لوگوں کو یہ سکھا دیا ہے کہ وہ موجود حکومت پر تنقید کریں تاریخی پس منظر کے خطرناک فقدان کے ساتھ اور عیسائیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کا تعین ہمارے لیے قرآن کریم ہے جو کہتا ہے اور تو دیکھے گا کہ ایمان والے ان لوگوں سے دوستی کے معاملے میں قریب تر ہیں جو خود کو عیسائی کہتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ ان میں فاضل اور گوشہ نشین لوگ ہیں اور وہ کبھی بھی مغرور نہیں ہوتے۔

یہ ثابت کر دینے کے بعد کہ اسلام امن کا مذہب ہے اب میں اسلامی تصور کے خالصتاً سیاسی پہلو سے بحث کروں گا اسلامی تصور جیسا کہ اجتماعی انفرادیت سے سمجھتا ہے ایک معاشرہ ترتیب دے دینے کے بعد اسلام اپنے ماننے والوں سے جو ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا توقع کرتا ہے۔ فرقے کے امور کے انتظام کے ضمن میں انھیں کن اصولوں سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ ان کا مقصود و منتہا کیا ہونا چاہیے اور کس طرح حاصل کیا جانا چاہیے؟ ہم جانتے ہیں کہ اسلام ایک عقیدے سے سوا کچھ ہے۔ یہ ایک فرقہ ایک قوم بھی ہے۔ ایک فرقے کے طور پر اسلام کی رکنیت کا تعین پیدائش، علاقہ یا تبدیلی وطن سے نہیں ہوتا۔ اس کا تعلق عقیدے کے تشخص سے ہندی مسلمان کی

اصطلاح خواہ اس میں کتنی ہی سہولت کیوں نہ ہو تناقص بیان ہے کیوں کہ اسلام اپنی اصل کے اعتبار سے زبان و مکان کی جملہ شرائط سے بالاتر ہے۔ ہمارے حساب سے قومیت محض ایک تخیّل ہے۔ اس کی کوئی جغرافیائی اساس نہیں لیکن جب ایک اوسط درجہ کا آدمی قومیت کے مادی مرکز کا تقاضا کرتا ہے تو ایک مسلمان کی نظریں مکہ مکرمہ پر جا گزیں ہو جاتی ہیں تا کہ مسلم قومیت میں حقیقی تصوراتی اور ٹھوس اور مجرد یک جا ہو جائیں۔ لہٰذا جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے مفاد مسلمان کے مفاد سے بالاتر ہوتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک وحدت کے طور سے ایک فرد کے مفادات ایک فرقے کے مفادات کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ ہے اسلامی اُصول کی ایک خارجی علامت۔ یہ واحد اُصول ہے جو ایک فرد کی آزادی پر تھوڑی سی قدغن لگاتا ہے جو علاوہ ازیں کلیتاً آزاد ہے۔ ایسے فرقے کے لیے بہترین نظامِ حکومت جمہوریت ہوگا جس کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک فرد کو اس قدر زیادہ سے زیادہ آزادی دے دے، جس قدر عملاً ممکن ہے تا کہ وہ اپنی فطرت کے مطابق جملہ امکانات کی نشو و نما کر سکے۔ (ترقی دے سکے) خلیفہ اسلام منزہ عن الخطا وجود نہیں ہے دیگر مسلمانوں کی طرح وہ بھی اسی قانون کے تابع ہے۔ اسے لوگ منتخب کرتے ہیں اور اگر وہ قانون کی خلاف ورزی کرے تو وہ اسے بھی ہٹا سکتے ہیں۔ موجودہ سلطان ترکی کے ایک جدامجد پر ایک معمار نے عام عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور قاضی شہر سے ان پر جرمانہ کرانے میں کامیاب بھی ہو گیا۔ چناں چہ جمہوریت اسلام کا نہایت اہم پہلو ہے جسے اسلامی تصور سمجھا جائے۔ تاہم اس امر کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ مسلمان اپنے انفرادی آزادی کے تصور کے باوصف ایشیا کے سیاسی بہتری کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ ان کی جمہوریت صرف تیس برس برقرار رہی اور ان کی سیاسی توسیع کے ساتھ ہی غائب ہو گئی۔ اگر چہ انتخاب کا اصول ایشیا میں نیا نہیں تھا کیوں کہ قدیم ایشیائی سلطنت بارتھیا کی حکومت کی اساس بھی اسی اصول پر استوار کی گئی تھی تاہم یہ اسلام کا ابتدائی ایام ہیں۔ کسی نہ کسی وجہ سے اقوام ایشیا کے مناسب حال نہ تھی۔ یہ ایک مغربی قوم کا مقدر تھا کہ وہ سیاسی طور سے اقوام ایشیا کو توانائی بخشے۔ جدید دور میں انگلستان نے جمہوریت کو اپنا عظیم مشن بنا لیا اور انگریزی مدبرین نہایت دلیری کے ساتھ اس اصول کو ان ممالک میں لے گئے جو صدیوں سے بے حد ظالمانہ مطلق العنانیت کی چکی میں پس رہے تھے۔ برطانوی سلطنت ایک وسیع و عریض سیاسی نظام ہے جس کی توانائی کا انحصار اس اصول پر تدریجاً عمل پیرا ہونا ہے۔ برطانوی سلطنت کی دائمی نوعیت بھی نوع انسان کے سیاسی ارتقا میں شرافت کے عنصر کی حیثیت سے

ہماری عظیم ترین دلچسپی کا باعث ہے۔ اس وسیع سلطنت کو ہماری پوری اور پوری ہمدردی اور تکریم حاصل ہے کیوں کہ اس میں ہمارے سیاسی تصور کے ایک پہلو کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ درحقیقت انگلستان ہمارے عظیم فرائض میں سے ایک کو سرانجام دے رہا ہے جسے ہم ناموافق حالات کے باعث انجام نہ دے سکے۔ یہ بات نہیں کو وہ کتنے مسلمانوں کو تحفظ دے رہا ہے بل کہ برطانوی سلطنت کا وہ جذبہ ہے جو اسے دنیا میں عظیم ترین مسلم سلطنت بناتی ہے۔

اب مسلم معاشرے کی سیاسی تشکیل کی جانب سے رجوع کرتے ہیں جس طرح سے مسلم اخلاقیات کے دو اساسی مفروضے ہیں اور اسی طرح سے مسلم سیاسی دستور کے دو بنیادی مفروضے ہیں۔

ا۔ اللہ کا قانون کلیتاً بلند و بالا ہے صاحب اختیار کا قانون کی تاویل وتعبیر کے سوا اسلام کے سماجی ڈھانچے میں کوئی اور مقام نہیں۔ ہم اسے انسانی انفرادیت کے اظہار کا دشمن سمجھتے ہیں۔ اس معاملے میں یقیناً شیعہ سنیوں سے اختلاف کرتے ہیں وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ خلیفہ یا امام اللہ کی جانب سے مقرر شدہ ہوتا ہے چناں چہ اس کی قانون کی تعبیر حتمی ہوتی ہے وہ معصوم ہے اور منزہ و عن الخطا لہٰذا اس کا اشتیار مطلقاً بلند تر ہوتا ہے۔ یقیناً اس رائے میں کچھ موجود ہے چوں کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں اختیار مطلق نے کافی مفید طریقے سے کام کیا لیکن یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ یہ تخیل صرف قدیم معاشرے میں کام کر سکتا تھا اور جب اس کا اطلاق تہذیب کے بلند تر مدارج میں کیا جاتا ہے تو یہ اپنی کمزوری ظاہر کر دیتا ہے لوگ جب بڑے ہو کر اس کے حلقے سے باہر نکل جاتے ہیں جیسا کہ حالیہ واقعات نے فارس میں ظاہر کیا۔ جو ایک شیعہ ملک ہے تاہم اصول انتخاب رائج کرنے کی شکل میں اس کی حکومت کے ڈھانچے میں بنیادی تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا۔

۲۔ فرقے کے جملے اراکین کے درمیان مکمل مساوات، اسلام میں امراء کی حکومت کا کوئی تصور نہیں۔ پیغمبر اسلام فرماتے ہیں کہ تم میں شریف ترین وہ ہیں جو اللہ سے بے حد ڈرتے ہیں کوئی مراعات یافتہ طبقہ نہیں ہے کوئی پاپائیت نہیں ہے اور ذات پات کا کوئی نظام نہیں۔ اسلام ایک وحدت ہے جس میں کوئی امتیاز نہیں اور اس وحدت کا حصول انسانوں کو اللہ کی توحید اور پیغمبر کی رسالت کا قائل کرنے کے بعد ممکن ہوا۔ مفروضے جو یقیناً ماورا فطرت نوعیت کے ہیں لیکن جو نوع انسانی کے مذہبی تجربے پر مبنی ہیں اور جو بڑی شدت سے اوسط درجے کی انسانی فطرت پر صادق آتے

ہیں اب جملہ ایمان لانے والوں میں اصول مساوات نے اولین مسلمانوں کو دنیا کی عظیم ترین سیاسی قوت بنادیا تھا۔اسلام نے برابری پیدا کرنے کی قوت کے طور پر کام کیا۔اس نے فرد کو اس کی داخلی قوت کا احساس عطا کیا ہند میں مسلم سیاسی اقتدار بڑا راز قعرِ مذلت میں گرے ہوئے لوگوں کو اوپر اٹھانا تھا۔اس ملک میں برطانوی فرمانروائی کا نتیجہ بھی ٹھیک ٹھیک یہی تھا اور اگر انگلستان اس اصول پر روبہ عمل رہتا ہے۔وہ اس کے لیے طاقت کا سرچشمہ رہے گا جیسا کہ وہ اس کے پیشروؤں کے لیے تھا۔

لیکن کیا ہم ہندی مسلمان اپنی معاشرتی اقتصادیات میں اس اصول پر کار بند ہیں کیا اس سرزمین میں اسلام کا جسدی اتحاد برقرار ہے۔مذہبی قسمت آزما مختلف فرقے اور برادریاں قائم کرتے ہیں۔جو ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں رہتے ہیں اور پھر ہندوؤں کی طرح ذاتیں اور ذیلی ذاتیں ہیں۔یقینی طور سے ہندوؤں کو بھی اس معاملے میں ہم نے مات دے دی ہے۔ہم ذات پات کے دہرے نظام کا شکار ہیں۔مذہبی ذات پات کا نظام،فرقہ واریت اور سماجی ذات پات کا نظام،جو ہم نے ہندوؤں سے سیکھا یا ان سے ورثہ میں پایا۔یہ خاموش طریقوں میں سے ایک ہے جس کے ذریعے مفتوح اقوام اپنے فاتحین سے انتقام لیتی ہے۔میں اس لعنتی مذہبی اور معاشرتی فرقہ واریت کی مذمت کرتا ہوں۔میں اس کی مذمت کرتا ہوں اللہ کے نام پر،انسانیت کے نام پر موسیٰ علیہ السّلام کے نام پر اور عیسیٰ علیہ السّلام کے نام پر اور اس کے نام پر جس پر عالی مرتبت اسم گرامی کا خیال آتے ہی میری روح میں ہیجان برپا ہو جاتا ہے۔جی ہاں اس کے نام پر جو بنی نوع انسان کے لیے آزادی اور مساوات کا پیغام لایا۔اسلام ایک ہے اور ناقابل تقسیم ہے۔یہ اپنے میں کوئی امتیاز برداشت نہیں کرتا۔اسلام میں کوئی وہابی،شیعہ مرزائی یا سنی نہیں ہے۔صداقت کی تاویلوں پر جھگڑا نہ کیجیے۔جب خود صداقت خطرے میں ہو ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلنے کی شکایت حماقت ہے۔جب آپ خود رات کی تاریکی میں چل رہے ہوں۔آئیے ہم سب آگے بڑھیں اور قوم کی ضرورت کے وقت اپنے حصے کا کردار ادا کریں۔آئیے طبقاتی تمیز اور فرقہ ورایت کے بتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاش پاش کر دیں۔اس ملک کے مسلمان ایک بار پھر متحد ہو کر ایک عظیم حیات کل بن جائیں۔ہم کس طرح سے ایک متشددانہ واشلی قضیہ تنازع کی موجودگی میں توقع کر سکتے ہیں کہ دوسروں کو اپنے انداز فکر پر چلانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔انسانیت کو توہمات سے آزاد کرانے کا کام۔ایک فرقے

کی حیثیت سے اسلام کا حتمی تصور جس کی تکمیل کے لیے فرضی داستانوں اور توہمات کے اس عظیم ملک میں ہم نے کس قدر کم کام کیا ہے۔ جو بالکل نا تمام رہ جائے گا۔ اگر نجات دھندہ خود بتدریج انھیں بیڑیوں کے اسیر ہوتے جائیں گے جن سے دوسروں کو آزادی دلانا ان کا مشن تھا۔

حشر اجساد

ایک روز میں ایک کتاب ''نمودِ حیات'' پڑھ رہا تھا جس میں مصنف نے فلسفیانہ تحقیق پر ریاضی کے طریقے کا اطلاق کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے طریقے کی اساس بول کے نظام منطق پر استوار کی جسے اس نے جدید ریاضیاتی تحقیق و تدقیق کی روشنی میں مزید ترقی دی۔ مصنّف نے زمان و مکاں اور زندگی کے بارے میں اپنے خیالات جیسا کہ وہ جدید انسانیت کی روشنی میں نظر آتے ہیں بیان کیے۔ اس نے کتاب کے باب غیر مکانی حقیقت میں حشر اجساد کا تذکرہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ حسب ذیل پیراگراف مسلم ریوائیول کے قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

اس عبارت میں نوٹ کرنے کے لائق جو نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح جدید سائنس اور فلسفے نے زیادہ قطعی ہو جانے کے بعد مذہبی عقائد کو عقلی بنیاد فراہم کرنی شروع کر دی ہے۔ جنھیں 18 ویں اور 19 ویں صدیوں کی سائنس نے لغو اور نا قابل اعتبار کہہ کر مسترد کر دیا تھا۔ مزید برآں مسلم قاری یہ دیکھے گا کہ اس عبارت میں حشر اجساد، مردوں کے جی اٹھنے کے حق میں جو استدلال استعمال کیا گیا ہے۔ وہ عملاً وہی ہے جو قرآن کریم نے 1300 برس پہلے استعمال کیا تھا۔ عبارت حسب ذیل ہے۔

کیا در حقیقت ایک بظاہر عجیب تصور کچھ نہیں تو ایک سائنسی ذہن کے لیے کہ مردہ جسم دوبارہ جی اٹھیں گے ایک نہایت حیرت انگیز امر ہے اور مجھے کہنا چاہیے کہ دینیات کی تعلیم کا کم وبیش ایک نا قابل اعتبار راز ہے۔ مسیحی مذہب کا ایک نہایت نمایاں عقیدہ ہے۔ جس پر سینٹ پال نے پر زور طریقے سے اصرار کیا اور جس پر ہمارے عہد کے بے حد مخلص اور عقیدت مند فضلاء آج بھی ایمان رکھتے ہیں۔ شاید ہی کسی سائنسی توضیح کو قبول کرے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے قطعی طور پر اس درجہ سے خارج نہیں کیا جاتا جو عقلی عقائد کے ذیل میں آتا ہے جو چیز بظاہر لغو نظر آتی ہے اگر ہم انتہائی مثال لے لیں کہ وہ ذات جو ایک شخص کے جسم کو تشکیل دیتے ہیں۔ خندق میں ایک دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں تحلیل ہو گئے، کیا اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ وہ دوبارہ مجتمع ہو جائیں؟ ماسوا اس کے کہ اسے ایک معجزہ ہی کہا جائے گا۔ ان افکار کی روشنی میں ایسی کوئی چیز نہیں جو

ابتدائی جسمیہ (جس سے اجسام بنتے ہیں) کی راہ میں مزاحم ہو سکے۔ اگر وہ صحیح وقت اور صحیح ڈھن اختیار کرنا چاہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ تمام جسمیے مجتمع نہ ہو جائیں۔ جنھوں نے کبھی جسم کے مادی ماحول کو ایک کمرے کا کام دیا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسیحی عقیدے کی بنا پر اس مفروضہ واقعہ پر مبنی ہے۔ یعنی حضرت یسوع مسیح علیہ السلام دوبارہ جی اٹھیں گے یعنی اس کی اساس ایک تاریخی واقعہ پر استوار ہے۔ جس کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ وہ دو ہزار برس قبل مسیح رونما ہوا تھا۔ قرآن کریم میں حشر اجساد کو ساری کائنات کے زندہ وجودوں کی خصوصیت تصور کیا جاتا ہے۔ قرآنی استدلال کو درج ذیل آیاتِ کریمہ میں مختصراً سمو دیا گیا ہے۔

''اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی بن جائیں گے اور ہڈیاں، ہم پھر اٹھائے جائیں گے اور ہمارے آباؤ اجداد بھی کہہ دیجیے وہ جو پہلے جا چکے ہیں اور بعد میں جانے والے ہیں سب کو اکٹھا کیا جائے گا مقررہ وقت پر۔'' (۴۸۔۴۷)

''ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں کہ تمہاری طرح کے اور لوگ تمہاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسے جہاں میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں اور تم نے پہلی پیدائش تو جان ہی لی ہے پھر تم سوچتے کیوں نہیں ہو۔'' (۶۲۔۶۰۔۵۶)

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کسی طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر کس طرح اس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے یہ خدا کے لیے آسان ہے۔ کہہ دو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے پھر خدا ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا۔ بے شک خدا ہر چیز قادر ہے۔'' (۲۰۔۱۹۔۲۹)

''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس پر بکھری ہوئی ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے ضرور کریں گے اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔'' (۴۔۳۔۷۵)

''اور کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر بوسیدہ ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا از سرِ نو پیدا ہو کر اٹھیں گے۔ کہہ دیجیے خواہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور چیز جو تمہارے نزدیک پتھر اور اس سے بھی بڑی (سخت) ہو، جھٹ کہیں گے کہ بھلا ہمیں دوبارہ کون جلائے گا؟ کہہ دیجیے کہ جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا، تعجب سے تمہارآگے سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے

اور ایسا کب ہوگا؟ کہہ دیجیے کہ ایسا جلد ہوگا۔" (۵۱-۴۹-۱۷)

"اور کافر انسان کہتا ہے جب میں مر جاؤں گا تو کیا زندہ کر کے نکالا جاؤں گا کیا (ایسا) انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔"

(۶۷-۶۶-۱۹)

جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم حشر کے ضمن میں اپنے استدلال کی اساس کسی تاریخی واقعہ پر استوار نہیں کرتا بل کہ ہر فرد کے ذاتی تجربے کو بنیاد بناتا ہے۔ ٹھیک یہی دلیل ہے جسے جدید سائنسی اور تحقیق اور جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا نے اختیار کیا۔ یعنی اگر وہی وقت اور دھن ہو جس نے پہلی بار ان جسمیوں کو جمع کر یکجا کر دیا گیا تھا تو بعد از مرگ ایک بار پھر انھیں جسمیوں کو طلب کر کے انسان کی تخلیق ثانی سرانجام دی جا سکتی ہے۔

تاہم یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ موت کے بعد ایک بار پھر زندگی پانا اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ پیدائش اور پیدائش دیگر کا عمل ہے جیسا کہ اسے عام معنی میں سمجھا جاتا ہے قرآن کریم سائنس کے اس نظریے کی حمایت کرتا ہے کہ زندگی آگے کی جانب حرکت کا نام ہے۔ واپس آنے کا کوئی طریقہ نہیں اس پر نکتہ حسب ذیل آیات کریم پیش نظر رکھیے۔

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا پروردگار مجھے پھر دنیا میں بھیج دے تا کہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا اور ان کے پیچھے برزخ ہے جہاں وہ اس دن تک دوبارہ اٹھائیں جائیں گے پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔" (۱۰۱-۹۹-۲۳)

"اور تم کو کیا معلوم کہ علیین کیا چیز ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔" (۲۰-۱۹-۸۴)

"بعینہٖ اسی طرح جیسے قمر مختلف مراحل سے گزرتا ہے ہلال سے ماہِ تاباں تک، انسان بھی زندگی سے کم تر درجے سے اعلیٰ وارفع درجہ تک گزرتا ہے۔"

ایک اور عبارت جس میں مسلم ریوائیول کے مسلمان قارئین کو دلچسپی ہوسکتی ہے وہ جذبہ بحیثیت بنائے تہذیب نامی کتاب میں میری نظر سے گزری۔ اس عبارت میں اتحاد کے اس شعور کا ذکر ہے جسے اسلام کی اجتماعی عبادات اور حج کے اداروں نے جنم دیا۔ حسب ذیل ہے۔

کسی ایسے گروہ میں جو مختلف اقوام پر مشتمل ہو اور جو مختلف روایات اور نظریات کی حامل ہو۔ اتحاد اور یک جہتی کا شعور پیدا کرنا کس قدر دشوار امر ہے یہ ظاہر ہے۔ جملہ مورخین تو یہ کہتے ہیں کہ دنیا بھر پر غلبہ حاصل کرنے میں اسلام کی حیرت انگیز کامیابی کا سبب اس گروہ میں تعجب خیز ربط باہمی یا شعور اتحاد تھا لیکن وہ اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ یہ معجزہ برپا کیسے ہوا۔ اس باب میں شبہہ کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ اس کا موثر ترین ذریعہ نماز تھا۔ روزانہ دن میں پانچ بار جب جملہ مومنین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں وہ جہاں بھی ہوتے ہیں خواہ وہ صحرا کی عظیم و وسیع پہنائیاں ہوں یا پر ہجوم شہروں میں عظیم اجتماعات ایمان والوں کا رخ کعبہ مکہ کی طرف ہوتا اور اسی طرف منہ کر کے رکوع اور سجدے کرتے ہیں اور اس دوران توحید الٰہی عظمت رب اور اس کے رسول محمد ﷺ کے ساتھ اعلانِ وفا کے لیے انھیں لفظوں کا استعمال دیکھنے والوں کو تو حیران و ششدر چھوڑتا ہے لیکن خود عبادت گزاروں کے لیے مشترک الفاظ میں خالقِ کائنات کی عظمت اور اس کے پیامبر سے وفاداری کے اظہار جو نفسیاتی اثر مرتب ہوتا وہ تو یقینی طور سے زبردست ہوتا ہے۔ محمد ﷺ نے سب سے پہلے مختلف تہذیب وثقافت میں اتحاد برپا کرنے کے تعلق میں اجتماعی نماز کی زبردست قوت کو محسوس کیا۔ بلا شبہ اسلام کی قوت اس کے ماننے والوں میں بہت بڑی حد تک نماز پنجگانہ کی تعمیل میں مضمر ہے۔

غرباء میں تقسیم خیرات بھی احساس اخوت میں ترقی کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ اس طرح سے مکہ مکرمہ میں حج بیت اللہ اخیر میں حج نے ثابت کیا کہ ایک مشترک مقصد اور مشترکہ عبادت کی غرض سے مکہ مکرمہ میں مختلف قبائل اور نسلوں سے متعلق افراد کا جمع ہونا باہمی ربط وضبط، میل ملاپ سے ان میں احساس اخوت میں اضافے کا باعث بنا ہوگا۔

مشرق میں خواتین کا مقام

میں چاہتا ہوں کہ مشرق میں ہماری خواتین کا کیا مقام ہے اس بارے میں چند نکات کی وضاحت کر دوں اور یہ کہ ان کا مغرب کی خواتین سے کیسے مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ لندن کی گلیوں میں، میں بہت کچھ دیکھتا ہوں جس کا لندن کے باسی خیال بھی نہیں کرتے۔ وہ ان مناظر سے اس درجہ آشنا ہیں کہ ان کی لطافتوں کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں جاتا لیکن جو لوگ مدت مدیر کے بعد ایک ملک کو دوبارہ دیکھتے ہیں وہ تازہ مناظر دریافت کرتے ہیں۔

جس چیز سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ خواتین سے حسن اخلاق کا مظاہرہ تھا۔ جس

کے لیے ایک زمانے میں یورپ کے باشندے بہت مشہور تھے اب عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ زیرِ زمین چلنے والی ریل گاڑیوں میں مرد اپنی نشستیں خواتین کو پیش نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو شاذ و نادر۔ کار سے اُترتے ہوئے انھیں اس بات کا خیال نہیں آتا کہ وہ پہلے خواتین کو اتر جانے دیں۔ میں ان لوگوں پر الزام دھرنا نہیں چاہتا کہ یہ خود خواتین کا کیا دھرا ہے۔ وہ آزادی کی خواہاں تھیں اور مردوں کے مساوی حقوق کی طلب گار تھیں۔ اب جو تبدیلی آئی ہے وہ ناگزیر ہے۔

شاید مجھے یہاں ان یکسر غلط نظریات کو زائل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے جو یورپ میں مشرق کے بارے میں خصوصاً مسلم خواتین کے بارے میں ہے ان کے ساتھ مردوں کی طرف سے کیسا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ یورپ کی خواتین وقار کے اس چبوترے سے اپنی منشاء سے نیچے اتر آئیں جن پر متمکّن تھیں لیکن مشرقی خاتون بالخصوص مسلم خاتون اسی عزت و تکریم کی حصہ دار ہے جس کی وہ پہلے تھی۔

یورپ میں یہ خیال اب بھی موجود ہے کہ ترک خاتون، ترک زندگی میں ادنیٰ کردار ادا کرتا ہی ہے۔ وہ ہمارے بہت سے رسم و رواج کو غلط سمجھتی ہے۔ بالخصوص حجاب کی نفسیات کو، نقاب کی ابتداء کی وجہ مردوں کی بدگمانی یا رقابت نہیں بل کہ یہ احساس ہے کہ عورت بھی درجہ مقدس ہے کہ اس پر غیر کی نظر بھی نہ پڑنی چاہیے۔ عربی لفظ حرم کے معنی متبرک میدان کے ہیں جس میں کوئی اجنبی داخل نہیں ہو سکتا۔

نقاب کے استعمال کی اور وجوہ بھی ہیں ان کی نوعیت حیاتیاتی قسم کی ہے جن پر یہاں بحث ممکن نہیں ہے۔ میں یہاں صرف اس جانب اشارہ ہی کر سکتا ہوں کہ اس کے پسِ پشت کیا چیز کار فرما ہے۔ عورت کا زیادہ تر زندگی میں تخلیقی کردار ہوتا ہے اور فطرت میں جملہ تخلیقی قوتیں مستور ہوتی ہیں۔ مشرق میں خواتین کی زیادہ عزت کا ذریعہ اور علامت فی الحقیقت اسی نقاب میں پنہاں ہے اس وقار کو کم کرنے کے لیے جس پر وہ صدیوں سے قابض ہیں کچھ بھی تو نہیں ہوا اور انھیں اجنبیوں کی رسائی سے محفوظ رکھنے کا اصول اور ان کی جملہ اہانتوں سے حفاظت علی حالہ برقرار ہے۔ اسلام کی کتاب مقدس قرآن مجید کے مطابق خواتین کی علیحدگی کے متعدد ضابطے ہیں اور حجاب میں ان میں سے محض ایک ہے اور ایک اور ضابطہ یہ ہے کہ جب مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے ملیں تو وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں نہ گاڑیں۔ اگر یہ طریقہ عام ہو جاتا شاید نقاب کا استعمال غیر ضروری ہو جاتا۔

ہند کی بہت سی خواتین دیگر مسلم ممالک کی خواتین نقاب استعمال نہیں کرتی تھیں۔ حجاب تو دراصل ذہن کے ایک خاص رویئے کا نام ہے۔ اسی ذہنی رویئے کو تقویت پہنچانے کے لیے بعض ٹھوس طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان طور طریقوں کا انحصار ہر قوم، عہد اور ملک پر ہوتا ہے۔

حرم کو بھی بدنام کیا گیا اولاً تو یہ بات کہہ دینی چاہیے کہ حرم صرف بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ جب میں خواتین کی بات کرتا ہوں اور عزت و تکریم کی جو ہم ان پر نچھاور کرتے ہیں تو آپ کے ذہن میں کثرت ازدواج کی بات آتی ہوگی۔ جی ہاں کثرت ازدواج کی قانون محمدی ﷺ میں اجازت ہے۔ یہ صرف ایک سماجی برائی یعنی عام بدکاری سے بچنے کا ایک طریقہ ہے۔ یک زوجگی آپ کا آئیڈیل ہے اور ہمارا بھی لیکن اس میں صرف ایک قباحت ہے کہ اس میں فالتو یا زائد خواتین کی نکاسی کا کوئی ذریعہ نہیں۔

یورپ میں ازمنہ وسطیٰ کے دوران زائد خواتین کو کھپانے کے لیے صومعے اور خانقاہیں پیش کی گئیں لیکن آپ یورپ کے اس طریقۂ کار پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ نام نہاد صنعتی انقلاب۔ خواتین کی تحریک کے نام نہاد جدامجد نے مردوں اور عورتوں کو اس کی نوع کی ذہنیت بخش دی ہے۔ جو کثرتِ ازدواج کے تو خلاف ہیں لیکن سماجی برائی اپنی جگہ بہر کیف موجود ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کثرتِ ازدواج ہی واحد مداوا ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ وہ حالات جو ایک عورت کو اپنی روزی کمانے پر مجبور کرتے ہیں خوفناک ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ وہ حالات ایک عورت کو اس کے بہترین اثاثے سے ہی محروم کر دیں یعنی اس کی نسائیت سے۔

تاہم اسلام میں قانون کثرت ازدواج کوئی دائمی ادارہ نہیں۔ قانون اسلام کے مطابق ریاست جملہ اجازتوں کو منسوخ کر سکتی ہے۔ اگر ان کی وجہ سے معاشرتی برائیوں کو راہ ملتی ہو۔ قانون محمدی ﷺ کے مطابق طلاق کے بعد بھی ایک عورت کو اپنے بچوں کو اپنی نگرانی میں رکھنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے نام سے تجارت اور ٹھیکیداری کر سکتی ہے۔ مقدمے میں فریق بن سکتی ہے اور بعض وکلاء کے مطابق خلفیہ اسلام بھی منتخب ہو سکتی ہے۔ وہ مقررہ مہر کے علاوہ اپنے شوہر سے نان نفقہ بھی لے سکتی ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے شوہر کی پوری جائیداد اپنی تحویل میں رکھ سکتی ہے۔

اسلام میں طلاق کے قوانین بھی کافی دلچسپ ہیں۔ ایک مسلمان عورت کو اپنے شوہر کے مساوی طلاق کا حق حاصل ہے۔ قانون محمدی ﷺ میں اس حق کے حصول کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ

شادی کے وقت اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اسے اپنا طلاق دینے کا حق باپ، بھائی یا کسی اجنبی کو عطا یا منتقل کر دے اسے اصطلاحاً تفویض کہا جاتا ہے۔ یعنی حوالے کر دینا کسی کو منتقل کر دینا۔ تحفظ کا یہ بالواسطہ طریقہ کیوں اپنایا گیا یہ گتھی میں یورپ کے قانون دانوں کے سلجھانے کے لیے چھوڑتا ہوں۔

اسلام میں سیاسی فکر

ماقبل اسلام ملک عرب مختلف قبائل میں بٹا ہوا تھا اور جو مستقل ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما رہتے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا، اپنا خدا ہوتا اور اس کا اپنا شاعر ہوتا، جس کی اپنے قبیلے سے وفاداری کا اظہار اس طرح ہوتا کہ وہ اپنے قبیلے کے اوصاف کی عظمت کے گن گاتا۔ اگرچہ ان پرانے معاشرتی گروہوں نے کسی حد تک ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داری کو تسلیم بھی کیا تھا تاہم یہ صرف محمد ﷺ کا تحکم اور اُن ﷺ کی آفاقی نوعیت کی تعلیم تھی۔ جس نے انفرادی قبائل کے آمرانہ نظریات وتصورات کو ریزہ ریزہ کر دیا اور خیمہ نشینوں کو ایک مشترکہ اور روزافزوں قومیت کی لڑی میں پرو دیا۔ تاہم ہمارے مقاصد کے لیے اولاً عرب قبائل میں جانشینی کے نظام کی خصوصیات کو دیکھنا ضروری ہے اور اس طریقۂ کار کو بھی زیرِ بحث لانا ضروری ہے۔ جو قبیلہ کے اراکین سردار کے انتقال پر اختیار جو کرتے تھے۔

جب ایک عرب قبیلے کا سردار یا شیخ مر جاتا تو قبیلے کے بزرگ جمع ہو جاتے ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتے اور جانشینی کے سوال پر گفت گو کرتے۔ قبیلے کا کوئی بھی رکن سردار بن سکتا تھا بشرطیکہ اسے تمام بزرگ اور بڑے خاندانوں کے سربراہ متفقہ طور پر منتخب کر لیتے۔ موروثی بادشاہت کا تخیل جیسا کہ وان کریمر نے کہا ہے کہ عرب ذہن کے لیے بالکل اجنبی تھا اگرچہ بزرگی کا اصول جو احمد اوّل کے زمانے میں تسلیم کیا جا رہا ہے اور جدید ترکی کے دستور کی روسی سینیارٹی کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ یقینی طور پر انتخاب پر اثر انداز ہوتا تھا جب قبیلہ دو مساوی حصوں میں منقسم ہو جاتا تو حریف ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے۔ تاآنکہ ایک رہنما اپنے دعوے سے دستبردار ہو جاتا ورنہ شمشیر پر فیصلہ چھوڑ دیا جاتا۔ جب سردار اس طرح منتخب ہو جاتا تو اسے قبیلہ برطرف بھی کر سکتا تھا اگر اس کا کردار برطرفی کا متقاضی ہو۔ عربوں کی فتوحات میں اضافے اور نتیجتاً ذہنی وسعت پیدا ہو جانے سے یہ پرانا طریقۂ کار ترقی پا کر ایک سیاسی نظریہ میں تبدیل ہو گیا جسے اسلام کے آئینی وکلاء نے سیاسی تجربے کے

انکشاف پر تنقیدی غور و خوص کر کے احتیاط کے ساتھ تشکیل دے دیا۔

یہ درست ہے کہ اس رسم کی مطابقت میں رسول عربیﷺ نے اپنی جانشینی کے معاملہ میں کوئی ہدایات نہیں چھوڑیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ بوڑھا عامر بن طفیل رسول خداﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے دریافت کیا کہ اگر میں اسلام قبول کرلوں تو میرا عہدہ کیا ہوگا۔ کیا آپﷺ اپنے بعد کمان میرے حوالے کردیں گے رسولِ اکرمﷺ نے فرمایا جواب دیا یہ میرا حق نہیں ہے کہ اپنے بعد کمان کا فیصلہ کروں۔ رسولِ اکرمﷺ کے خسر گرامی اور ان کے خاص الخاص صحابی حضرت ابوبکرؓ کو داخلی بدامنی کے خدشے کے پیش نظر قدرے عجلت کے ساتھ کسی ضابطے کی پاسداری کے بغیر منتخب کرلیا گیا۔ پھر وہ کھڑے ہوئے اور عوام سے اس طرح خطاب کیا۔

> ''اے لوگوں میں اب تم پر حکمران ہوں حالاں کہ میں تم سے بہترین نہیں ہوں۔ اگر میں صحیح راہ چلوں تو میری حمایت کرنا اگر میں غلط راستہ پر گامزن ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ حق کا اتباع کرو جس میں وفا شعاری ہے جھوٹ سے پرہیز کرو جس میں بے وفائی ہے۔ آپ لوگوں میں جو کمزور ہے وہ میرے لیے طاقتور ہے تا آنکہ میں اس کے ساتھ کی ہوئی ناانصافی کا ازالہ نہ کردوں اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ میرے لیے کمزور ہے۔ تا آنکہ اگر اللہ کو منظور ہے تو میں اس سے وہ شے واپس لے لوں جو اس نے ہتھیا رکھی ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد ترک نہ کرو۔ جو اس جہاد کو چھوڑتا ہے۔ حقیقتاً اللہ اسے ذلیل کرتا ہے۔ اطاعت کرو میری جیسی کہ میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کی اطاعت کرتا ہوں جب میں نافرمانی کروں تو میری اطاعت مت کرو۔''

تاہم بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ نے یہ رائے قائم کی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عاجلانہ انتخاب اگرچہ نتائج کے اعتبار سے بہت خوشگوار وقت کی ضرورت کے لحاظ سے جائز تھا لیکن اسے اسلام میں نظیر نہ بنایا جائے۔ کیوں کہ جیسا کہ ان سے منسوب کیا جاتا کہ ایسا انتخاب جس میں جزوی طور پر لوگوں کی رائے کا اظہار ہوا ہو خلاف قانون اور کالعدم ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ بات شروع میں ہی متعین ہوگئی کہ سیاسی اقتدار اعلیٰ حقیقتاً لوگوں کے پاس ہے اور یہ کہ رائے دہندگان اپنی آزاد اور متفقہ پسند سے اپنا یہ اختیار کسی خاص شخصیت کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس طرح یہ اجتماعی رائے ایک فرد میں منتقل ہو جاتی ہے لیکن اس ٹھوس اقتدار اعلیٰ کو قانون کی نظر میں کوئی مراعات حاصل نہیں ہوتیں۔

ماسوااس کے کہ اسے انفرادی آراء پر قانونی کنٹرول کا حاصل ہے۔ جن کا وہ نمائندہ ترجمان ہوتا ہے۔ آفاقی مفاہمت دراصل مسلم آئینی نظریہ کا بنیادی اصول ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا جسے اُمت مسلمہ اچھا سمجھتی ہے، اسے اللہ بھی اچھا سمجھتا ہے غالبًالاشعری نے اس حدیث مبارکہ کے بل پر اپنے سیاسی عقیدے کو ترقی دی کہ پوری امت کسی مسئلہ پر غور کرے تو غلطی ناممکن ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رحلت کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو امت نے متفقہ طور پر منتخب کرلیا جو اپنے پیشرو کے خلافت کے دوران قاضی القضاہ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ 644 عیسوی میں انھیں ایک فارسی غلام نے مہلک طور سے زخمی کر دیا۔ اپنے انتقال سے قبل انھوں نے اپنی ذمہ داری سات رائے دھندگان کو سونپ دی جن میں ان کا بیٹا بھی شامل تھا کہ وہ ان کا جانشین نامزد کردیں۔ اس شرط کے ساتھ ان کی پسند متفقہ ہو اور ان میں سے کوئی بھی خلافت کا امیدوار نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کا اپنے فرزند کو خلافت کی امیدواری سے علیحدہ رکھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ موروثی بادشاہت کا تخیل عربوں کے سیاسی شعور سے کتنا بعید ہے۔ متفقہ پسندیدگی کی نظر حضرت عثمان غنیؓ پر ٹھہری جنھیں بعد میں نامزد کردیا گیا اور بعدازاں اُمت نے اس نامزدگی پر مہر ثبت کردی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت درحقیقت تین عظیم دینی سیاسی جماعتوں کا نقطہ آغاز تھا۔ جن کے اپنے اپنے سیاسی نظریے تھے۔ جنھیں ہر جماعت جیسے جیسے وہ عرب سلطنت کے کسی ایک صوبے میں برسراقتدار آتی نافذ کرنے کی کوشش کرتی تاہم اس سے قبل کہ میں ان نظریوں کو بیان کروں آپ کی توجہ حسب ذیل دو نکتوں کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ا) یہ کہ مسلم دولت مشترکہ کی بناپر اس اصول پر استوار ہے کہ قانون کی نظر میں سب مسلمان بلکل برابر ہیں کوئی مراعات یافتہ طبقہ نہیں، کوئی پاپائیت نہیں، کوئی ذات پات کا نظام نہیں اپنے آخری ایام میں ایک روز رسولِ اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''مسلمانوں اگر میں نے تم میں سے کسی ایک کو مارا ہے تو یہ رہی میری کمر، وہ مار لے۔ اگر کسی کے ساتھ مجھ سے زیادتی ہوئی تو وہ ضرب کے بارے ضرب لگا کر بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کا مال ہتھیالیا تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس کے لیے حاضر ہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اس نے تین درہم قرضے کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے لیے دوسری دنیا کے مقابلے اس دنیا میں شرمندہ ہونا گوارا ہے اور اسی وقت تین درہم کی ادائیگی کردی گئی۔''

اسلامی قانون نسل کے بظاہر قدرتی فرق کو تسلیم نہیں کرتا، نہ ہی قومیت کے تاریخی

اختلافات کو۔ اسلام کا سیاسی تصور جملہ نسلوں اور قومیتوں کے آزادنہ امتزاج کی تخلیق پر مشتمل ہے۔ اسلام کے نزدیک قومیت کا ترکیب پانا سیاسی ترقی کی معراج نہیں ہے۔ کیوں کہ اسلام کے قانون کے مطابق عام اصول انسانی فطرت پر مبنی ہوتے ہیں کسی خاص قوم کی خصوصیات پر نہیں۔ ایسی قوم کی داخلی ہم آہنگی نسلی یا جغرافیائی اتحاد پر مشتمل نہیں ہوتی۔ نہ ہی لسانی اتحاد یا معاشرتی روایات پر بل کہ مذہبی اور سیاسی اتحاد میں یا جیسا کہ سینٹ پال کہتے ہیں کہ فکری ہم آہنگی کی نفسیاتی حقیقت میں نتیجتاً اس قوم کی رکنیت کا تعین ولادت، شادی، مستقل سکونت یا قومیت عطا کرنے سے نہیں ہوگا۔ اس کا تعین ہوگا کہ کھلم کھلا فکری ہم آہنگی کے اعلان سے اور جب فرد کی دوسروں کے ساتھ فکری ہم آہنگی ختم ہو جائے گی تو اس کی رکنیت بھی ختم ہو جائے گی۔ ایسی قوم کے لیے مثالی علاقہ سارا کرۂ ارض ہوگا۔ عربوں نے یونانیوں اور رومنوں کی طرح فتح کے ذریعے عالمی ریاست قائم کرنے یا قوم تخلیق کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے تصور کو حقیقت کا جامہ پہنانے میں ناکام ہوگی۔ تاہم اس تصور کا روپ دھارنا ممکن نہیں چوں کہ یہ مثالی قوم جرثومے کی شکل میں تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ جدید سیاسی اقوام کی زندگی کا اظہار ایک بڑی حد تک مشترکہ اداروں، قانون اور حکومت میں ہوتی ہے اور مختلف معاشرتی طبقات گویا مسلسل ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہونے کے لیے وسعت پذیر رہتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ اسے انفرادی ریاستوں کی مطلق العنایت سے بھی کوئی مخاصمت نہیں کیوں کہ اس کے ڈھانچے کا تعین مادی طاقت سے نہیں بل کہ ایک مشترکہ نصب العین کی روحانی طاقت سے ہوتا ہے۔

۲) یہ کہ اسلام کے قانون کے مطابق کلیسا اور ریاست میں کوئی تمیز نہیں ہے ہمارے نزدیک ریاست مذہب اور لادینی اختیارات کا مرکب نہیں ہے بل کہ یہ تو ایک اتحاد ہے جس میں کسی ایسی تمیز کا وجود نہیں ہے خلیفہ لازمی طور پر پاپائے اسلام نہیں ہے۔ وہ دنیا میں اللہ کا نمائندہ ہے جس میں ایسی کسی تمیز کا وجود نہیں ہے۔ خلیفہ لازمی طور پر پاپائے اسلام نہیں ہے۔ وہ دنیا میں اللہ کا نمائندہ نہیں ہے وہ دگر افراد کی طرح خطا کا پتلا ہے اور وہ دیگر مسلمانوں کی طرح قانون کی اندھی لاٹھی کی زد میں ہے۔ بہت سے مسلمان ماہرین دینیات کے نزدیک رسولِ اکرم ﷺ کی بذات خود بالکل منزہ عن الخطا ہیں۔ (مثلاً: ابواسحاق طبری) درحقیقت ذاتی حاکمیت کا خیال روح اسلام کے بالکل متضاد ہے۔ رسولِ عربی ﷺ کو ایک پوری امت کی حمایت حاصل کرنے میں مکمل کامیابی حاصل ہوئی۔ تاہم ان سے زیادہ کسی اور نے اپنے اختیار کو کم نہیں کیا۔ انھوں

نے فرمایا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں اور تمہاری طرح میری بخشش بھی اللہ تعالیٰ کے رحم پر منحصر ہے۔ ایک بار جب وہ روحانیت کے انتہائی عروج پر تھے تو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک صحابیؓ سے فرمایا جاؤ اور لوگوں کو بتا دو کہ جو کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، وہ جنت میں جائے گا اور مسلم عقیدے دوسرے نصف کو کمال احتیاط سے حذف کر دیا کہ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ اس رویہ کی اخلاقی اہمیت عظیم ہے۔ اسلامی اخلاقیات کا پورا نظام انفرادیت کے تخیل پر استوار ہے جو چیز انفرادیت کے صحت مندانہ ترقی کو روکنے کا رجحان رکھتی ہے۔ وہ اسلامی قانون اور اخلاقیات کی روح سے متصادم ہے ایک مسلمان آزاد ہے کہ وہ جو چاہے سو کرے بشرطیکہ اس کے فعل سے قانون کی خلاف ورزی نہ ہو۔ اس قانون کے عام اصولوں کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وحی کئے گئے ہیں۔ تفصیلات دین سے نسبتاً غیر متعلق معاملات میں، پیشہ ور قانون دانوں کی تاویل و تعبیر چھوڑ دی گئیں۔ لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ اسلامی قانون کا پورا تانا بانا جس پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ حقیقتاً قاضی (مصنف) کا تیار کردہ قانون ہے اس طرح وکیل مسلم آئین میں قانون سازی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ تاہم اگر کوئی بالکل ہی نیا مقدمہ کھڑا ہو جاتا ہے جس کا قانون اسلام میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ تو پھر امت مسلم مزید ذریعہ قانون بن جاتی ہے لیکن مجھے اس کا علم نہیں کہ کبھی بھی اس مقصد کے لیے پوری امت مسلمہ نے عام مشورہ کیا ہو۔ اب میں وہ تین عظیم سیاسی نظریئے بیان کروں گا جن کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا تھا۔ پہلے میں سنی نقطہ نظر لوں گا۔

۱۔ انتخابی بادشاہت

(الف) خلیفہ اور اُمت

خلافت کے ابتدائی ایام میں معاملات بے حد سادہ تھے خلفاء معمولی نجی افراد کی طرح تھے بعض اوقات ایک عام سپاہی کی طرح کام کرتے۔ اس قرآنی حکم کی تعمیل میں کہ جملہ امور میں ان سے مشاورت کرو انصاف اور انتظامی معاملات میں رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ بااثر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے لیکن خلیفہ کو انتظامی امور سرانجام دینے میں امداد کے لیے کوئی باقاعدہ وزراء موجود نہیں تھے۔ بنو عباس کے عہد میں ہی خلافت سائنسی بنیادوں پر عمل درآمد کا موضوع بنی۔ سنی نقطہ نظر پیش کرنے کی غرض سے میں زیادہ تر الماوردی کا تتبع کروں گا جو اوّلین مسلمان آئینی قانون دان تھا اور جو

عباسی خلیفہ القادر کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ الماوردی پوری امت کو دو طبقوں میں تقسیم کرتا ہے۔ رائے دہندگان، انتخاب کے لیے امیدوار۔ انتخابی امیدوار کے لیے اہلیت کی از بس ضروری شرائط کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ:

۱۔ بے داغ کردار

۲۔ جسمانی اور ذہنی عارضے سے مبرا ہونا۔ موجودہ سلطان ترکی کے پیش رو کو اسی شرط کے تحت علیحدہ کیا گیا تھا۔

۳۔ ضروری قانون اور دینیات کے علم سے آگاہی تاکہ مختلف مقدمات کا فیصلہ کر سکے۔ نظریاتی اعتبار سے یہ درست ہے عملاً بالخصوص بعد کے عہد میں خلفیہ کے اختیارات کو تقسیم کر دیا گیا۔

۴۔ بصیرت جو ایک فرمانروا کے لیے ضروری ہے۔

۵۔ خاندان قریش سے رشتہ داری جدید سنی قانون دان اس شرط کو ناگزیر تصور نہیں کرتے ہیں اس بنا پر کہ جو رسولِ اکرم ﷺ نے کسی کو ہرگز اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔

۶۔ بالغ عمری (الغزالی) اس شرط کے تحت قاضی القضاۃ نے المعتدر کو منتخب کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

۷۔ مرد ذات ہونا۔ (الیھادی) خوارج اس کے منکر ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ ایک عورت کو خلیفہ کی حیثیت سے منتخب کیا جا سکتا ہے اگر امیدوار ان شرائط پر پورا اترتا ہو تو تمام بااثر خانوادوں کے نمائندے، ماہرین قانون ریاست کے اعلیٰ حکام فوج کے سپہ سالار ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور اسے خلافت کے لیے نامزد کر دیتے ہیں اور مسجد روانہ ہو جاتے ہیں۔ بیعت کے ذریعہ لوگ اس نامزدگی کی توثیق کر دیتے ہیں۔ دور دراز مقامات پر منتخب صدر کے نمائندے ان کی جانب سے بیعت لے سکتے ہیں۔ انتخاب کے معاملے میں دارالخلافہ کے لوگوں کو دوسرے لوگوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں اگرچہ عملاً انھیں اتنی فوقیت تو ضرور حاصل ہو جاتی تھی کہ انھیں خلیفہ کی رحلت کی خبر قدرتی طور پر اور لوگوں کے مقابلے میں پہلے مل جاتی۔ اپنے انتخاب کے بعد خلیفہ عموماً ایک تقریر کرتے ہیں جس میں قانون اسلام کے مطابق حکمرانی کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بیشتر تقریریں محفوظ کر لی جاتی ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ نمائندگی کے اصولوں کی کسی حد تک عملی سیاست میں اجازت ہے تاہم قانون املاک میں عمداً اس کی قطعاً اجازت نہیں۔ مثلاً اگر 'ب' کے بچوں کا کوئی دعویٰ نہیں وہ اپنے مرحوم والد کی نمائندگی نہیں کر سکتے اور نہ اس کی جگہ لے سکتے ہیں۔

ایک قانونی نقطہ نظر سے خلیفہ کو کوئی مراعت یافتہ حیثیت حاصل نہیں۔نظریاتی اعتبار سے وہ امت کے دیگر افراد کی طرح سے ہے۔ایک عام عدالت میں اس کے خلاف براہ راست مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے۔خلیفہ ثانی پر ایک بار یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے مال غنیمت میں سے اوروں کے مقابلے میں زیادہ حصہ لے لیا۔انھیں اسلامی قانون کے مطابق اپنی صفائی میں شہادت پیش کرنا پڑی۔ اپنی عدالتی حیثیت میں ہر مسلمان اس پر تنقید کر سکتا ہے ایک بار ایک بوڑھی عورت نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا کو اس بات پر سخت سرزنش کی کہ انھوں نے ایک قرآنی آیہ کریمہ کی بالکل غلط تعبیر کی۔خلیفہ نے اس کا استدلال سنا اور اس کے نقطہ نظر کے مطابق ہی مقدمہ کا فیصلہ کیا۔

خلیفہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا اشارہ دے سکتا ہے لیکن یہ نامزدگی اس وقت تک خلاف قانون ہے جب تک کہ امت اس کی توثیق نہ کر دے۔بنوامیہ کے چودہ خلفاء میں سے صرف چار اپنے بیٹوں کو اپنا جانشین بنوانے میں کامیاب ہو سکے۔خلیفہ اپنے عرصہ حیات میں اپنے جانشین کے لیے بیعت نہیں لے سکتا۔ابن اثیر ہمیں بتاتے ہیں کہ اموی خلیفہ عبدالمالک نے ایسی کوشش کی تھی لیکن مکہ کے عظیم ماہر قانون ابن مصیب نے خلیفہ کے رویے کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔عباسی خلیفہ ہادی اپنے بیٹے جعفر کو منتخب کرانے میں کامیاب ہو گئے لیکن ان کے انتقال کے بعد اکثریت نے ہارون کے حق میں اعلان کیا۔ایسی صورت میں جب لوگ دوسرے شخص کو خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیں تو سب سے پہلے منتخب خلیفہ کو فوراً ہی اپنی دستبرداری کا اعلان کر دینا چاہیے۔ ورنہ موت اس کا مقدر ہوگی۔

اگر خلیفہ قانون اسلام کے مطابق حکمرانی نہ کرے یا کسی جسمانی یا ذہنی عارضے کا شکار ہو جائے تو خلافت معطل ہو جاتی ہے۔عام طور سے ایک بااثر مسلمان نماز کے بعد مسجد میں کھڑا ہو جاتا ہے اور حاضرین کو خطاب کر کے وہ وجہ بیان کرتا ہے جن کی بنا پر مجوزہ برطرفی عمل میں آنی چاہیے۔وہ اعلان کرتا ہے کہ برطرفی اسلام کے مفاد میں ہوگی اور اپنی انگوٹھی انگلی سے اتار کر پھینکتے ہوئے ان الفاظ پر تقریر ختم کرتا ہے۔میں خلیفہ کو مسترد کرتا ہوں جیسے میں نے یہ انگوٹھی پھینکی ہے۔پھر لوگ اپنی منظوری کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے ہیں اور برطرفی کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ سوال کہ کیا دو سے زیادہ حریف خلفاء بیک وقت رہ سکتے ہیں؟ اس پر مسلم قانون دانوں نے بحث کی ہے کہ ابن جماء کی رائے ہے کہ صرف ایک خلافت ہی ممکن ہے جب کہ ابن خلدون کے

مطابق دو یا اس سے زیادہ خلافتوں میں کوئی قانونی قباحت نہیں بشرطیکہ وہ مختلف ممالک میں ہوں۔ ابنِ خلدون کا خیال یقینی طور سے پرانے عرب تخیل سے متضاد ہے تاہم چوں کہ امت پر غیر شخصی حکمرانی ہوتی ہے یعنی قانون کی حکمرانی مجھے ان کا موقف درست معلوم ہوتا ہے مزید برآں اسلام میں دو حریف خلافتیں بہت عرصے تک قائم رہیں اور اب بھی موجود ہیں۔

جس طرح خلافت کے امیدوار میں کچھ اہلیتیں ہونی چاہیں اسی طرح سے الماوردی کے مطابق رائے دہندگان میں بھی کچھ ہونی چاہیے۔(ا) ایک ایماندار شخص کی حیثیت سے اس کی اچھی شہرت ہونی چاہیے۔(۲) ریاستی امور کے بارے میں ضروری معلومات ہونی چاہیے۔(۳) ضروری بصیرت اور قوت فیصلہ ہونی چاہیے۔ نظریئے کے اعتبار سے تمام مسلمان مرد اور عورتیں رائے دہی کا حق رکھتے ہیں۔ جائیداد کی کوئی شرط نہیں۔ تاہم عملاً خواتین اور غلام یہ حق استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوّلین وکلاء نے عوامی انتخابات کے خطرات کو بھانپ لیا تھا کہ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رائے دہی کا حق صرف پیغمبر کے قبیلے تک محدود رہے۔ آیا خواتین کو علیحدگی میں رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تو نہ تھی کہ انھیں اس حق کے استعمال کے ناقابل بنا دیا جائے جس سے نظریاتی طور پر انھیں محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس بارے میں میں کچھ نہیں کر سکتا۔

رائے دہندہ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ خلیفہ کی برطرفی یا اس کے حکام کی برخواستگی کا مطالبہ کر سکتا تھا اگر وہ یہ ثابت کر سکے کہ ان کا کردار قانون اسلام کے مطابق نہیں ہے۔ وہ اس موضوع پر نماز کے بعد مسجد میں اجتماع سے خطاب کر سکتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مسجد مسلم فورم ہے اور ایک ادارہ جس کا روزانہ نماز کی وجہ سے مسلم فرقوں کی سیاسی زندگی کے ساتھ گہرا ربط قائم ہو جاتا تھا۔ روحانی اور سماجی تقریبات کے علاوہ یہ ادارہ ریاست پر مسلسل تنقید کا ذریعہ بھی تھا۔ تاہم اگر رائے دہندہ مسجد میں اجتماع سے خطاب کا قصد نہیں رکھتا۔ تو وہ کسی بھی ریاستی عامل کے کردار کے بارے میں یا کسی اور امر کے ضمن میں جو قوم کو من حیث المجموع متاثر کرے عدالتی تحقیقات کرا سکتا ہے۔ میں ایک مثال دوں گا جس کے ذریعہ سے اس طریقۂ کار کی وضاحت ہو جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین اور قائدین عوام ذمیوں کی حوصلہ افزائی کے بارے میں اور ہماری طرف سے ان سے اعانت طلب کرنے کے ضمن میں کیا۔ کیا وہ عاملوں کے جن کے ذمہ ملک کا نظم و نسق چلانے اور محاصل کی وصولی کے فرائض سرانجام دینا ہیں۔

منشیوں کا کام کر سکتے ہیں۔ متذکرہ بالا کی ٹھوس ثبوت کے ساتھ وضاحت فرما دیجیے۔ روائتی عقیدے کا بھی دلائل و براہین سمیت ثبوت فراہم کر دیجئے اور اپنا استدلال بھی دیجئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ، آپ کو اس کا اجر عطاء کرے گا۔ ایسی عدالتی تحقیقات کا جواب ریاست کی جانب سے بھی دے دیا جاتا ہے۔ اگر مفتیان شرع ایک دوسرے کے متضاد دیتے ہیں تو اکثریت کا فیصلہ غالب آتا ہے۔ زبردستی کا انتخاب بالکل خلاف قانون ہے۔ ایک مصری مفتی اور شرح ابن جمہ کا خیال ہے کہ سیاسی افرا تفری کے زمانے میں زبردستی کا انتخاب قانون کے مطابق ہے۔ اس موقع پر ستانہ نقطۂ نظر کی قانون اسلام سے تائید نہیں ہوتی۔ اگر چہ بلاشبہ یہ تاریخی واقعات پر مبنی ہے۔ ہسپانیہ کے ایک مفتی تازنشی بھی غالباً اس خیال کا اظہار کرتا ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ چالیس برس کا ظلم وستم ایک گھنٹے کی لاقانونیت سے بہتر ہے۔

آیئے! اب ہم منتخب اور انتخاب کرنے والوں کے درمیان تعلق کی نوعیت پر غور کرتے ہیں۔ الماوردی اس تعلق کو عقد کا نام دیتے ہیں جس کا مطلب ہے ایک دوسرے سے مربوط کرنے والا معاہدہ۔ لہٰذا ریاست ایک معاہداتی تنظیم ہے جس میں حقوق اور فرائض مضمر ہے۔ روسو کی طرح ان سے مراد یہ نہیں کہ معاشرے کی ابتدا ایک معاشرتی معاہدے سے ہوئی۔ ان کا خیال ہے کہ انتخاب دراصل معاہدہ ہے جس کے نتیجے کے طور پر خلفیہ کو فرائض سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ مثلاً مذہب کی وضاحت کرنا، قانون اسلام کو نافذ کرنا۔ قانون اسلام کے مطابق کسٹم اور دیگر محاصل عائد کرنا۔ مناسب طریقے سے سالانہ تنخواہیں ادا کرنا اور ریاست کے خزانے کو ہدایات دینا اگر وہ ان شرائط کو پورا کرتا ہے تو اس کے ضمن میں لوگوں پر دو فرض عائد ہوتے ہیں۔ اس کی اطاعت اور اس کے کام میں اس کی اعانت کرنا۔ اس معاہدے سے قطعہ نظر مفتیان شرع نے ان صورتوں کی نشاندہی کی ہے۔ جن میں خلیفہ کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔

چناں چہ الماوردی کے مطابق ریاست طاقت کے بل پر نہیں بل کہ افراد کی آزادانہ رضا مندی کی بناء پر وجود میں آئی۔ جو قیام اخوت کی غرض سے قانونی مساوات پر مبنی ہے اور اس وجہ سے کہ اخوت کا ہر رکن اپنی انفرادی صلاحیتوں کو شرع اسلام کے تحت روبہ عمل لا سکے۔ اس کے نزدیک حکومت ایک مصنوعی انتظام ہے اور وہ الٰہی اہتمام صرف ان معنی میں ہے کہ قانون اسلام جس کے بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ وہ وحی کیا گیا متقاضی ہے امن اور سلامتی کا۔

ب) وزراء اور دیگر اعمال

خلیفہ اپنے انتخاب کے بعد ریاست کے اہم عمال کی تقرری عمل میں لاتا ہے یا پرانے عمال کو ہی مستقل کر دیتا ہے۔ ریاست کے اہم عمال حسب ذیل ہیں اور قانون ان کے فرائض کی وضاحت کرتا ہے۔

۱) وزیر (وزیر اعظم۔ محدود اختیارات یا لامحدود اختیارات کے ساتھ) وزیر مع لامحدود اختیارات کی وہی اہمیت ہوتی ہیں جو خلیفہ کی ہوتی ہیں ماسوا اس کے الماوردی کے بقول اس کا قبیلہ قریش سے ہونا از بس ضروری نہیں۔ وہ پوری طرح سے تعلیم یافتہ ہو خصوصاً ریاضی، تاریخ اور فن خطابت میں وہ خلیفہ کے جملہ فرائض انجام دے سکتا ہو۔ سوائے اس کے کہ وہ خلیفہ کا جانشین مقرر نہیں کر سکتا۔ وہ خلیفہ کی پہلے سے منظوری حاصل کیے بنا ریاست کے مختلف محکموں کے اعمال مقرر کر سکتا ہے۔ محدود اختیارات والا وزیر ایسا نہیں کر سکتا۔ وزیر مع لامحدود اختیارات کی برطرفی کا مطلب ہے اس کے مقررہ کردہ عمال کی برطرفی لازم نہیں ہوتی۔ لامحدود اختیارات کے ساتھ ایک سے زیادہ وزیروں کا تقرر نہیں ہو سکتا۔ مختلف صوبوں کے گورنر اپنے وزیر خود مقرر کر سکتے ہیں۔ ایک غیر مسلم کو محدود اختیارات کے ساتھ وزیر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ عبیدیہ کے شیعہ خاندان نے ایک یہودی کو محدود اختیارات کے ساتھ وزیر مقرر کیا تھا۔ ایک مصری شاعر نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح سے کیا ہمارے عہد کے یہودی اپنی منزل مراد پر پہنچ گئے۔ سب وقار ان کا اور سب سونا ان کا ہے۔ اے مصر کے لوگو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم سب یہودی ہو جاؤ اور خدا خود یہودی ہو گیا ہے۔

وزیر کے بعد جو سب سے زیادہ اہم افسر ہوتا تھا وہ مختلف صوبوں کے گورنر ہوتے تھے۔ ان کا تقرر خلیفہ کیا کرتا تھا۔ محدود یا لامحدود اختیارات کے ساتھ۔ لامحدود اختیارات کے ساتھ گورنر ملحقہ چھوٹے صوبوں کے نائب گورنر مقرر کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً ہسپانیہ کے گورنر نے سسلی کا نائب گورنر مقرر کیا اور سندھ کا گورنر بصرہ کے گورنر نے مقرر کیا۔ یہ درحقیقت خود مختار نو آبادیات قائم کرنے کی ایک کوشش تھی۔ صوبہ ناظم اعلیٰ دراصل چھوٹے پیمانے پر اپنے صوبے کا خلیفہ ہوتا تھا۔ وہ اپنا وزیر خود مقرر کرتا اور قاضی القضاۃ اور ریاست کے دیگر عمال بھی۔ جہاں صوبائی فوج کا خصوصی سپہ سالار مقرر نہ کیا جاتا وہاں گورنر بلحاظ عہدہ سپہ سالار بھی ہوتا۔ تاہم یہ ایک غلطی تھی کہ گورنر بتدریج طاقتور ہوتے چلے گئے اور بسا اوقات انھوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا لیکن سپہ سالار کی حیثیت

سے گورنر کو، ماسوانہایت خصوصی حالات میں اپنے سپاہیوں کی تنخواہ میں اضافہ کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ ریاست کے ضروری اخراجات وضع کرنے کے بعد تمام رقوم کو مرکزی خزانے میں جمع کرانا اس کا فریضہ تھا۔ اگر صوبائی آمدنی صوبے کے اخراجات سے کم ہوتی تو وہ مرکزی خزانے سے عطیہ کا مطالبہ کرسکتا تھا۔ اگر اس کا تقرر خلیفہ کی طرف سے ہوتا تو خلیفہ کے انتقال پر اس کی برطرفی عمل میں نہ آتی لیکن اگر اس کی تقرری وزیر کی طرف سے ہوتی تو وزیر کی موت پر اس کی بھی برطرفی عمل میں آجاتی بشرطیکہ اسے حال میں ہی مستقل نہ کیا گیا ہو۔

محدود اختیارات کا گورنر خالصتاً انتظامی ناظم اعلیٰ ہوتا ہے۔ عدالتی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ فوجداری امور میں بھی اس کے اختیارات بہت محدود ہوتے ہیں۔ مفتیان شرع ایک تیسری قسم کے گورنر کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی غصب کے ذریعہ سے لیکن غاصب کو بھی بعض شرائط کو پورا کرنا ہوگا۔ اس سے قبل کہ اس کے دعوے کو قانوناً تسلیم کیا جائے۔

۳) سپہ سالار افواج یہاں بھی محدود اور لامحدود اختیارات کی تمیز روا رکھی گئی ہے اور سپہ سالار اس کے ماتحت افسروں اور سپاہیوں کے فرائض کی وضاحت احتیاط کے ساتھ کردی گئی ہے۔

۴) قاضی القضاۃ خلیفہ یا وزیر کوئی بھی قاضی القضاۃ کی تقرری کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مطابق بعض صورتوں میں اور ابن جریر طبری کے نزدیک ایک غیر مسلم کو اپنے ہم مذہبوں کے قانون کا ناظم مقرر کیا جاسکتا ہے۔ قاضی القصاۃ بحیثیت نمائندہ قانون اسلام خلیفہ کو برطرف کرسکتا ہے یعنی وہ خود اپنے خالق کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ اس کی موت کا مطلب ہے اس کے عملے کی برطرفی خلیفہ کی موت کے بعد ان قاضیوں کی برطرفی عمل میں نہیں آتی۔ جنھیں اس نے مقرر کیا ہو۔ عبوری دور میں ایک قاضی کو شہر کے لوگ بھی منتخب کرسکتے ہیں لیکن خلیفہ کی زندگی کے دوران نہیں۔

۵) اپیلوں کی سماعت کی اعلیٰ ترین عدالت کا صدر نظم ونسق کا نگران اس ادارے کا مقصد اپیلوں کی سماعت ریاست کے محکموں کی عام کارکردگی کی نگران تھا۔ عبدالمالک اموی خلیفہ اور اس عدالت کے بانی بذاتِ خود صدارت کے فرائض سرانجام دیتے اگرچہ مشکل مقدمات وہ قاضی ابوادریس کی عدالت میں منتقل کردیا کرتے تھے۔ بعد کے زمانے میں خلیفہ صدر کا تقرر عمل میں لاتا تھا۔ عباسی خلیفہ المقتدر نے اپنی والدہ مرحومہ کو صدر مقرر کردیا تھا۔ جو جمعہ کے روز اپیلوں کی سماعت کرتیں اور اس وقت وہ قاضیوں، پادریوں اور دیگر زعماء کے گھیرے میں ہوتیں۔ ایک اعتبار سے

اس عدالت کا صدر قاضی سے مختلف ہوتا تھا۔ وہ قاضی کی طرح قانون کا پابند نہ ہوتا۔ اس کے فیصلے قدرتی انصاف کے اصولوں پر مبنی ہوتے تھے۔ اس طرح صدر عدالت عالیہ دراصل خلیفہ کے ضمیر کا رکھوالا ہوتا تھا۔ قاضیوں کی ایک کونسل اور مفتیان شرح متین اس کی اعانت کرتے جن کا کام صدر کے فیصلہ صادر کرنے سے قبل مقدمے کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہوتا۔ اس ادارے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ گیارہویں صدی میں سسلی کی فتح کے بعد یہ ان مسلم اداروں میں شامل تھا۔ جنھیں نارمنوں نے برقرار رکھا۔

رشحاتِ اقبالؒ کی اہمیت

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے خطبہ الٰہ آباد کے علاوہ اسلام کے نظریۂ حیات، اسلامی حکومت، تحریکِ پاکستان کا وسطی عروج، ایک کامیاب حکومت کے نمایاں اُصول پر جو روشنی ڈالی ہے۔ اُسے عصرِ حاضر میں قابلِ عمل بنایا جا سکتا ہے۔ اقبالؒ کے نظریات سے اختلاف کرنے والوں کی کمی نہیں ہے لیکن وسعتِ نظری رکھنے والوں کے لیے علامہ اقبالؒ کے پیغامات روشنی کا راستہ ہیں۔ عالمی شہرت یافتہ ماہر اقبالیات، دانش ور اور ماہر تعلیم ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنی کتاب ''اقبال دشمنی اور تصورِ پاکستان'' میں اقبالؒ کے ملّی شعور پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ پاکستان کی تعمیرِ نو کے لیے فلسفۂ اقبال ہماری ہر جگہ رہنمائی کرتا ہے۔ پاکستان میں تبدیلی اور نئے پاکستان کی تشکیل کا خواب شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ٹھنڈے دماغ اور گرم قدموں کی ضرورت ہے۔

نرم دمِ گفت گو ، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو ، پاک دل و پاکباز
ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کارکُشا و کارساز

(بالِ جبریل، کلیات اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 389)

مصورِ پاکستان کا منور پاکستان

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (1938ء۔1877ء) چاند ستاروں، کہکشاؤں اور دور خلائے بساط سے گزرتے ہوئے جہانوں کے متلاشی رہے۔ وسعتِ مطالعہ اور مشاہدات نے اقبال کو نئے علوم اور

تجربوں سے آشنا کیا۔فنی ریاضت نئی آگہی اور فنی بصیرت کے دریچے اقبال پر وا ہوتے رہے۔ مطالعہ قرآن وحدیث نے علامہ اقبال پر کئی سربستہ رموز منعکس کر دیئے۔ اسلامی فکر کی وجہ سے تخلیقی سریت کا عرفان اقبال کی ذات کا پرتو بن گیا۔ اقبال کا مطالعہ کرنے والا اپنے نئے لاتعداد تجربوں اور مربوط فکر سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔

افلاطون ادب، سیاح حدائق بلاغت، حارس عقل وشرع، صورت بدر نیر، گر بار لسان العصر، کشور حکمت، امواج تخیلات، جاں سپار ملت اسلامیہ اور فیز دانش کدہ علامہ اقبال حر کی نظریہ حیات کے پیکر تھے۔ ان کے نزد انسان کسی ایک نقطہ پر مرکوز نہیں رہ سکتا۔ تغیر وتبدیل زندگی کی اسالیب ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 341)

اقبال، حرکت کو برکت کا منبع قرار دیتے تھے۔ اُن کے نزدیک قوم کا حقیقی لیڈر وہ ہے جو بلند سوچ رکھنے والا ہو۔ اُس کی گفت گو عوام الناس کے دلوں کو مسخر کرے۔ سوز و گداز اس کی طبیعت کا خاصا ہو۔ اقبالؒ نے چوں کہ تاریخ اسلام کا عمیق مطالعہ کر رکھا تھا۔ اس لیے وہ مسلمان قائد کو ایک مکمل اور جامع التفات دیکھنے کے متمنی ہیں۔ ایسا مرد مومن جو ذوق اولیت سے مالا مال ہو جس کی نگاہ سے قوم کی تقدیر بدل جائے۔

نظم ''امامت''

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اَسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا سو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:512-511)

اقبال کے نزدیک ثباتِ زندگی صرف ایک خواب ہے۔زندگی صحبت برہم میں الجھی ہوئی ہے۔اقبال نے سفرِ یورپ کے نظریۂ قومیت اور خودی کو یک جا کرلیا۔قومی اتحاد،قومی سلامتی اور قومی وقار کے لیے اقبال نے مسلمانوں کو اپنی عظمت رفتہ سے وابستہ رہنے کا درس دیا۔اقبالؒ ہمیشہ روشن مستقبل کے خواب دیکھتے رہے وہ مسلمانوں کی پسماندگی دور کرنے کے لیے درس انقلاب دیتے رہے۔وہ پکارتے رہے کہ مسلمان کا آنے والا کل آج سے بہتر ہو۔

کریں گے اہلِ نظر یہ تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:392)

اقبال علم و آگہی کے صحرا کو نت نئے اجالوں سے منور کرنے کے خواہاں ہیں۔کوفہ و بغداد اپنے عظیم الشان علمی مراکز کے بعد بھی کہیں زیادہ علم کا حصول ان کا مقصد تھا۔محنت کے بل بوتے پر ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے ہی اقبال کے پسندیدہ جوان ہیں۔

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا!

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا!

(بالِ جبریل،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:317-316)

کلامِ اقبالؒ، فرش سے عرش تک پھیلے ہوئے سناٹوں کو چیر کر قوت یکجا کرتا ہے۔ بیداری و آگہی اقبال کا نصب العین ہے۔ اقبال جھپٹنے پلٹنے کا پیغام دیتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کو کامیابی کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا تخلیقی آہنگ اور کمال فن مسلمان کو بے چین رہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اقبالؒ درحقیقت معمول شکنی پر یقین رکھتے ہیں۔ اقبالؒ کے ہاں ماندگی نصاب زندگی میں محض ایک خواب ہے۔ مسلسل سفر میں رہنے والا ہے راستوں کی کڑی دھوپ اور تھکاوٹ سے گزرتا ہے۔

اقبال نے کامرانی کے لیے ایک خاص پیغام اپنی نظم ''سلطان ٹیپو کی وصیت'' میں دیا ہے۔

تو رہ نوردِ شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول!
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز!
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول!
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں!
محفل گداز! گرمئ محفل نہ کر قبول!
صبحِ ازل یہ مجھ سے کیا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول!
باطل دوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

(ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:535)

☆-☆-☆

نئے پاکستان کے لیے روشن راستے

تبدیلی کیسے آسکتی ہے؟

قیامِ پاکستان کے بعد سے تشکیل وتعمیر پاکستان کے لیے تمام حکمرانوں نے اپنے فطری تاثرات کا اظہار کیا۔ مجموعی طور پر جانے والی ہر حکومت پر تنقید ہمارا وتیرہ بنی اور اقتدار کا قلم سنبھالتے ہی مختلف ترجیحات اور اصطلاحات کے نفاذ کو یقینی بنانے کے دعوے بھی کیے گئے۔ بقول شاعر:

ناخدا کشتیٔ ملت کا بنایا جس کو
اُس نے طوفاں کی حقیقت کو چھپایا ہم سے

پاکستان کو کم عمری میں بہت سے ارضی وسماوی حادثات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ تمام حکومتوں کی مشترکہ روش اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے مصلحت کوشی رہی۔ غریب غریب تر اور امیر دولت کے بل بوتے پر حکمرانی کے نشے میں گم ہوتے چلے گئے۔ حکومتیں گرانے اور حریفوں کو زیر کرنے کا کھیل کھیلا گیا۔ جنرل ایوب خان، جنرل یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف نے فوجی طاقت سے ابتلا میں گھرے عوام کو نوید کامرانی تو ضرور دی لیکن عوام شہری تک اُن کی رسائی بھی نہ ہوسکی۔ عوامی نمائندگان (وڈیروں) کو ساتھ ساتھ رکھنے کی وجہ سے پاکستان اندرونی طور پر مسائل میں گھرا رہا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے نہ صرف فرمودات کو فراموش کیا گیا بل کہ محسنینِ پاکستان، بانیانِ پاکستان اور مشاہیرِ اسلام کو نصاب اور معاشرتی تقاریب سے فراموش کرنے کا عمل بھی شروع ہوا۔ اقبالؒ نے کہا ہے کہ

سُونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ، اک نیا شِوالا اس دیس میں بنا دیں

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 558)

فطرت افراد کی غلطیاں تو معاف کر دیتی ہے لیکن قومی غلطیوں سے درگزر نہیں کرتی۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف!

(ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،548)

ہم اجتماعی قومی غلطیوں کے مرتکب ٹھہرے۔ہم تا حال ایک قوم نہ بن سکے۔قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا نصف احسان ہم نے 16 دسمبر 1971ء بروز جمعرات اُتار دیا جب پاکستان دولخت ہو گیا۔مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے پاکستان کے دائیں بازو سے خون رسنے لگا۔بقیہ پاکستان میں بھی مختلف قومیتوں کو نعرے بلند ہونے لگے۔صوبائی تعصب نے سر اُٹھایا،لسانی جھگڑے جنم لینے لگے۔ایک قومیت اور ایک پرچم تلے جمع ہونے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔قائد اعظم محمد علی جناحؒ جب 11 ستمبر 1948ء کو انتقال کر گئے تو اُنھیں گورنر جنرل ہاؤس تک پہنچانے والی ایمبولینس وقت پر نہ پہنچی اور جب زیارت میں جناح ہاؤس کو آگ لگائی گئی تو فائر بریگیڈ نہ پہنچا۔ہم نے مجموعی طور پر احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا۔اللہ کریم کی عطا کردہ تمام نعمتوں کا اظہارِ تشکّر کرنے کے بجائے ''جس کی لاٹھی،اُس کی بھینس'' کے مصداق طاقت ور چھا گئے۔متوسط اور غریب طبقہ غربت کی چکی میں پسنے لگا۔پاکستانیوں میں صلاحیتوں کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن منزل کا تعین نہ ہونے کی وجہ سے پاکستانی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ نہ کر سکے۔

پاکستان تحریکِ انصاف کے چیئرمین عمران خان نیازی اور پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین طاہر القادری (پیدائش 19 فروری 1951ء) نے 2013ء میں ہونے والی الیکشن دھاندلی اور حکومت کی دیگر پالیسیوں کے خلاف اسلام آباد میں دھرنا دیا۔14 /اگست 2014ء سے شروع ہونے والا یہ دھرنا طویل ہوتا چلا گیا۔حتیٰ کہ عیدِ قربان 2014ء بھی دھرنے میں منائی گئی۔قبلہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری نے دھرنا ختم کر کے واپسی کا سفر اختیار کیا جب کہ عمران خان محاذ پر ڈٹے رہے۔''تبدیلی آرہی ہے''نیا پاکستان بننے کو ہے''تبدیلی آگئی ہے''۔پاکستان کو نئے سانچے میں ڈھالنے کے اعلانات اس دھرنے کے اہم نعرے سماعتوں تک پہنچتے رہے۔

عمران خان نیازی کے وعدۂ فردا میں قوم اپنے خواب تلاش کرنے لگی۔یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے چنگل میں گھرے ہوئے ہیں اگر ایک دودھ فروش پانی ملاوٹ کرتا ہے تو

اُسے جعلی دوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ادویات بیچنے والا پھل فروش کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ڈاکوؤں کے حصار سے نجات پانے والا پولیس نا کے پر دھرلیا جاتا ہے۔طالبِ علموں کودرست انداز سے تعلیم نہ دینے والا بجلی، گیس، ٹیلی فون اور ایسے بلوں کی درستی کے لیے سرگرداں رہتا ہے۔المختصر ہم اپنے فرائض کی غفلت کی وجہ سے ایک دوسرے کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔چند سال پہلے نئے پاکستان اور تبدیلی آ رہی ہے کے فلک شگاف نعرے موسیقی کی تانوں پر ہماری سماعتوں تک ٹکرانے لگے۔عمران خان نیازی ایک سج دھج کے ساتھ منصۂ شہود پر آئے۔اس کے ساتھ ہی کچھ اطراف سے ایک نعرۂ مستانہ بھی بلند ہوا کہ عمران خان کے ''خلائی مخلوق'' کا تعاون بھی شامل ہے۔راقم الحروف چوں کہ سادہ طبیعت کا حامل ہے اس لیے سیاست کی پیچیدگیاں سمجھنے سے قاصر ہے۔عمران خان نے بیداری کا پیغام نہ صرف پاکستان میں عالمی سطح پر بلند کیا۔

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 461)

عمران احمد خان نیازی 5/اکتوبر 1952ء کو سرگودھا ڈویژن کے اہم ضلع میانوالی میں محترمہ شوکت خانم اور اکرام اللہ نیازی کے گھر پیدا ہوئے۔کچھ کتابوں اور اخبارات میں اُن کی تاریخ پیدائش 25 نومبر درج ہے۔وہ بچپن ہی سے خاموش اور شرمیلے تھے۔والدین کے اکلوتے بیٹے ہونے کی وجہ سے لاڈ پیار اُن کے حصے میں آیا۔اُن کی چار بہنیں اپنے بھائی پر محبت چھڑکتی رہیں۔عمران خان نے پہلے کیتھڈرل سکول پھر ایچی سن کالج سے تعلیم حاصل کی۔آکسفورڈ سے معاشیات کے انڈر گریجویٹ ڈگری سے قبل رائل گرامر سکول ورکسٹر میں داخل ہوئے۔1974ء میں یونی ورسٹی کے دوران عمران خان آکسفورڈ یونی ورسٹی کرکٹ ٹیم کے کپتان رہے۔

اکرام اللہ خان نیازی کا تعلق پشتون اور نیازی قبیلے سے ہے۔وہ آج بھی اپنے خاندانی پس منظر کو پٹھان ہی سمجھتے ہیں۔عمران خان کی والدہ محترمہ شوکت خانم بھی صحت مند کھیلوں سے وابستہ رہیں اور اُنھیں پسند کیا کرتی تھیں۔

عمران خان حُسن و جمال کی اعتبار سے لوگوں کے لیے کشش کا باعث رہے۔اُنھوں نے دنیا کے بہت سے ملکوں کا دورہ کیا۔کرکٹ کے حوالے سے وہ اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں۔عمران خان

کرکٹ کی تاریخ میں اعلیٰ پائے کے آل راؤنڈر اور بڑے فاسٹ بولر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ 1971ء سے اُنھوں نے کرکٹ کے میدان میں اپنا مقام بنانا شروع کیا۔ اپنے منفرد انداز کی وجہ سے وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتے گئے۔ نوجوان خواتین کی نظرِ التفات کے اعتبار سے وہ بہت خوش قسمت ثابت ہوئے۔ اُصولِ فطرت ہے کہ صلاحیتوں اور حُسن پر سب کی نظر پڑتی ہے۔ پاکستان کے علاوہ دنیا بھر میں اُن کے پرستاروں کا جھرمٹ آج بھی اُن کے شعور کو یقیناً متاثر کرتا ہوگا۔ اکرام اللہ خان نیازی سرکاری خدمات انجام دیتے رہے۔ عمران ماں، باپ کو اکلوتا بیٹا اُن کی اُمیدوں اور خوشیوں کا مرکز رہا۔ حالات کی ستم ظریفی کے اُن کی والدہ شوکت خانم جگر کے سرطان میں مبتلا ہو گئیں۔ یہ مرض اُن کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ عزت، شہرت، پیسہ سب کچھ عمران خان کے پاس موجود تھا لیکن موت کے سامنے ہر شخص بے بس دکھائی دیتا ہے۔ سرطان کے اس حملے سے اُن کی والدہ 10 فروری 1985ء کو انتقال کر گئیں۔ ماں کے انتقال سے عمران خان احساسِ محرومی میں مبتلا ہونے کے بجائے اس موذی مرض کے خلاف جہاد کرنے کا بیڑا اُٹھالیا۔ محترمہ شوکت خانم کے بچھڑنے کا دکھ لیے عمران خان نے فیصلہ کیا کہ سرطان کے خلاف منظم جدوجہد کی جائے۔ اس ضمن میں عمران خان نے کینسر سے بچاؤ کے لیے جدید طرز کا ہسپتال تعمیر کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ عمران خان نے محسوس کیا کہ اُن کی ماں تو اس مرض کی بھینٹ چڑھ گئیں، دوسروں کو اس موذی مرض سے بچانے کے لیے جدوجہد ضروری ہے۔ 1989ء میں عمران خان نے اپنے چند ہم خیال دوستوں کو اکٹھا کیا اور اپنی والدہ کی یاد میں شوکت خانم میموریل کینسر ہسپتال اینڈ ریسرچ سنٹر کی تعمیر کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم کا آغاز کر دیا۔ انھوں نے اپنی اس مہم کی بنیاد زکوۃ اور عطیات پر رکھی۔ یہ ایک اچھا کام اور قومی خدمت کے جذبے کی تکمیل کا راستہ تھا اس لیے لوگوں نے عمران خان کی آواز پر توجہ دی۔

وہ اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

حکومت پنجاب نے عمران خان کو کینسر ہسپتال کی تعمیر کے لیے بیس ایکڑ زمین بھی بطور عطیہ فراہم کی اور پھر 25/اپریل 1991ء کو وزیراعظم میاں نواز شریف نے ہسپتال کا سنگ بنیاد رکھا۔ میاں صاحب نے 50 کروڑ روپیہ چندہ دے کر لوگوں کو اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی دعوت دی۔ اس تقریب میں نامور فلمی اداکار دلیپ کمار اور ان کی اہلیہ سائرہ بانو نے بطور خاص شرکت کی۔

''شوکت خانم میموریل ہسپتال'' کا ڈیزائن امریکا کی مشہور تعمیراتی فرم، ارا سمتھ، جوڑ، ریپنا کارپوریشن نے تیار کیا جو دنیا بھر میں کینسر کے ہسپتال ڈیزائن کرنے کے مخصص سمجھے جاتے ہیں۔ پاکستان سے ان کی معاونت پاکستان کے مشہور معمار نیر علی دادا نے کی۔ 25 مارچ 1992ء کو پاکستان نے کرکٹ ورلڈ کپ جیت کر دنیا کو حیران کر دیا۔ اس ورلڈ کپ کی کامیابی میں عمران خان بڑے خوش قسمت ثابت ہوئے۔ 1992ء کے ورلڈ کپ کی فتح نے شوکت خانم میموریل ہسپتال کی تعمیر کا راستہ ہموار کر دیا۔ عمران خان نے فتح کے اس جشن کو شوکت خانم میموریل ہسپتال کی تعمیر کے نام کر دیا۔ اُنھوں نے پاکستان بھر کا دورہ کیا عطیات جمع کرنے کی اس مہم میں نوجوان طلباء و طالبات نے عمران خان کا بھرپور ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت رائیگاں جانے نہیں دیتا۔ عوام الناس کے تعاون سے قومی سطح کا یہ منصوبہ ''شوکت خانم میموریل ہسپتال'' 29 دسمبر 1994ء کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ کینسر زدہ تیرہ سالہ مریضہ سمیرا یوسف نے اس عظیم ہسپتال کا افتتاح کیا۔ پاکستان بھر سے سرطان زدہ ہزاروں مریضوں نے اس سے فیض حاصل کیا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ عمران خان نے اپنا سیاسی سفر 25 اپریل 1996ء کو شروع کیا۔ 1992ء کرکٹ ورلڈ کپ کی کامیابی کے بعد عمران خان نے نہ صرف شوکت خانم ہسپتال کی تعمیر کا راستہ ہموار کیا بل کہ سیاسی اور سماجی حلقوں میں مقبولیت پیدا کر لی۔ کرکٹ کے کھلاڑی کا سیاست میں آنا اناڑی تصور کیا جاتا تھا لیکن عمران خان کی تحریکِ انصاف نے عزم و استقلال کے ساتھ 22 سال جدو جہد کی اور 25 جولائی 2018ء کے انتخابات میں کچھ اُتار چڑھاؤ کے ساتھ بل آخر کامیابی کا پرچم لہرا دیا۔ اُن کی جدو جہد میں بہت سے عناصر کامیابی کا باعث بنے۔

1997ء کے عام انتخابات میں عمران خان، لاہور کے حلقہ این اے 94 اور میانوالی کے حلقہ این اے 53 میں کلین بولڈ ہو گئے۔ تحریکِ انصاف نے 314,830 ووٹ حاصل کر کے اپنی موجودگی کا اظہار کیا۔ عمران خان نے ہمت نہیں ہاری اور 2002ء کے انتخابات میں بھی بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ الیکشن سے پہلے اُنھیں پچ کا اندازہ نہیں تھا۔ اس الیکشن میں بھی تحریک انصاف کو کوئی واضح کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ عمران خان کے علاوہ پوری ٹیم آؤٹ ہو گئی۔ عمران خان کی قومی اسمبلی میں اِنٹری ہو گئی۔ مجموعی طور پر اُن کی جماعت نے 137,383 ووٹ حاصل کیے۔ 2008ء میں کسی مصلحت کے تحت تحریکِ انصاف انتخابات سے واک آؤٹ کر گئی اور مخالفین کو واک اوور مل گیا۔ 2013ء کے الیکشن میں عمران خان نیٹ پریکٹس کے بعد فل فارم میں بیٹنگ کے لیے آئے اور 76 لاکھ 79 ہزار

954 ووٹ (رنز بنانے میں) کامیاب ہوئے۔ پیپلز پارٹی نے 69 لاکھ 11 ہزار ووٹ حاصل کیے۔ نون لیگ بھاری اکثریت کی وجہ سے قومی اسمبلی کا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ میاں نواز شریف، قائدِ ایوان کے طور پر نمایاں رہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تحریک انصاف کی قومی اسمبلی میں 28 جب کہ پیپلز پارٹی کی 33 نشستیں تھیں۔ اس طرح نون لیگ، پیپلز پارٹی کے بعد تحریکِ انصاف نے تیسری قوت کے طور پر اپنا سر اُبھارا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ خیبر پختون خواہ میں بھاری اکثریت سے کامیابی پر تحریک انصاف حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی۔

عمران خان نے اپنا بلا لہرایا اور دونوں جماعتوں مسلم لیگ نون اور پیپلز پارٹی کو آڑھے ہاتھوں لیا۔ شہباز شریف نے بحیثیت وزیرِ اعلیٰ پنجاب لاہور میں عوامی طاقت کا مظاہرہ کیا جو اُن کے مستقبل کے لیے سمِ قاتل ثابت ہوا۔ اس جلسے کے بعد عمران خان عوامی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کرنے میں کامیاب ہوئے مختلف اُمور پر عوام الناس کی توجہ مبذول کروائی۔ اپنے مخالف دونوں جماعتوں پر لفظی سنگ باری کرتے کرتے وہ 14 راگست 2014ء تا 16 دسمبر 2014ء تک کے دھرنے تک آ پہنچے۔ بدعنوانی، کرپشن، اقرباء پروری، رشوت، اختیارات کا ناجائز استعمال اور دیگر حکومتی کمزوریاں عوام کے سامنے لاتے ہوئے اپنی کامیابی کا راستہ ہموار کرتے گئے۔ حکومت ہچکولے کھانے لگی۔ پانامہ کیس، ڈان لیکس، مسئلہ ختم نبوت ﷺ میں ترمیم، اور ایسے ہی کئی امور حکومت کے گلے پڑ گئے۔ مسلم لیگ نون کے کئی اپنے اور پیپلز پارٹی کے بہت سے جیالے بلا تھامتے ہوئے سیاسی پچ پر پیشگی کامیابی نعرے بلند کرنے لگے۔

تحریک انصاف کا دعویٰ کیا کہ خیبر پختونخواہ حکومت نے متعدد کامیابیاں حاصل کیں مثلاً صوبے میں ایک بااختیار بلدیاتی نظام قائم کیا۔ جس کی آزاد حلقوں نے بھی تعریف کی کہ یہ نظام سب صوبوں میں سب سے بہترین ہے صوبہ کے پرائمری سکولوں کے انفراسٹرکچر کی تعمیر اور اساتذہ کی بھرتی اور ٹریننگ میں تحریک انصاف کی حکومت باقی صوبائی حکومتوں کی نسبت آگے رہی۔ اس طرح صحت، سہولت پروگرام کے تحت دیا جائے والے صحت کارڈز ایک بہترین اقدام تھا جس کے ذریعے صوبہ کے ۵۰ فیصد گھرانوں کو مفت بہترین علاج معالجہ کی سہولت ملی۔ تحریک انصاف کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس نے صوبہ خیبر پختونخواہ میں پولیس کو مکمل غیر سیاسی بنا کر آزاد بااختیار و عوام کی صورت بنایا۔ بلین ٹری سونامی پروجیکٹ کے نام سے ایک ارب درخت لگانے کا منصوبہ مکمل کیا۔ اس پراجیکٹ کی

ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ سمیت متعدد عالمی اداروں نے تصدیق اور تعریف کی کہ یہ ماحولیات کے تحفظ اور موسمی تبدیلیوں کے اثرات سے نمٹنے کے لیے ایک انقلابی قدم تھا۔ ورلڈ اکانومک فورم نے اس پروگرام کو مثالی قرار دیا۔ اگرچہ تحریک انصاف کی خیبر پختونخواہ حکومت آئیڈیل نہ تھی تاہم اس نے دیگر صوبائی حکومتوں کی نسبت بہتر ڈیلیور کیا جس کی وجہ سے 2018ء کے انتخابات میں اس نے مرکز اور چاروں صوبوں میں گزشتہ انتخابات کی نسبت سے کہیں زیادہ عوامی حمایت حاصل کر لی۔

حالیہ انتخابات کے نتائج کے مطابق تحریک انصاف نے ایک کروڑ 68 لاکھ 84 ہزار ووٹ حاصل کیے۔ جب کہ دوسرے نمبر پر مسلم لیگ ن رہی جسے ایک کروڑ 29 لاکھ 30 ہزار 117 ووٹ ملے۔ پیپلز پارٹی کے ووٹ 69 لاکھ 13 ہزار 466 ہیں۔ وہ ووٹوں اور نشستوں دونوں اعتبار سے تیسرے نمبر پر رہی۔ عمران خان نے 17 / اگست 2018ء کو وزارتِ عظمیٰ کا الیکشن لڑا۔ اُنھوں نے اپنے حریف شہباز شریف کو شکست دے کر میدان مار لیا۔ 18 / اگست 2018ء کو بحیثیت وزیرِ اعظم حلف اُٹھا کر 19 / اگست 2018ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے عمران خان نے اُنھی باتوں کو دہرایا جو الیکشن سے قبل وہ منشور، پہلے 100 دن کے منصوبہ کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ قوم سے غیر رسمی خطاب میں اُنھوں نے نئے پاکستان کی تعمیر کا اعلان کیا۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ فلسفۂ اقبالؒ کی روشنی اور حالات کے تقاضوں کے مطابق نئے پاکستان اور تبدیلی کے لیے چند اہم اقدامات کرنے کی شد و مد کے ساتھ بہت ضرورت ہے۔ شاہراہِ کامیابی پر گامزن ہونے کے لیے عمران خان اور اُن کی حکومت کو اپنے تمام وعدوں کی پاسداری کرنا ہوگی۔ اس ضمن میں چند اُمور پیش خدمت ہیں۔

نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد

16 دسمبر 2014ء کو آرمی پبلک سکول پر دہشت گردی کے سانحہ میں 142 طلباء و طالبات، اساتذہ اور دیگر افراد شہید ہو گئے۔ قوم غم کے گہرے سمندر میں ڈوب گئی۔ اِن حالات کے پیشِ نظر عمران خان کو بھی دھرنا ختم کرنا پڑا۔ تمام سیاسی اکابر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ وزیرِ اعظم میاں نواز شریف نے تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو اعتماد میں لیا۔ سکیورٹی فورسز، خفیہ اداروں، پاک فوج حتی کہ اہلِ صحافت کو بھی مشاورت میں شامل کیا گیا۔ کئی روز کی تگ و دو کے بعد ایک نیشنل ایکشن پلان تیار کیا گیا۔ ملکی استحکام، قومی دفاع اور قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے اہم ترین اقدامات اٹھائے گئے۔

بہت سے اسلامی ممالک میں رائج قوانین سے بھی مدد لی گئی۔ خارجہ اُمور، داخلہ اُمور، معاشی اُمور کے محکمہ جات کو نیشنل ایکشن پلان میں شامل کیا گیا۔ اس کا اہم مقصد فرقہ واریت اور دہشت گردی کے نیٹ ورک کے خلاف کارروائی کرنا تھا نیشنل ایکشن پلان کی ۲۱ دفعات میں سے چند ایک بہت اہم ہیں۔

نیشنل ایکشن پلان کی دفعات

O عدالتوں سے سنائی جانے والی سزاؤں پر عمل۔ O دہشت گردوں کے مقدمات کے لیے خصوصی فوجی عدالتیں۔ O ملک میں کسی مسلح ملیشیا کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ O نیکٹا (NACTA) کو فعال اور مضبوط بنایا جائے گا۔ O انتہا پسندانہ مواد اور تقاریر کا خاتمہ کیا جائے گا۔ O دہشت گردوں اور اُن کی تنظیموں کے مالی وسائل ختم کیے جائیں گے۔ O کالعدم تنظیموں کو دوسرے ناموں سے اُبھرنے نہیں دیا جائے گا۔ O انسدادِ دہشت گردی کے لیے مستعد (Counter Terrorism Force) بنائی جائے گی۔ O مذہبی بنیادوں پر امتیاز اور استحصال کا عمل روکا جائے گا۔ O مدارس کی رجسٹریشن اور ریگولیشن یقینی بنائے جائیں گے۔ O پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو دہشت گرد تنظیموں کی تشہیر سے منع کیا جائے گا۔ O فاٹا میں خصوصی ترقیاتی پروگرام شروع کیے جائیں گے۔ O انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کو غلط اُمور کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ O پنجاب میں عسکریت پسندی کے لیے خلاف اقدامات ہوں گے۔ O کراچی آپریشن میں فوج اور رینجر برسرِ عمل رہیں گی۔ O بلوچستان میں مفاہمت سے کام لیا جائے گا۔ O فرقہ وارانہ تنظیموں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا۔ O افغان مہاجرین کے مسائل حل کرنے کی بھرپور کوشش کیا جائے گی۔ O جرائم پیشہ افراد کے خلاف کارروائی کے لیے ایک نیا نظام تشکیل دیا جائے گا۔

نیشنل ایکشن پلان کی منظوری کے بعد عمل درآمد کی نگرانی کے لیے میاں نواز شریف نے 26 دسمبر 2014ء کو اپنی سرپرستی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں وزیرِ داخلہ، وزیرِ دفاع، وزیرِ اطلاعات، وزیرِ منصوبہ بندی و ترقی اور مشیر خارجہ کمیٹی کے ممبر نامزد ہوئے۔ نیشنل ایکشن پلان کا مقصد پاکستان کا داخلی و خارجی دفاع تھا۔ مقامِ افسوس ہے کہ منصوبہ بندی اور تراکیب تو بنائی جاتی ہیں لیکن اُن پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا اگر اس نیشنل ایکشن پلان پر سبک رفتاری سے عمل کیا جاتا تو پاکستان کا داخلی محاذ مضبوط ہوسکتا تھا۔

دھرنا ختم ہونے کے باوجود پاکستان تحریکِ انصاف کی سیاسی گولہ باری حکمرانوں پر جاری رہی۔ اُدھر حکمرانوں نے اس ہنگامہ آرائی کو اہمیت نہ دی۔ پانامہ کیس، ڈان لیکس، ایاز صادق کی نااہلی اور دیگر مخفی اُمور کے باعث میاں نواز شریف دائرہ در دائرہ گرداب کا شکار ہوتے گئے اور مختلف عدالتی فیصلوں میں گھرتے گئے۔ جے آئی ٹی اور سپریم کورٹ کا فیصلہ منظرِ عام پر آیا۔ 28 جولائی 2017ء کو میاں نواز شریف تاحیات سیاسی منظرنامے سے نااہل قرار دے دیئے گئے۔ شاہد خاقان عباسی کو وزیرِ اعظم بنایا گیا اُنھوں نے نون لیگ کی ڈگمگاتی کشتی کو بڑی ایمانداری سے سہارا دینے کی کوشش کی لیکن ''ختم نبوت ﷺ'' کے حساس ترین معاملہ میں شاہد خاقان عباسی اور اس کے ساتھی کڑی گرفت میں آگئے۔ مہنگائی کا گراف بلند ہونے لگا۔ میاں نواز شریف کے کئی پیارے بھی نااہل ہو گئے۔ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' 25 جولائی 2018ء کے لیے جنرل الیکشن کا اعلان ہوگیا۔ سیاسی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں کہ عدالت نے میاں نواز شریف کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیئے۔ 13 جولائی 2018ء کو میاں نواز شریف اور اُن کی دختر مریم نواز کو لندن سے واپسی پر لاہور ائیر پورٹ سے گرفتار کر کے اڈیالہ جیل منتقل کر دیا گیا۔ جہاں میاں نواز شریف کے داماد کیپٹن (ر) صفدر چند دن پہلے ہی دھر لیے گئے تھے۔ میاں نواز شریف کی گرفتاری نے الیکشن مہم پر منفی اثر ڈالا۔ میاں نواز شریف کے قریبی ساتھی حنیف عباسی بھی اڈیالہ جیل جا پہنچے۔ 11 ستمبر 2018ء بیگم نواز شریف ، سابق ایم این اے کلثوم نواز کا انتقال ہوگیا اور جیل میں مقید خاندان کو پیرول پر 5 دن کے لیے رہا کر دیا گیا۔ 17 ستمبر کو رہائی پانے والے ایک بار پھر جیل منتقل ہوگئے لیکن 19 ستمبر 2018ء بروز بدھ اسلام آباد ہائی کورٹ نے کیپٹن (ر) صفدر، مریم نواز اور میاں نواز شریف کو رہا کرنے کا حکم صادر کیا اور وہ اڈیالہ جیل سے ''جاتی امرا'' اپنے محل میں منتقل ہوگئے۔ جمعۃ المبارک 5/اکتوبر 2018ء کو سابق وزیرِ اعلیٰ پنجاب کو نیب نے گرفتار کر لیا۔ یہ امر باعث تعجب ہے کہ شریف برادران کے خلاف جو فیصلے منظرِ عام پر آئے وہ جمعہ کے دن رونما ہوئے۔ میرے خیال میں شریف فیملی کے لیے یہ آنا جانا رہے گا۔

25 جولائی 2018ء کو قومی وصوبائی اسمبلیوں میں پاکستان تحریک انصاف نے نمایاں کامیابیاں حاصل کرلیں۔ 17/اگست 2018ء کو وزارتِ عظمیٰ کے الیکشن میں عمران خان واضح اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ 18/اگست کو اُنھوں نے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ اتوار 19/اگست 2018ء کو بحیثیت وزیرِ اعظم عمران خان نے قوم سے خطاب فرمایا۔ تادمِ تحریر یکم محرم (1440ھ بمطابق 12

ستمبر 2018ء بروز بدھ) نئی حکومت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو چکی ہے۔ چاروں صوبوں میں پاکستان تحریکِ انصاف کو برتری حاصل ہے جب کہ تحریک انصاف کے ڈاکٹر عارف الرحمٰن علوی ایوانِ صدر میں براجمان ہو چکے ہیں۔ حکومت نے منی بجٹ 19 ستمبر 2018ء کو پیش کیا۔ قبل ازیں شاہد خاقان عباسی کی زیر نگرانی حکومت کا آخری بجٹ 27 اپریل 2018ء کو پیش کیا گیا۔ سابقہ حکومت 31 مئی 2018ء کو اپنے فرائض سے سبک دوش ہو گئی۔

پاکستان ایک عرصہ سے مختلف سانحات سے گزر رہا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفہ کی روشنی میں نئی حکومت کو نیا پاکستان بنانے کے لیے کچھ نیا کرنا پڑے گا۔ پاکستان پر دہشت گردی ایک مدت سے پھن پھیلائے کھڑی ہے۔ دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے ہماری فوج، رینجر، پولیس اور عوام نے بہت قربانیاں دی ہیں۔ چاروں صوبوں کے لاکھوں افراد جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کے بعد تو پاکستان لاتعداد مسائل میں گھر چکا ہے۔ بیرونی مداخلت کے علاوہ اندرونی انتہا پسندی بھی پاکستان میں سر اُٹھا رہی ہے۔ بھارت نے ہماری آزادی کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ 16 دسمبر 1971ء کو پاکستان دولخت کرنے میں "راء" نے مرکزی کردار ادا کی۔ پاکستان میں کلبھوشن کی موجودگی بھارتی جاسوسوں کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ اسرائیلی عناصر کی موجودگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شیعہ سنی اختلاف کو ہوا دینا، عقیدۂ ختم نبوت ﷺ کو نشانہ بنانا، قادیانیت کے تحفظ میں غیر مانوس چہروں کو سامنے لانا بیرونی ایجنسیوں کی کارروائی ہے۔ فیس بک پر نامعلوم ناموں سے اکاؤنٹ کھول کر اشتعال انگیزی پھیلانے والے عناصر بے قابو ہوتے جا رہے ہیں۔ نئی حکومت کے لیے یہ سب سے بڑا چیلنج ہے۔ خان لیاقت علی خان، جنرل ضیاء الحق، محترمہ بے نظیر بھٹو، حکیم محمد سعید اور لاتعداد علمائے کرام کے قاتل کون ہیں؟

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

اسلام اور پاکستانیت کا نام لینے والے خطرات کا نشانہ بنائے جاتے ہیں۔ عمران خان نیازی بھی ایک تبدیلی کا نعرہ لے کر آگے آئے ہیں۔ کئی دھندلک چہرے اِن کے گرد منڈلا رہے ہیں۔ فوج، عدلیہ اور تحریکِ انصاف کی معاونت کے باوجود وزیرِ اعظم عمران خان کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اندرونی و بیرونی محاذ مستحکم کیے بغیر ترقی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ مضبوط اور مربوط دفاع

کے لیے جدید طرز کا اسلحہ بھی ضروری ہے۔ بھارت داخلی وخارجی طور پر امریکا کا حلیف بن چکا ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ افغانستان سے کوچ کرتے ہوئے امریکا افغانستان پر بھارت کو بطور چوکیدار فرائض سونپے گا۔

مضبوط دفاع

الحمدللہ! گزشتہ کئی برس سے ہونے والی فوجی مشقوں میں پاکستانی فوج اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکی ہے۔ دنیا بھر کی اہم فوجوں میں اوّل رینک حاصل کرنے کا اعزاز بھی پالیا ہے۔ 15 ستمبر 2018ء کے اخبار میں یہ خبر شائع ہو چکی ہے جس میں بھارتی ایئر چیف برنیدر سنگھ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اگر بھارت 200 نئے طیارے بھی خرید لے تو وہ پاکستان ایئر فورس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بری، بحری اور فضائی فوج کی مشقوں سے بھارت متعدد بار بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ دفاعِ وطن کا خواب اُسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب شہریوں کو پاک فوج کے شانہ بشانہ کھڑا کیا جائے۔ ہمارے دشمن اسرائیل نے 18 سال سے کم عمر نوجوانوں کے لیے فوجی تربیت کا اہتمام لازمی قرار دے رکھا ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں نیشنل کیڈٹ کور اور ویمن گارڈز کی تربیت ہوا کرتی تھی جسے ختم کر دیا گیا ہے۔ مجاہد فورس، جانباز فورس اور سول ڈیفنس ایسے ادارے پاک فوج کے لیے بہت سودمند ثابت ہو سکتے ہیں۔ زندہ قومیں اپنے دفاع کو ہر حال میں مقدم رکھتی ہیں۔ نئے پاکستان کے استحکام کا دارومدار مضبوط دفاع میں مضمر ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ دفاع کے حوالے سے قوم میں فولادی قوت پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ یہ فولادی قوت بھی خودی کے زیرِ اثر پیدا ہوتی ہے۔ جرمِ ضعیفی کی سزا ہر قوم کو مرگِ مفاجات کی صورت میں ملتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اِسی بات پر زور دیتے ہیں کہ فطرت کا اُصول ہے کہ جو قوم اپنے دفاع سے روگردانی کرتی ہے وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ آج فلسطین، لبنان، برما، کشمیر، بوسنیا اور بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی حالتِ زار دفاعی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ اقبالؒ اس ضمن میں رہنمائی کرتے ہیں۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہر جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص: 449)

خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی!

(بالِ جبریل، کلیات اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص:394)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:558)

فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے لائق
پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:687)

مصاف زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبّت میں حریر و پرنیاں ہوجا
گزر جابن کے سیلِ تُند رَو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جُوئے نغمہ خواں ہو جا

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:304)

سوچا بھی ہے اسے مردِ مسلماں کبھی تُو نے
کیا چیز ہے فولا دکی شمشیرِ جگردار

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:539)

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:585)

کشمیر جنت نظیر

کشمیر ہماری شہ رگ ہے۔ اہلِ کشمیر ایک مدت سے ہماری بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ 13 جولائی کو یومِ کشمیر اور 5 فروری کو یومِ یکجہتی کشمیر منا کر ہم اپنا فرض ادا کردیتے ہیں۔ ایک وقت تھا جب جہادی تنظیمیں بھارت کے خلاف نبرد آزما تھیں۔ بھارت لفظ جہاد سے نہ صرف مرعوب ہوتا ہے

بل کہ خوف زدہ رہتا ہے۔ جہادِ کشمیر میں لاکھوں مسلمان جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ بھارت کی کئی ڈویژن فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے نہتے مسلمانوں نے بھارت کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ اہلِ کشمیر ایک بار پھر ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ مختلف جھڑپوں میں شہید ہونے والے کشمیری پاکستانی پرچم میں لپیٹ کر سپردِ خاک کر رہے ہیں اور ہر موقع پر پاکستان زندہ باد کے نعرے بھی سنائی دیتے ہیں۔ نئے پاکستان کے حکمرانوں کے لیے مسئلہ کشمیر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کشمیر جنت نظیر ہے، کشمیر دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے باعثِ کشش ہے۔ اقبالؒ چوں کہ کشمیر سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اُن کی شاعری میں کشمیر کا تذکرہ بڑی محبت کے ساتھ جاری ہے۔

ہندوستاں میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر
بُلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دور
کشمیر کا چمن جو مجھے دل پذیر ہے
اس باغ جانفزا کا یہ بُلبل اسیر ہے

مذکورہ اشعار اقبالؒ کی ابتدائی شاعری کا نمونہ ہیں۔ دو اشعار مزید ملاحظہ ہوں:

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص: 739)

چہ بے پروا گذشتند از نوائے صبح گاہِ من
کہ بُرد آں شور و مستی از سیہ چشمانِ کشمیری!

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص: 742)

یہ بات عین فطرت ہے کہ جب محکوم لوگ جذبۂ خودی اور جذبۂ حریت سے سرشار ہو کر میدانِ عمل میں کود پڑتے ہیں تو کامیابی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔

گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
تھرتھراتا ہے جہانِ چار سُو و رنگ و بو
ضربت پیہم سے آخر ہو جاتا ہے پاش پاش
حاکمیت کا بتِ سنگیں دل و آئینہ رو

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص: 739)

ہمارے غازیوں اور شہیدوں نے دفاعِ وطن کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

نئے پاکستان کا تقاضا ہے کہ قوم میں کردار سازی اور جذبہ جہاد بیدار کرنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر کام کیا جائے۔ کشمیر سمیت، بہت سے محاذوں پر دشمن تاک لگائے بیٹھے ہیں، آئے دن گھات لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ یہ چندروزہ زندگی اگر وطنِ عزیز کے کام آجائے تو اس سے بڑا کیا اعزاز ہو سکتا ہے۔

نئے پاکستان میں یومِ دفاع 6 ستمبر 2018ء بروز جمعرات یومِ شہداء کے طور پر منایا گیا۔ "ہمیں پیار ہے پاکستان سے" نعرے کی تکمیل میں پوری قوم نے پاک فوج کی آواز پر متعدد تقریبات کا اہتمام کیا۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا فلسفہ جہاد ہماری کامیابی کا مضبوط اور کامیاب راستہ ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تعلیم اُس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 540)

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 302)

اے نگہ تیری مرے دل کی کشاد
کھول مجھ پر نکتۂ حکمِ جہاد

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 463)

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 243)

کس کی نومیدی پہ حجت ہے یہ فرمانِ جدید؟
ہے جہاد اس دَور میں مردِ مسلماں پر حرام!

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص: 703)

اقبالؒ نے تو اپنے عہد کے لوگوں کے بارے میں کہا تھا کہ وہ مغربی فلسفوں میں اُلجھ کر جہاد سے دور بھاگ رہے ہیں لیکن یہ بات تو آج کے مسلمانوں پر بھی حرفِ صداقت ہے۔ آج کشمیر

میں بھارت کے خلاف اور فلسطین میں اسرائیل کے خلاف اعلانِ جہاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے خواب نئی اسلامی مملکت کے استحکام اور مسلم قیادت کے عروج کے بارے میں تھے۔ آج ہم جن تبدیلیوں کو دیکھ رہے ہیں وہ حوصلہ افزا ہیں۔ مغربی اور انڈین ثقافت کی زد میں گھرے نوجوان آج بھی اسلام اور وطن عزیز کی خاطر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ افغانستان میں مسلمان نوجوانوں کی ذہنی تربیت کی ضرورت ہے۔ عالمی شہرت یافتہ دانش ور جارج فرائڈ مین (George Friedman) نے اپنی کتاب "The Next 100 Years" (Forecast of the 21st Century) میں لکھا ہے کہ جب تک مسلمان انتشار کا شکار ہیں اُس وقت تک مغربی ممالک حاکمیت کر رہے ہیں۔ جس دن اُمتِ مسلمہ میں اتحاد ہو گیا تو پوری دنیا اسلام کے زیرِ نگیں ہوگی۔ اُمتِ مسلمہ کے لیے اتحاد انتہائی ضروری ہے۔ نئے پاکستان کا استحکام بھی اتحاد سے ہی ممکن ہے۔ پاکستان کی سیاسی جماعتوں اور دیگر اداروں کے چاہیے کہ وہ متحد ہو کر قومی سلامتی کے نام پر کام کریں تا کہ پڑوسی ملک کو احساس ہو جائے کہ اُس کی کوئی کارروائی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

سی پیک: (چائینہ، پاکستان اکنامک کوری ڈور)

چین اور پاکستان کی دوستی بھارت کو بہت کھٹتی ہے۔ خصوصاً سی پیک (CPEC) (چائنا پاکستان اکنامک کوری ڈور) منصوبہ پاکستان کی معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی بن چکا ہے۔ پاکستان کی معاشی بہتری کے لیے یوں تو بہت سے ممالک کا دستِ تعاون ناگزیر رہا لیکن پڑوسی ملک چین نے اس ضمن میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مختلف معاہدے منظرِ عام پر آتے رہے۔ ہر حکومت نے کسی نہ کسی صورت چین سے معاشی معاہدے جاری رکھے۔ عصرِ حاضر میں سی پیک (CPEC) دنیا بھر کے لیے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ بھارت کو اس ضمن میں بہت پریشانی ہے کیوں کہ بھارت پاکستان کو معاشی طور پر فعال نہیں دیکھنا چاہتا۔ سی پیک، پاکستان اور چین کے مابین اقتصادی راہداری ہے جو کہ علاقائی روابط کا ایک فریم ورک ہے۔ اس معاہدے سے نہ صرف پاکستان اور چین کو فائدہ ہوگا بل کہ ایران، افغانستان، بھارت، وسطی ایشیائی جمہوریہ اور دوسرے، بہت سے چھوٹے بڑے ممالک پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ تاریخی اور جغرافیائی روابط سے کئی ممالک ایک دوسرے کے لیے تجارتی طور پر سودمند ثابت ہوتے ہیں۔ سی پیک راہداری کی وسعت سے عوام الناس میں جہاں بھائی چارے اور ہم آہنگی کے جذبات فروغ پائیں گے وہاں نقل و حمل کا نظام بھی بہتر ہوگا۔ سڑکوں، گاڑیوں، ٹرکوں، ٹرینوں، اور ہوائی جہازوں

کے ذریعے مال برداری کی وجہ سے تجارت کو فروغ حاصل ہوگا۔ یہی نہیں تعلیمی، ثقافتی اور علاقائی علم و ادب، ثقافت و تمدن، تجارت اور کاروبار کے فروغ سے خطے میں امن اور اعلیٰ سطح کی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوگا۔ پاکستان اور چائنا کے مابین اس معاہدے سے تجارت کے کئی مخفی راز حل کرنے کے مواقع بھی سامنے آئیں گے۔ بہت سے ممالک میں قدیم طرز پیداوار کا سلسلہ جاری ہے۔ چائنا کی سبک رفتار تجارت اور چین کی نت نئی ایجادات سے بہت سے ممالک فیض یاب ہوسکیں گے۔ آج دنیا گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ دوسروں کے لیے قابلِ مثال تجارتی طرزِ عمل کے لیے بھی یہ معاہدہ سنگ میل ثابت ہوگا۔

دنیا کا کوئی ملک بھی تجارت کے بغیر خوشحالی کے خواب نہیں دیکھ سکتا۔ مختلف ممالک کو تجارتی رشتوں سے جوڑنے کی یہ مہم عنقریب ثمرات دکھائے گی۔ تجارتی وسائل، جدید ٹیکنالوجی اور مثبت سوچ کے ذریعے نئی دنیا تشکیل پائے گی۔ جب تجارت مستحکم ہوگی تو اس راہداری سے وابستہ عوام میں قریبی تعلقات بھی استوار ہوں گے۔ پاکستان اور چین نے گلوبلائزڈ دنیا میں اقتصادی regionalization کی طرف سفر شروع کر دیا ہے۔ 2017ء کی خوش بختی ہے کہ پاکستان اور چائنا نے دیگر ممالک کے لیے دوستی کی ایک خاص مثال سامنے رکھی ہے۔ اسلام آباد میں پاک چائنا فرینڈشپ سنٹر کی اعلیٰ عمارت میں ہونے والے اجلاس اور دونوں ممالک کے وفود کے تبادلوں نے سی پیک کو نوید کامیابی دی ہے۔ اگر ہم سی پیک کا تجزیہ کریں تو جغرافیائی اعتبار سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پاکستان اور چین اس معاہدے کے ذریعے پوری دنیا کو بتانا چاہ رہے ہیں کہ دنیا میں ترقی کے لیے خیر سگالی اور بھائی چارے کے جذبات بہت ضروری ہیں۔ سی پیک ایک معاشی راہداری اور ایک بہت بڑا تجارتی منصوبہ ہے جس کا مقصد جنوب مغربی، پاکستان سے چین کے شمال مغربی خود مختار علاقے سنکیانگ تک گوادر بندرگاہ، ریلوے اور موٹروے کے ذریعے تیل اور گیس کی کم وقت میں ترسیل کرنا ہے۔ اقتصادی راہداری پاکستان اور چین کے تعلقات میں مرکزی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ علاقہ گوادر سے کاشغر تک تقریباً 2442 کلومیٹر علاقہ پر محیط ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کے کاشغر

(بانگِ درا، کلیات اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 265)

پاکستان کے علاوہ کئی دیگر ممالک نے بھی اس راہداری سے استفادہ کرنے کی خواہش کا

اظہار کیا ہے۔ یہ معاہدہ عین ممکن ہے مذکورہ شعر کی تعبیر بن جائے۔ سی پیک پر کافی عرصہ لگ سکتا تھا لیکن سبک رفتاری کی وجہ سے بہت سا حصہ پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ اس منصوبے کا تخمینہ 46 بلین ڈالر لگایا گیا ہے۔ اسی منصوبے کے تحت چین اسی صدی میں شاہراہ ریشم کی توسیع کر سکے گا۔

اگر ہم ماضی کا جائزہ لیں تو پاکستان اور چین نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے وفود کے تبادلوں سے فائدہ حاصل کیا۔ چین کے صدر نے 20/اپریل 2015ء کو پاکستان کا دورہ کیا۔ پاکستان کے تجارتی، سیاسی، حکومتی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ چینی صدر نے اپنے اس دورے کے دوران، مختلف شعبوں میں مفاہمت کی 51 یادداشتوں پر دستخط کیے۔ ان یادداشتوں میں چند بڑے اور کلیدی منصوبوں کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔ معاہدے میں پاکستان اور چین کے درمیان دست تعاون تفصیل سے منظر عام پر آیا یادداشتوں میں فیصلہ کیا گیا۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نئے پاکستان اور چین کے بارے میں پہلے ہی کہہ گئے ہیں۔

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی ، تُورانی بھی
اہلِ چیں چین میں ، ایران میں ساسانی بھی

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص: 191)

خودی بلند تھی اُس خُوں گرفتہ چینی کی
کہا غریب نے جلّاد سے دمِ تعزیر

(ضربِ کلیم، کلیات اکادمی، ص: 643)

فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارِ فن
شعر گویا رُوحِ موسیقی ہے ، رقص اس کا بدن!

(ضربِ کلیم، کلیات اکادمی، ص: 644)

نہ چینی و عربی وہ، نہ رومی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مرد آفاقی

(بالِ جبریل، کلیات اکادمی، ص: 393)

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
وائے محرومی! خزف چینِ لبِ ساحل ہوں میں

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص: 132)

چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص:236)

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

(بالِ جبریل، کلیات اکادمی، ص:451)

گوادر بندرگاہ

گوادر بندرگاہ پاکستان کے صوبے بلوچستان میں گوادر میں بحیرہ عرب پر واقع ایک گرم پانی، گہرے سمندر کی بندرگاہ ہے۔ گوادر بندرگاہ کے بحیرۂ عرب کے سرے پر خلیج فارس کے دہانہ پر واقع ہے۔ کراچی کے مغرب میں تقریباً 460 کلومیٹر (290 میل)۔ پاکستان کی سرحد کے مشرق میں ایران سے 75 کلومیٹر (47 میل) اور شمال مشرق میں بحیرۂ عرب کے بار عمان سے 380 کلومیٹر (240 میل) کے فاصلے پر واقع ہے۔

گوادر بندرگاہ کلیدی مقام آبنائے ہرمز کے قریب واقع ہے جو خلیجی ریاستوں کے تیل کی برآمدات کا واحد بحری راستہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ زمین بند افغانستان اور واسطی ایشیائی ریاستوں جو توانائی کی دولت سے مالا مال ہیں کی قریب ترین گرم پانی کی بندرگاہ ہے۔

2015ء سے لے کر اگلے 40 سال تک کے لیے چین کے پاس رہے گی۔ اس ضمن میں ترقیاتی کاموں کا دائرہ کار کراچی تک اور پشاور مرکزی ریلوے لائن، خنجراب ریلوے: بہتر سے بہتر بنانے کے منصوبے جاری رہیں گے۔ لاہور تا کراچی موٹروے کی منظوری دے دی گئی ہے جس پر کام شروع ہو چکا ہے۔ حویلیاں سے خنجراب تک ریلوے لائن منظوری دے بھی دی گئی۔ ہزارہ موٹروے زیرِ تکمیل ہے۔ ایران، پاکستان گیس پائپ لائن زیرِ تکمیل، ایران اپنے ملک کے اندر کا حصہ مکمل کر چکا ہے۔ اقتصادی راہداری حفاظتی فوج مکمل، افرادی قوت کی حفاظت کے لیے فوج کے مسلح ڈویژن تعینات، لاگت 250 ملین ڈالر ہے۔ حویلیاں ڈرائی پورٹ پر کنٹینرز پورٹ کے لیے امکانات زیرِ غور ہیں۔ اورنج لائن لاہور پر کام جاری ہے جب کہ لاہور میٹرو بس سروس کا آغاز ہو چکا ہے۔ گوادر بین الاقوامی ہوائی اڈہ کو جدید خطوط پر استوار کرنے کا منصوبہ بھی منظور کیا گیا۔ پاکستان اور

چین مشترکہ طور پر کپاس حیاتی تکنیکی تجربہ گاہ بنانے پر رضامند ہوئے۔

پاکستان اور چین کے مابین کئی دیگر معاہدوں کی منظوری بھی دی گئی جن میں گوادر۔نواب شاہ ایل این جی ٹرمینل اور پائپ لائن پروجیکٹ۔MW70 ہائیڈرو۔بجلی سکی کناری ہائیڈرو پاور منصوبہ۔ بن قاسم بندرگاہ 2x660 ایم ڈبلیو کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ، 720 ایم ڈبلیو خروٹ ہائیڈرو پاور پراجیکٹ، ۔Zonergy 9x100 ایم ڈبلیو پنجاب میں شمسی بجلی کا منصوبہ، جام پور ہوا سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ، ۔تھر بلاک 2 میں 3.8Mt/a کان کنی منصوبہ، ۔تھر بلاک 2 میں 2x330MW کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ، ۔نجی ہائیڈرو پاور منصوبوں کی ترقی، دادو ہوا سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ، ۔حب میں کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ، سرحد پار سے فائبر آپٹک ڈیٹا مواصلاتی نظام کے منصوبہ جات شامل ہیں۔

گوادر بندرگاہ کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ سمندر کے جس حصے پر واقع ہے وہاں کا پانی گرم ہے جو کہ دنیا بہت ہی کم بندرگاہوں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے۔گرم پانی والے سمندری حصے پر تمام سال تجارتی جہازوں کی آمدورفت جاری وساری رہتی ہے یوں تجارت اور مختلف اشیاء کو براستہ سمندر ترسیل کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔اس کے برعکس جو بندرگاہیں ٹھنڈے پانی پر واقع ہیں ان کے ذریعے تجارت کرنا مشکل ہوتا ہے بل کہ مختلف موسموں میں تو ناممکن ہو جاتا ہے۔اگر دیکھا جائے تو مختلف تہاذیب بھی ساحلی علاقے کے ساتھ ساتھ اپنا پڑاؤ ڈالتی رہیں۔ساحلی یا سمندری راستے زمانۂ قدیم سے تجارتی راستے کے طور پر استعمال کیے جاتے رہے اور جدید تجارت نے سمندری راستے سے تجارت کی ضرورت میں مزید اضافہ کیا ہے، ان سب میں پاکستان کی اہمیت ایک گیٹ وے یا اہم تجارتی دروازے کی سی ہے پاکستان کو بحرِ ہند میں اہم حرموز آبنائے اور چھپے ہوئے خزانوں سے نوازا گیا ہے اور دو اسلامی ریاستوں کی سرحد سے ملحق ہے۔افغانستان اور ایران کی ہمیشہ علاقائی سیاست میں ایک اہمیت اور مرکزی کردار رہا ہے ایک متحرک اور معاشی مرکز کے طور پر ترقی کرتی گوادر بندرگاہ نے علاقائی اور ملحقہ طاقتوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ وسطی ایشیائی ریاستوں کی توانائی کے وسائل تک رسائی کے لیے اپنا انفراسٹرکچر تیار کریں۔ایران اور دبئی پورٹ ورلڈ (متحدہ عرب امارات) کے مفادات گوادر کی بندرگاہ کو مقابلے سے باہر رکھنے میں ہیں کیوں کہ آبنائے ہرموز پر یہ ممالک ایک گیٹ وے کے طور پر کام کرتے ہیں۔

پاکستان گوادر بندرگاہ کی وجہ سے خطے میں سب ممالک سے زیادہ اہم جیوسٹریٹجک پوزیشن کا حامل ہے۔ جنوبی ایشیاء، مغربی ایشیاء اور وسطی ایشیاء کی ریاستوں کے درمیان ٹرانزٹ ٹریڈ، تیل اور گیس کی پائپ لائنوں کی تعمیر ساحلی تجارت جیسی تجارتی اور صنعتی سہولتوں سے اس خطے کے تمام ممالک افغانستان، ترکمانستان، قازقستان، عمان، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، ایران، قطر، چین میں معاشی اور صنعتی ترقیوں کے نئے دور کا آغاز ہو سکتا ہے۔

ماہرین کے مطابق اگر گوادر بندرگاہ کے ذریعے دنیا کے ممالک میں تجارتی لین دین شروع ہو جائے اور مختلف ممالک اپنی اپنی سکہ رائج الوقت (کرنسیوں) میں لین دین (تجارت) شروع کریں گے تو پاکستان میں ڈالر کی قیمت کافی حد تک کم ہو جائے گی اور اس کے علاوہ بلوچستان جو کہ پاکستان کا سب سے پسماندہ صوبہ ہے۔ میں بہت سارے مقامی افراد کو روزگار مل جائے گا بل کہ نہ صرف پاکستان کے صوبہ بلوچستان بل کہ ملک کے دیگر علاقوں کو بہترین مواقع فراہم ہوں گے۔

اس بندرگاہ سے نہ صرف پاکستان بل کہ خطے کے دیگر ممالک مستفید ہو سکتے ہیں جن میں چین سرفہرست ہے۔ چین کے دفاعی، تجارتی، علاقائی، مفادات کے لیے گوادر بندرگاہ بہت اہمیت رکھتی ہے۔ چین نے اب تک 198 ملین ڈالرز کی سرمایہ کاری سے کوسٹل ہائی وے تعمیر کیا ہے جو گوادر بندرگاہ کو کراچی سے ملاتا ہے۔ چین اس بندرگاہ کو سب سے زیادہ اہم اس لیے بھی سمجھتا ہے کیوں کہ چین کے پاس گرم پانیوں کی کوئی بھی بندرگاہ تاحال موجود نہیں ہے جو تمام سال تجارتی جہازوں کی آمدورفت کو جاری وساری رکھے۔ پاکستان کے مطابق کچھ عناصر اس بندرگاہ پر جاری کام کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ ان میں کچھ ممالک کے بارے میں بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اس بندرگاہ میں تعمیرات نہیں چاہتے۔ پاکستان کے مطابق ان ریاستوں میں بھارت، اسرائیل اور امریکہ شامل ہیں جو گوادر بندرگاہ کے مخالف ہیں۔ پاکستان نے اس بندرگاہ کو بنانا اپنی سب سے بڑی ضرورت سمجھا ہے۔ گوادر بندگاہ کی ایک اور اہمیت یہ بھی ہے کہ اگر امریکا ابنائے ملاکہ کو بند بھی کر دے تو پاکستان اور چین کے لیے بحیرہ عرب کا تجارتی راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا رہے گا۔ گوادر بندرگاہ کے ذریعے پاکستان خلیج فارس میں تیل کی ترسیل کے لیے گزرنے والے تمام جہازوں کی نقل وحمل کو مانیٹر کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے گہری بصیرت سے کہا ہے:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص:186)

سی پیک منصوبے کی افادیت کو سمجھتے ہوئے ترکی اور سعودی عرب نے اس میں شمولیت کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نئے پاکستان کے استحکام اور سی پیک ایسے منصوبوں کی تعمیر کے لیے سعودی عرب کی معاونت سے اسلامی بنک پاکستان کو تقریباً 5 ارب ڈالر فراہم کرے گا۔ سعودی عرب کی ذاتی معاونت بھی اس میں شامل ہوگی۔ گوادر کے قریب سعودی عرب ''آئل سٹی'' بنانے کے لیے بھی تیار ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں سعودی عرب، پاکستان کو کم نرخوں پر تیل بھی مہیا کرے گا۔ یہ سلسلہ سعودی عرب کی طرف سے پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ نئے پاکستان میں سرمایہ کاری کے بہت سے نئے مواقع فراہم کرنے کے اقدامات جاری ہیں۔ نئے پاکستان میں درآمدات پر ڈیوٹی لگانے کا عمل بھی شروع ہے۔ چینی مصنوعات کو مکمل طور پر ڈیوٹی فری کرنے سے قومی معیشت متاثر ہو رہی تھی۔ نئے پاکستان کے سلسلہ میں سی پیک کو مزید مستحکم بنانے کا عمل جاری ہے۔

خارجہ پالیسی

پاکستان ترقی پذیر ممالک کی صف میں ہے۔ ایٹمی قوت کا اعزاز حاصل کرنے کے باوجود اسے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اپنے کلام کے ذریعے مسلم ریاست کی وسعت اور پیغام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمر قند

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:535)

قیامِ پاکستان سے اب تک پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی بھائی چارے اور امن و سلامتی کے پیرہن میں رکھی۔ 16 دسمبر 1971ء کو سقوطِ ڈھاکہ کے بعد اس خطے میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ بقول شاعر:

میں ہنس رہا تھا تو سارا جہان میرا تھا
جب ایک غم نے رُلایا تو میں اکیلا تھا

11 ستمبر 2001ء کو سانحہ امریکن ٹریڈ سنٹر نے پاکستان کی خارجہ پالیسی پر عجب اثرات مرتب کیے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت نے نہ صرف ہماری آزادی کو تسلیم کیا بل کہ ہماری جغرافیائی نظریاتی سرحدوں کو جب بھی موقع ملا نقصان پہنچایا۔ پاکستان نے بارہا دستِ دوستی بڑھایا لیکن بھارت نے ہمارے خلوص کی توہین کی۔ 1965ء، 1971ء اور کارگل معرکوں کے علاوہ ہزاروں مرتبہ سرحدی خلاف ورزی بھارت کا معمول رہی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاءالحق اپنے اپنے دور میں عالمِ اسلام کے اتحاد کو یقینی بنانے کے لیے کوشاں رہے۔ بھٹو صاحب نے اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کر کے عالم اسلام کی ایک فوج اور ایک سکہ بنانے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے، وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی، مگر نیا خارزار ہو گا

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 166)

میاں نواز شریف نے تجارتی ذہن رکھتے ہوئے خارجہ پالیسی کو قومی معیشت کے فروغ کے لیے استعمال کیا۔ ایٹمی تجربہ، سی پیک، موٹروے، میٹرو بس، لیپ ٹاپ سکیم، آسان قرضہ جات، طالب علموں کے وظائف، اورنج ٹرین اور دیگر منصوبہ جات کی تکمیل میں نواز حکومت کا کردار قابلِ ستائش رہا۔ اگر وہ ڈیمز کی تعمیر کو یقینی بنا لیتے تو بہت سے مسائل حل ہوسکتے تھے۔ اُنھوں نے لوڈشیڈنگ کے خاتمہ کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ جنرل پرویز مشرف اور پیپلز پارٹی کے ادوار میں لوڈشیڈنگ کا اژدھا پھن پھیلائے کھڑا رہا۔ میاں نواز شریف کی ٹیم نے قابلِ قدر اقدامات کے ساتھ ساتھ اپنے مخالفین کو بہت کمزور جانا۔ عام ورکر اور عام شہری کو نظر انداز کرنے کے نتائج بھیانک سامنے آئے۔ میاں نواز شریف کے بہت سے قریبی ساتھیوں نے مال سمیٹنے میں کمال کر دیا۔ کرپشن کا رنگ، پانامہ کیس کی صورت سامنے آیا۔ راقم الحروف (ہارون الرشید تبسم) کی ذاتی رائے یہ ہے کہ میاں صاحب اپنے ساتھیوں کا احتساب نہ کر سکے۔ نون لیگ چھوڑنے والوں نے حکومت کے تمام راز افشاء کیے۔ اس طرح میاں صاحب مسائل کی دلدل میں گھرتے چلے گئے۔ ڈان لیکس، مسئلہ ختم نبوت ﷺ، غیر ذمہ دارانہ بیان بازی اور مختلف عدالتی مقدمات نے میاں نواز شریف کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ عوام نے میاں نواز شریف پر بہت اعتماد کیا لیکن عجیب بات ہے کہ وہ عیدین منانے پاکستان سے باہر جاتے رہے۔

کسی بھی لیڈر کی کامیابی کا راز عوام میں گھل مل کر رہنے میں مضمر ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بعد ہمیں حاکم تو ملے لیکن قائد نہ مل سکے۔ میاں نواز شریف سے توقع تھی کہ وہ عوام اور حکومت کے درمیان خلیج کم سے کم کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ عمران خان نے انتخابات 2013ء کے ضمن میں چار حلقوں کی گنتی کا مطالبہ کر کے آگے بڑھنا شروع کیا۔ دھرنے کا انعقاد حکومت کی انتظامی ناکامی کا باعث بنا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بات خارجہ پالیسی کی تھی۔ کچھ حقائق کا ضمنی تذکرہ بھی ضروری تھا۔ موجودہ حکومت 18/اگست 2018ء نئے پاکستان کا نعرہ لے کر آگے بڑھی ہے۔ سبک رفتاری، اچھی بات صحیح لیکن صبر و تحمل بھی بہت ضروری ہے۔ وزیرِ اعظم پاکستان عمران خان کا دورۂ سعودی عرب، وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کا دورۂ امریکا بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پاکستان دنیا کے تمام ممالک سے خیر سگالی کے تعلقات قائم کرنے کا خواہاں ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ کا جھکاؤ بھارت کی طرف ہے۔ نئے پاکستان میں ہمیں اعتدال سے کام کرنا ہوگا۔ مسلم ممالک پاکستان سے نہ صرف محبت کرتے ہیں بل کہ پاکستان کو اپنا سربراہ تسلیم کرتے ہیں۔ جنرل راحیل شریف نے عالمِ اسلام کے دفاع کے لیے جو خدمات انجام دیں۔ اُنھیں بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جنرل قمر جاوید باجوہ سرحدی دفاع کے ساتھ ساتھ ملک کے اندرونی محاذ کے استحکام کے لیے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ نئے پاکستان کے داعی اگر اپنے اصل مقصد پر قائم رہے تو بھارت عالمی برادری میں تنہا رہ جائے گا۔

اس نئی آگ کا اقوامِ کُہن ایندھن ہے
ملتِ ختمِ رُسُلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:234)

پاکستان کو اُمتِ مسلمہ کے اتحاد کے لیے ہمہ وقت جد و جہد کرنی چاہیے۔ غیر مسلم قوتیں ہماری نسلِ نو میں الحاد پیدا کر رہی ہیں۔ اسرائیل، بھارت اور اُن کے ہم نوا پاکستان میں مخرب الاخلاق لٹریچر سے نسلِ نو کو دین سے دور کر رہے ہیں۔ خصوصاً پاکستان میں بھارتی ثقافت کی یلغار جاری ہے۔

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:275)

اسلامی تعلیمات کے فروغ اور پاکستانی فکر کی ترویج کے لیے نئے پاکستان کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ آج دنیا بھر میں پاکستان کے سفارت کار موجود ہیں۔ اگر یہ سفارت کار پاکستان کے قومی ایام اور اسلامی تہواروں پر تقاریب کا اہتمام کریں تو پاکستان کا تشخص بہت بلند ہو سکتا ہے۔ ''قومی زبان تحریک'' نے اُردو کے لیے جو جدوجہد کی ہے اُس کی تکمیل بھی بہت ضروری ہے۔ سفارت خانوں کو نظریۂ پاکستان اور نئے پاکستان کی ترجیحات کی تشریح کے لیے اپنا فریضہ انجام دینا ہو گا۔ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کا مؤقف واضح ہو چکا ہے۔ اب ہمارے سفارت کاروں کو پاکستان کی نمائندگی کا فریضہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر افغانستان، پاکستان، ایران، ترکی اور سعودی عرب ایک لائن میں متحد ہو کر ترقی کی شاہراہ تلاش کر لیں تو دنیا کی کوئی طاقت عالم اسلام کو شکست نہیں دے سکتی۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

پُرانے طرزِ عمل میں ہزار مشکل ہے
نئے اُصول سے خالی ہے فکر کی آغوش

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 238)

پاکستان کے استحکام اور بقاء کا تعلق بہترین خارجہ پالیسی پر منحصر ہے۔ اقبالؒ نے اس ضمن میں ہماری یوں رہنمائی کی ہے۔

اس نشاط آباد میں گو عیش بے اندازہ ہے
ایک غم، یعنی غمِ ملت، ہمیشہ تازہ ہے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 179)

بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خاک
رُوح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکبیر

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 642)

تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا!
آگئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا!

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 227)

تازہ ویرانے کی سودائے محبّت کو تلاش
اور آبادی میں تُو زنجیریِ کشت و نخیل

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 287)

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلیم

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 389)

اس کی بڑھتی ہوئی بے باکی و بے تابی سے
تازہ ہر عہد میں ہے قصۂ فرعون و کلیم

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 542)

خیر ہے سلطانیِ جمہور کا غوغا کہ شر
تُو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص: 703)

صنعتوں کے قیام وفروغ میں زراعت کی اہمیت

نئے پاکستان کی ترقی کا دارومدار صنعت وزراعت پر منحصر ہے۔روس دفاعی طور پر مضبوط تھا لیکن صنعتی اعتبار سے کمزور ہو چکا تھا آج روس ٹکڑوں میں بٹ چکا ہے۔ پاکستان میں تجارت کے لاتعداد مواقع پیدا کیے جا سکتے ہیں۔تاجروں، صنعت کاروں اور کاریگروں میں رابطہ بہت ضروری ہے۔صنعتی ترقی، زراعت سے وابستہ ہے۔کسان کی شب وروز محنت سے زلفِ روزگار سنورتی ہے۔ کھیت کھلیان اُسی وقت سونا اُگل سکتے ہیں جب زمین کا سینہ چاک کرنے والے جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہوں۔زراعت اور صنعتی ترقی کے لیے پاکستان میں کم توجہ دی گئی ہے۔اگر حقیقت پسندانہ بات کی جائے تو ہمارے حکمران صرف کرسی ''کاشت'' کرتے رہے۔درآمدات کا گراف بہت بلند ہے جب کہ برآمدات کا باب تشنہ کام ہے۔ پاکستان کی معدنی ترقی سے صنعتی ترقی کو فروغ مل سکتا ہے۔سیم اور تھور سے متاثرہ زمینوں کو کاشت کے قابل بنانے کے لیے مسلسل کوشش کی ضرورت ہے۔ چنیوٹ اور سرگودھا کی پہاڑیوں سے لوہا نکلنے کے اثار منظرِ عام پر آئے تھے لیکن نتائج کہاں ہیں۔ سٹریس، نمک، کینو، مالٹا اور دیگر پیداوار سے فائدہ اُٹھانے کی اشد ضرورت ہے۔اقبالؒ کہتے ہیں:

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں! ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو ، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو ، منزل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

(بانگِ درا،کلیاتِ اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:192)

پاکستان زرعی اعتبار سے براعظم ایشیاء کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے۔اس طرح مجھے یقین ہے کہ اگراس کی زرعی پیداوار کو صنعتوں کے قیام اور فروغ میں پورا پورا اور بہترین طریقے سے استعمال کیا جائے تو یہ اپنے عوام کی مشہور و معروف کاریگری کی روایات اور جدید تکنیکوں میں مہارت حاصل کرنے کی قابلیت کے ساتھ صنعت و حرفت کے میدان میں بھی اپنا سکہ جمالے گا اور ایک گہرا مستقل اور منفرد نقش قائم کرے گا۔(27/اپریل 1948ء کراچی چیمبرز آف کامرس)

پاکستان کی معیشت تغیر و تبدل کا شکار رہی۔ہم غیر ملکی قرضہ جات اُتارنے کے لیے مزید قرضے لیتے رہے۔ کچھ لوگ پاکستان کا کھاتے رہے لیکن غیر ملکی بینکوں میں اپنا سرمایہ محفوظ کرتے رہے۔ایسے چہرے بھی عوام الناس فراموش نہیں کر سکتے کہ وہ لوگ پاکستان میں رہ کر غیروں کے گیت الاپتے رہے۔اُن کا سرمایہ غیروں کے کام آیا۔اُن کے منافع کی حدود کمپیوٹر کی دسترس سے بھی تجاوز کرنے لگی۔ غیر ملکی قرضوں نے ہمارے ہاتھ میں کشکول دیئے رکھا۔ نئے پاکستان اور تبدیلی آگئی کا نعرہ شرمندۂ تعبیر اُسی صورت میں ہوسکتا ہے جب غیر ملکی قرضوں سے نجات ملے گی اور پاکستان میں مہنگائی کا گراف کم ہوگا۔18/اگست 2018ء سے پاکستان میں تبدیلی کا سفر شروع ہوا۔ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے مہنگائی کے نئے دور نے عوام پر تبدیلی کا سائبان تان لیا ہو۔روزمرہ چیزوں کی مہنگائی عوام کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔یہ درست ہے کہ ہماری معیشت اس وقت آئی سی یو وارڈ میں پڑی ہے۔اس کے بائی پاس کی ضرورت ہے لیکن بائی پاس کا خرچ عوام سے کیوں کر لیا جائے۔جیسا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ محمد اقبالؒ پاکستان کے لیے فعال معیشت کا خواب دیکھتے تھے اِسی طرح نئے پاکستان کو ایک عام شہری کے لیے سودمند اور کارمند بنانا پڑے گا۔

مساوات پر مبنی معاشی نظام

معاشی ترقی کا انحصار محنت، پیداوار اور مساوات پر مبنی ہے۔ ہمارے ملک کا کسان سخت

محنت کرتا ہے جب کہ اُس کی محنت کا پھل سرمایہ دار وصول کرتا ہے۔ دولت کی تقسیم کا منفی پہلو کھیت اور کھلیان سے شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ مزدور، کسان اور محنت کش کو اپنا حق حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک زمین کا سینہ چاک کر کے ملکی خوشحالی کے لیے کام کرنے والوں کا برابر حق ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے مزدور کی عظمت کا پیغام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور، اقبالؒ دُعا گو ہیں:

تُو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے کا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات!

(بالِ جبریل، کلیات اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص: 400)

علامہ محمد اقبالؒ نے مساوات، اخوت، مروّت اور انصاف کا ایسا پیغام دیا جسے تحریکِ انصاف کو پورا کرنا چاہیے۔ بابائے قومؒ نے صحت کی خرابی کے باوجود سٹیٹ بنک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب یکم جولائی 1948ء میں شرکت فرمائی۔ اُنھوں نے اپنے خطاب میں معاشی نظام کے حوالے سے فرمایا:

''اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانی پڑے گی۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے۔ جو مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو ایسا نظام پیش کر کے گویا ہم مسلمانوں کی حیثیت میں اپنا فرض انجام دیں گے۔ انسانیت کو سچے اور صحیح امن کا پیغام دیں گے کہ صرف ایسا امن ہی بنی نوع انسان کو جنگ کی ہولنا کی سے بچا سکتا ہے اور صرف ایسا امن ہی بنی نوع انسان کی خوشی اور خوشحالی کا ضامن و محافظ ہو سکتا ہے۔''

مذکورہ تقریب میں نئے پاکستان میں تجارت اور کاروبار کے فروغ کے ضمن میں بھی قائداعظمؒ نے فرمایا:

''تجارت اور کاروبار کے پہیوں کو ہمواری سے چلتا رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ غیر مسلموں کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے بلا تاخیر پورا کیا جائے۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ پاکستانیوں کو بنک کاری میں تربیت دینے کے منصوبے زیرِ عمل ہیں۔ میری پر اشتیاق نگاہیں ان کی ترقی کا مسلسل جائزہ لیتی رہیں گی۔ مجھے یقین

ہے کہ سٹیٹ بنک کو تمام متعلقہ اداروں تنظیموں، بنکوں اور یونی ورسٹیوں کا تعاون حاصل رہے گا۔ سٹیٹ بنک کا بنیادی مقصد ان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ بنکاری سے معاشیات کی ایک نئی اور وسیع دنیا کھل جائے گی جس میں ہمارے جوانوں کی ذہانت کو کھل کر پھلنے پھولنے کا پورا پورا موقع ملے گا۔ مجھے اعتماد ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے جوان بڑی تعداد میں آگے بڑھیں گے اور تربیت کی سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ صرف خود کو فائدہ نہ پہنچائیں گے بل کہ ہمارے پاکستان کی ترقی کی دوڑ میں بھی حصہ لیں گے۔"

پاکستان میں موجود بنگالیوں اور افغانیوں کا کردار

16 ستمبر 2018ء اتوار کو وزیر اعظم عمران خان نے اعلان کیا ہے کہ جو بنگالی یا افغانی پاکستان میں پیدا ہوئے اُنھیں پاکستانی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ فراہم کیے جائیں تا کہ اگر وہ پاکستان چھوڑنا بھی چاہیں تو وہ پاکستان کے سچے کھرے سفیر ثابت ہوں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے انسانی ہمدردی کے تحت کم از کم سات لاکھ افغانیوں کو پاکستان میں پناہ دی۔ کراچی اور اُس قرب جوار میں بنگالیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ پاکستانیوں نے افغان بھائیوں کی اخلاقی، مالی اور انسانی امدادیں بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ مقامِ افسوس ہے کہ بہت سے جرائم خصوصاً دہشت گردی میں کچھ افغانیوں کی شرکت نے اعتماد کی دیوار گرادی پاکستان میں مقیم غیر ملکیوں کو اس کے استحکام کے لیے کام کرنا چاہیے۔

پانی، بجلی، ڈیمز

پانی، ہر ذِی رُوح کی ضرورت ہے۔ بھارتی جارحیت کی وجہ سے ہمارے آبی ذخائر کم ہوتے جارہے ہیں۔ ڈیمز کی کمی کے باعث بجلی کا بحران سر اُٹھا رہا ہے۔ بھارتی وزیرِ پانی و بجلی کا کہنا ہے کہ پاکستان عنقریب بوند بوند پانی کو ترسے گا۔ اُن کے میڈیا نے ڈیمز کے لیے چندہ مہم کو بھیک سے تعبیر کیا ہے۔ بھارتی میڈیا کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے ہمارے دانش وروں کو اپنا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ سپریم کورٹ چیف جسٹس ثاقب نثار اور آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ اس ضمن میں تاریخی کردار ادا کر رہے ہیں۔ کالا باغ ڈیم کی سیاسی مخالفت سے ہمیں بہت نقصان پہنچ چکا ہے۔

اسے ''پاکستان ڈیم'' کا نام دے کر تعمیر کر کے خوشحالی کا راستہ ہموار کیا جائے۔ پاکستانی ایک زندہ قوم ہیں۔ 1965ء کا دفاعی فنڈ ہو یا 1971ء کی جنگ میں معاونت، کارگل معرکہ ہو یا قحط زدہ افراد کی امداد، سیلاب زدگان کی مدد ہو یا زلزلہ متاثرین کے لیے امداد، قرض اُتارو، ملک سنوارو، مہم ہو یا خیراتی اداروں کا قیام، اہل وطن نے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ڈیمز پاکستان کی بقاء اور ترقی کی ضامن ہیں۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ثاقب کی سوچ قابلِ تعریف ہے کہ اُنھوں نے ڈیمز کے لیے فنڈز کا آغاز اپنی تنخواہ سے کیا۔ تادمِ تحریر (28 ستمبر 2018ء) چندہ مہم زوروں پر ہے۔ اُمید ہے کہ نئے پاکستان میں نئے ڈیمز تعمیر ہوں گے اگر موجودہ حکومت نے کالا باغ ڈیم تعمیر کروا دیا تو تاریخ اس معرکہ کو فراموش نہیں کرے گی۔ اگر اس ڈیم کو ''پاکستان ڈیم'' کا نام دیا جائے تو کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرنے والوں میں کچھ غیرت بیدار ہو سکتی ہے۔ ڈیمز کی تعمیر سے نہ صرف پانی کی قلت دور ہو گی بل کہ بجلی مہیا کرنے میں بھی آسانی رہے گی۔

تعلیم و تربیت

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نئی اسلامی مملکت کی خوشحالی ''تعلیم'' سے وابستہ رکھتے ہیں۔ تعلیم کے بل بوتے پر ہی کوئی ملک ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک ملک میں یکساں نظام تعلیم نافذ نہ ہو سکا۔ نئے پاکستان کے حکمرانوں نے یکساں نظام تعلیم نافذ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد ہوا تو قومی یکجہتی کی طرف اہم قدم ہو گا۔ گزشتہ چند سال سے قومی مشاہیر کو نصاب سے خارج کرنے کی کوشش جاری ہے۔ 2016ء سے پنجاب میں پانچویں اور آٹھویں جماعت سے مطالعہ پاکستان خارج کر کے نسلِ نو کو پاکستان سے دور رکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمارا نصابِ تعلیم خود ماتم کناں ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ، ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ، سر سید احمد خان، محترمہ فاطمہ جناح، خان لیاقت علی خان، ایسے قومی ہیروز ہمارے نصاب میں صرف ایک چنگاری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مغربی نظام تعلیم کی وجہ سے طبقاتی تفریق بڑھ رہی ہے۔ مذہبی موضوعات کم ہو رہے ہیں۔ کلیسا کے نظامِ تعلیم کے بارے میں اقبالؒ نے خوب نشاندہی کی ہے:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

(ضربِ کلیم، کلیات اکادمی، ص: 599)

ہمارے طالب علموں میں صلاحیتوں کی کمی نہیں ہے۔ بیرونِ ملک یونی ورسٹیوں میں ہمارے طالب علم اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ جہاں تک امتحانی نظام کا تعلق ہے تو حیران کن نتائج اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ مقابلے کے امتحانات میں اعلیٰ نمبر حاصل کرنے والے ناکام رہتے ہیں اور یوں اُن کا امتحان ایک سوالیہ بن چکا ہے۔ نجی تعلیمی ادارے من مانی فیس اور اپنا تیار کردہ نصاب پڑھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے تعلیم ضمن میں کہا ہے:

جب پیرِ فلک نے وَرق ایام کا اُلٹا
آئی یہ صدا، پاؤ گے تعلیم سے اعزاز

(بانگِ درا، کلیاتِ اکادمی، ص:275)

قومی ترقی اور نئے پاکستان کے اوراق اعلیٰ تعلیم سے ہی منور ہو سکتے ہیں۔ جدید تعلیم درست سہی لیکن تعلیم کو مغربی چھری سے ذبح کرنا ظلم ہے۔ ہمیں اپنے اباؤ اجداد سے تعلق قائم رکھنا چاہیے۔ اقبالؒ اپنی نظم ''مسلمان اور تعلیم جدید'' میں کہتے ہیں:

مرشد کی یہ تعلیم تھی اے مسلمِ شوریدہ سر
لازم ہے رہرو کے لیے دُنیا میں سامانِ سفر
اس دَور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا
ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیشتر
رہبر کے ایماسے ہوا تعلیم کا سودا مجھے
واجب ہے صحرا گرد پر تعمیل فرمانِ خضر

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص:272)

قرآنی تعلیمات سے اہلِ مغرب نے فائدہ اُٹھایا۔ یورپ کے بہت سے تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات کے تراجم سے استفادہ کیا گیا۔ مجھے یاد ہے جب صدرِ پاکستان جنرل ایوب خان، چین کے صدر چیون لائی سے ملے تو اُنھوں نے کہا '' آپ لوگ قرآن پاک صرف پڑھتے ہیں۔ ہم اُس کی تعلیمات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔'' قراردادِ مقاصد میں اسلامی نظام تعلیم کو خاص اہمیت دی گئی لیکن آہستہ آہستہ جدید تعلیم کے نام پر مغربی نظام تعلیم نے سرایت کر لی۔ اقبالؒ دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اِسی قُرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

(ضربِ کلیم،کلیات اکادمی،ص:528)

یورپی یونی ورسٹیوں میں پائے جانے والی اسلامی کتب دیکھ کر اقبالؒ بول اُٹھتے ہیں:

مگر وہ علم کے موتی ، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں ،تو دل ہوتا ہے سیپارا

(بانگِ درا،کلیات اقبال،غلام علی اینڈ سنز،ص:180)

نئے پاکستان کے لیے ''یکساں نظامِ تعلیم'' کا نفاذ ضروری ہے لیکن اس کا نفاذ جوئے شیر لانے کی مترادف ہے۔وزیرِ اعظم عمران خان نے نئے پاکستان میں یکساں نظامِ تعلیم کا نعرہ تو لگا دیا ہے لیکن اس کی عملی شکل کیا ہوگی؟

اُس جُنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

(ضربِ کلیم،کلیات اکادمی،ص:596)

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر

(ضربِ کلیم،کلیات اکادمی،ص:666)

جوہر میں ہو 'لا اِلہٰ' تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ

(ضربِ کلیم،کلیات اکادمی،ص:600)

تعلیمِ مغربی ہے بہت جرأت آفریں
پہلا سبق ہے، بیٹھ کے کالج میں مار ڈِینگ

(بانگِ درا،کلیات اکادمی،ص:316)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ تعلیم اور نصاب کے حوالے سے درج ذیل اشعار میں ہماری رہنمائی کررہے ہیں۔اِن اشعار کے حُسنِ معانی پر توجہ دی جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ تعلیم

ہمارے لیے سانس کی طرح ضروری ہے۔ سانس کے لیے تازہ ہوا کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن جسم تو پرانا ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے آباء سے نسبت بھی قائم رکھیں اور آگے بڑھنے کی کوشش بھی کریں۔ پاکستان پرانا ہو یا نیا دینی مدارس عصرِ حاضر کی تعلیم سے دور اور جدید تعلیم کا پرچار کرنے والے اسلامی تعلیمات سے نابلد ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ دونوں کو یکجا کرنے کا خواب دیکھتے رہے۔ نئے پاکستان کا تقاضا ہے کہ اُس تعلیمی فاصلے کو دور کیا جائے جس نے معاشرے کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ تعلیمی نصاب کی از سرِ نو تشکیل بہت ضروری ہے۔ نصابِ تعلیم کو مفید اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ریٹائرڈ ماہرینِ تعلیم سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ملاحظہ ہوں چند اشعار:

تعلیمِ پیرِ فلسفۂ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستیِ غائب کی ہے تلاش

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص: 275)

بنایا ذرّوں کی ترکیب سے کبھی عالم
خلافِ معنیِ تعلیمِ اہلِ دیں میں نے

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص: 108)

سیہ پیرہن شام کو دے رہے تھے
ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص: 89)

مدّعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترکِ دنیا قوم کو اپنی نہ سکھلانا کہیں

(بانگِ درا، کلیات اکادمی، ص: 84)

نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد

(ضربِ کلیم، کلیات اکادمی، ص: 608)

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبُّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

(بالِ جبریل، کلیات اکادمی، ص: 432)

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مَردکِ میدانی!
کُہسار کی خلوت ہے تعلیمِ خود آگاہی

(ضربِ کلیم،کلیات اکادمی،ص:686)

رنگیں نوا بنایا مُرغانِ بے زباں کو
گل کو زبان دے کر تعلیمِ خامشی دی

(بانگِ درا،کلیات اکادمی،ص:111)

ہجر، ان قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
دو قدم پر پھر وہی جُو مثلِ تارِ سیم ہے

(بانگِ درا،کلیات اکادمی،ص:184)

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

(بانگِ درا،کلیات اکادمی،ص:238)

ہے مداوائے جنون نشترِ تعلیم جدید
میرا سرجن رگِ ملت سے لہو لیتا ہے

(بانگِ درا،کلیات اکادمی،ص:320)

انفارمیشن ٹیکنالوجی

دنیا کے بیشتر ممالک تعلیم کے شعبہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی وجہ سے دولت سمیٹ رہے ہیں۔موبائل، لیپ ٹاپ اور دیگر متعلقہ مصنوعات کی وجہ سے اُن کے تعلیمی نصاب میں بھی تبدیلی آ رہی ہے۔ارفع کریم رندھاوا نے صرف 9 برس کی عمر میں مائیکروسوفٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل کا امتحان پاس کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ارفع کریم نہ صرف ذہین طالبہ تھی بل کہ ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔خوش نوا، خوش مزاج، خوش اطوار اور خوش ادا، ارفع کریم سے سب پیار کرتے تھے۔ارفع کریم کی وجہ سے 2004ء کو پاکستان آئی ٹی کی دنیا میں ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ارفع کریم 2 فروری 1995ء کو فیصل آباد کے قریب گاؤں رام دیوالی میں پیدا ہوئیں۔ ارفع کریم 14 جنوری 2012ء کو صرف تقریباً سترہ سال کی عمر میں عالم بالا منتقل ہو گئیں۔قوم کی اس

بیٹی نے کم عمری میں آئی ٹی کی دنیا میں پاکستان کا نام سربلند کیا اور بھی بہت سے طلباء وطالبات اس میدان میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ نئے پاکستان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کا فروغ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس سے ہم نہ صرف تعلیمی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں بل کہ ذرائع آمدنی میں اضافے کی راہ بھی ہموار ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ایک قابل توجہ ہے کہ پاکستانی نوجوانوں کو لیپ ٹاپ اور موبائل کے منفی استعمال سے دور رکھنے کے لیے اقدامات کرنا ہمارا معاشرتی فریضہ ہے۔

کرپشن کا خاتمہ

نئے پاکستان کے نعرہ میں کرپشن کا خاتمہ سرِفہرست ہے۔ حکومت نے کرپشن سے پاک پاکستان کے قیام کے لیے جدوجہد شروع کر دی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں دنیا کی سب سے بڑی عدالت ہمارا ضمیر ہے۔ جو قوموں کا ضمیر زندہ ہوتا ہے اُنھیں زوال نہیں آتا۔ قیامِ پاکستان سے اب تک کرپشن کے خاتمہ کے لیے آواز بلند ہوتی ہے لیکن کچھ عرصہ بعد یہ بے آواز ہو جاتی ہے۔ اگر ہم کرپشن کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ دنیا کی سب سے مہلک بیماری بدعنوانی ہے۔ بدعنوان لوگوں نے پاکستان کی ترقی کا سفر روک لیا ہے۔

انسان کائنات کی اٹل حقیقت ہے۔ یہ دنیا ایک تجربہ گاہ اور امتحان گاہ ہے رب العالمین نے انسان کو تسخیرِ کائنات کے لیے پیدا کیا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ اللہ رب العزت کا نائب، خلیفہ اور اُس کا نمائندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لاتعداد صلاحیتوں اور لامحدود نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ انسان اپنے نیک اعمال سے فرشتوں سے بھی بالاتر درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

عمل کی بنیاد پر ہی انسانی زندگی کندن بنتی ہے۔ بداعمالی سے تباہی و بربادی اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔ خیر اور شر دونوں ہی انسان کی سرشت میں شامل ہیں۔ نیکی اور برائی کی دونوں راہیں انسان کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میں فرق کی شناخت کے لیے انسان کو شعور کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:274)

اہلِ خیر اللہ تعالیٰ کے احکامات دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں جب کہ

شیطان بھی اپنی عادت فراموش نہیں کرتا۔اُس کی سرشت میں اللہ کریم کے بندوں کو راہِ حق سے بھٹکانا اور باطل کی راہ دکھانا ہے لیکن اللہ تعالیٰ خوف رکھنے والے، دوسروں کو نیکی، خیر خواہی اور امن و سلامتی کا راستہ دکھاتے ہیں جب کہ شیطان لالچ اور حرص دے کر انسانوں کو اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔ظاہری چمک دمک اور عیش ونشاط کی محافل میں اُلجھا انسان اپنی اصلی حیثیت بھول جاتا ہے۔وہ اپنی بے جا خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔اپنے ماحول اور معاشرے کا حق مارتا ہے۔وہ خود کو دوسروں سے بالاتر رتبے کا خواہاں ہو جاتا ہے۔اپنے نفس کی تسکین کے لیے وہ بدعنوانی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔اپنی حیثیت سے بالاتر ہو کر لوٹ مار، قتل وغارت، ڈاکہ زنی، چوری، رشوت اور اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال سے وہ چند روزہ زندگی کو اُلجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر لیتا ہے۔

زندگی کے حقیقی عنوان سے بھٹکنے والے بدعنوانی کا شکار ہوتے ہیں۔کرپشن کا یہ راستہ کسی ایک نقطے پر مرکوز نہیں رہتا۔وسعتِ کائنات کی طرح یہ بھی دائرہ در دائرہ اپنا جال بچھاتے ہیں۔بدعنوانی ایک جال ہے جس میں لالچ، طمع، حرص، جھوٹ، مکاری، فریب اور خودنمائی کے خوش نما نگینے جڑے ہیں۔کم فہمی اور خود فریبی کے شکار لوگ، ان جھوٹے نگوں کی چمک سے اپنی حقیقت فراموش کر جاتے ہیں۔اُن کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔اُنھیں اپنی ذات کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ کے وصال کے بعد دولت کے پُجاریوں کا ایک گروہ شیطانیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنا اُلو سیدھا کرنے میں مصروف ہو گیا۔1947ء سے بدعنوانی نے پاکستان میں پہلے گھونسلہ بنایا اور پھر اپنا مسکن ہی تیار کر لیا۔1947ء کے بعد سے اب تک اینٹی کرپشن کے ایکٹ بنے، شعبہ جات قائم ہوئے، کم از کم 30 مرتبہ کسی نہ کسی حوالے سے کرپشن کے خلاف اقدامات کا آغاز ہوا۔یکم نومبر 1999ء میں ایک جامع قانون NAB (National Accountability Bureau) نفاذ ہوا۔قومی احتساب بیورو نے نامساعد حالات میں بہت سے بدعنوان عناصر کا پوسٹ مارٹم کیا۔اس ادارہ نے کرپشن کے پھن پھیلائے اژدھا کو قابو میں لانے کی کوشش شروع کی۔نیب نے کرپشن کے خلاف شعور بیدار کرنے، کرپشن روکنے اور کرپشن کو قوت کے ساتھ ختم کرنے کی بھرپور جدوجہد کی۔الحمدللہ! سیاسی دباؤ کے باوجود نیب نے کئی مگرمچھ قابو کر کے اُن کے حلق سے قومی دولت نکلوانے میں کامیابی حاصل کی۔

عصرِ حاضر میں پاکستان کی ترقی بدعنوانی کی وجہ سے متاثر ہو رہی ہے۔ بدعنوان عناصرِ پاکستان کی تعلیم، صحت اور بنیادی ضرورتوں کی تکمیل میں حائل ہیں۔ پاکستان کی 60 فیصد آبادی غربت کا شکار ہے۔ صاف پانی، طبی سہولتوں، تعلیمی سرگرمیوں، بجلی، گیس اور اسی قسم کی لازمی ضروریات سے محروم یہ طبقہ گداگری اور دیگر سٹریٹ کرائمز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم کرپشن اور بدعنوانی کے خلاف اجتماعی جنگ کریں۔ آج ہم جن مسائل کا شکار ہیں وہ بدعنوانی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ محبِ وطن طبقہ بدعنوانی سے پاک پاکستان کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعنوانی کے خلاف جنگ میں ہم سب ایک ہیں۔ مقاصد کے حصول کے لیے ایمان داری، محنت، حب الوطنی اور خلوصِ نیت بہت ضروری ہے۔ سماجی انصاف کا راستہ بدعنوانی کے خاتمہ سے ہی ممکن ہے۔ پاکستان کو کرپشن سے پاک کرنے کے لیے اخلاقی اقدار کا فروغ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ہم پاکستانی صلاحیتوں کے اعتبار سے کسی دوسری قوم سے کمتر نہیں ہیں۔ ہمیں پاکستان کو خوش حال اور فعال ملک بنانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے۔ دہشت گردی کے بعد پاکستان کو سب سے بڑا خطرہ بدعنوانی سے ہے۔ چند لوگ کرپشن کے بل بوتے پر راتوں رات امیر ہونے کے خواب پورے کرنا چاہتے ہیں۔ باکردار قوم کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ پاکستان کو مستحکم ملک بنانے کے لیے ہمہ وقت محنت کرنی چاہیے۔ عوام کو چاہیے کہ وہ ملک سے کرپشن کا خاتمہ کرنے کے لیے ایمان داری اور دیانت داری کا مظاہرہ کریں۔ قوم کے ہر فرد کو تنظیم، اتحاد، وقت کی پابندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ بدعنوانی کے خاتمہ کے لیے ہمیں ضبطِ نفس اور حسنِ اخلاق کو اپنی خوبی بنانی چاہیے۔ بلند کردار سے ہی انسان باوقار بنتا ہے۔ مسلمانوں کی اعلیٰ خوبیوں کو غیر قوموں نے اپنا کر عروج حاصل کر لیا ہے۔ ہم انسانی اقدار کو فراموش کر رہے ہیں۔ اہلِ وطن کو ماضی کا حسن کشید کر کے اپنے حال کو بہتر بنانا چاہیے۔

پاکستان کرپشن کی دلدل میں گھرا ہوا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے سیاست دان کسی نہ کسی طور کرپشن کی زد میں ہیں۔ 2016ء ''پانامہ لیکس'' نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے۔ چھوٹی عدالتوں سے سپریم کورٹ تک پانامہ کی مقبولیت روزمرہ استعمال ہونے والے ''پاجامہ'' سے کمتر نہیں ہے۔ پانامہ کیس میں دنیا بھر کے سرمایہ داروں، جاگیرداروں کے نام منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔ تحریکِ انصاف اور ن لیگ کی توپیں بر سرِ جنگ ہیں۔ عدالتِ عظمیٰ خود حیران ہے کہ اندرونِ عدالت اور بیرونِ عدالت بیانات کا

سیلِ رواں کسی مقام پر تھمنے کو تیار نہیں ہے۔نتائج کچھ بھی ہوں پاناما لیکس نے پاکستان میں ہونے والی کرپشن کو بے نقاب کر دیا ہے۔جب مقتدرہ حضرات ہی کرپشن زدہ ہو چکے ہیں تو ایک عام شہری سے ایمان داری اور دیانت داری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟اِس کرپشن نے ہمارے ملک کو اس انداز سے نقصان پہنچایا ہے جس طرح دیمک مضبوط ترین لکڑی کو بھی کھا جاتی ہے۔لالچ اور ہوس نے پاکستانیوں کو امیر اور پاکستان کو غریب کر دیا ہے۔فلک بوس کوٹھیاں، قیمتی ترین گاڑیاں، شادی بیاہ کی تقریبات میں شہ خرچیاں کس طرح ممکن ہو سکتی ہیں۔اِن کے پس منظر میں کرپشن کے حاصل کردہ مال کارفرما ہے۔چہرے پہ چہرہ چڑھا ہے، کرپشن کا مال تلاش کرنے کے لیے کوئی آلہ نظر نہیں آتا۔کالا دھندہ کرنے والوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔یہی وجہ ہے غربت پھن پھیلائے کھڑی ہے۔میڈیا کی وہ ٹیمیں جو کرپشن کے خاتمہ کے لیے برسرِ عمل ہیں اُنھیں مختلف انداز سے دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔تمام تر رکاوٹوں کے باوجود میڈیا سچائی سامنے لانے کے لیے برسرِ جنگ ہے۔

اخلاقی اقدار اور جذبۂ دردِ دل ایسے خزینے ہیں جو کسی بھی قوم کو قابلِ احترام بناتے ہیں۔اینٹی کرپشن کا سب سے بڑا ادارہ ہمارے جسم میں دل ہے۔ضمیر کی عدالت کا جج کرپشن کا احتساب کر سکتا ہے۔ہمیں زندگی کے معاملات میں دیانت کے حسن اور صداقت کے جمال کو اپنا کر ایک قابلِ مثال قوم بننا چاہیے۔ہمیں گفتار اور کردار میں مطابقت پیدا کرنی چاہیے۔اساتذہ قومی ترقی کے ہیرو ہیں۔نسلِ نو کو سچا مسلمان اور کھرا پاکستانی بنانے کے لیے اساتذہ کی کاوشوں کو کسی طور پر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کرپشن کے بارے میں کہا ہے:

رشوت ستانی، بد دیانت۔ایک زہر

ہندوستانی اس وقت جن بد ترین لعنتوں میں گرفتار ہیں ان میں رشوت ستانی اور بد دیانتی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے دوسرے ممالک ان کا شکار نہیں، مگر میرا خیال ہے کہ ہماری حالت اس معاملے میں بدتر ہے۔فی الحقیقت یہ ہمارے لیے زہر ہیں ہمیں ان برائیوں کو نہایت سختی کے ساتھ کچلنے کی ضرورت ہے۔مجھے اُمید ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہوگا آپ ان لعنتوں کا خاتمہ کرنے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں گے اور مناسب قوانین بنائیں گے۔

(دستور ساز اسمبلی سے خطاب 11 / اگست 1947ء)

چور بازاری۔ایک لعنت

کرپشن کسی ایک دائرے تک محدود نہیں ہے۔سب سے بڑی کرپشن ہمارے ذہن میں جنم لیتی ہے۔ جب ہم اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے دوسروں کا حق مارتے ہیں۔تو ہمارا ضمیر بے حسی کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔چور بازاری کا دائرہ بھی پھیلتا جا رہا ہے۔چور بازاری کا دروازہ ذخیرہ اندوزی کے گودام کی زینت بنتا ہے۔ ہمارے ملک میں رمضان المبارک کا استقبال چوری بازاری اور ذخیرہ اندوازی سے کیا جاتا ہے۔اس کے محرک پھر بھی خود کو مسلمان کہلواتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر کئی ذخیرہ اندوز دکھائے تو جاتے ہیں لیکن اُنھیں سزا کو دیتا ہے؟ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فکر انگیز خیالات کا اظہار کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

> ''چور بازاری ایک لعنت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ چور بازاری کرنے والوں کو اکثر پکڑا جاتا ہے اور سزا دی جاتی ہے۔ کبھی کبھی حوالات بھیجا جاتا ہے۔ جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے لیکن اس موذی مرض سے نمٹنے کے لیے زیادہ سختی اور بے دردی کی ضرورت ہے۔ جو آج معاشرے کے خلاف ایک زبردست جرم کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور بالخصوص ہمارے ان بگڑے ہوئے حالات میں جب کہ ہم خوراک اور دوسری ضروریات زندگی کی قلت کا شکار ہو گئے ہیں۔ پاکستان کا جو شہری چور بازاری کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ میرے خیال میں گھناؤنے سے گھناؤنے جرم سے بھی زیادہ گھناؤنے جرم کا مرتکب ہے یہ لوگ خوراک اور دیگر اشیائے خوردنی کی ترسیل اور بہم رسانی کے پورے نظام کو درہم برہم کر کے اجتماعی بھوک محتاجی اور حتیٰ کہ انسانوں کی موت کا سبب بنتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً بڑے ذہین، فہمیدہ سب کچھ سوچنے سمجھنے والے اور ذمہ دار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے لیے سخت سے سخت سزائیں تجویز کر کے ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔''

(دستور ساز اسمبلی سے خطاب 11 / اگست 1947ء)

رشوت ستانی اور اقرباء پروری، ایک خوفناک مرض

اختیارات کے ناجائز استعمال کا سلسلہ بہت پرانا ہے۔ رشوت زدہ تجوری کا منہ کھلتے ہی بہت سے ناجائز کام چشمِ زدن میں ہو جاتے ہیں۔ اقرباء پروری کی وجہ سے نااہل لوگ سرکاری دفاتر

کی زینت بنتے ہیں۔ زندگی کے مختلف شعبہ جات میں ناکامیوں کی سب سے بڑی وجہ نااہل لوگوں کا اہم عہدوں پر تقرر ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ مساوات اور انصاف کی دعوت دیتے رہے مگر افسوس مطلب پرست عناصر نے معاشرتی ناہمواری پیدا کردی ہے۔ ذات، برادری، صوبائی، لسانی، مذہبی اور گروہی تعلقات کی بنا پر باصلاحیت افراد کی حق تلفی ہوتی ہے۔ 28 ستمبر 2018ء کو میڈیا پر اس خبر نے پوری قوم کو چونکا دیا۔ کراچی کے ایک فالودہ فروش کے جعلی اکاؤنٹ میں سوا دو ارب روپیہ ٹرانسفر کردیا گیا۔ فالودہ فروش کا کہنا ہے کہ وہ انگوٹھا چھاپ اَن پڑھ ہے اور اُسے بینک وغیرہ کے رموز کا علم نہیں۔ اس قسم کی کرپشن جال سازی اور بددیانتی کی کئی مثالیں در پردہ ہیں۔ بابائے قوم نے اِن حرکات کو خوفناک مرض سے تعبیر کیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا:

''میں اس موقع پر آپ کے سربراہوں اور سیاستدانوں کو یہ بھی ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ کبھی آپ کے معاملات میں مداخلت کریں یا آپ پر سیاسی دباؤ ڈالیں جس کا نتیجہ بجز بددیانتی، رشوت ستانی اور اقربا پروری اور کچھ نہیں ہوتا۔ ایک خوفناک مرض جس سے نہ صرف آپ کا صوبہ بل کہ دوسرے بھی مصیبت کا شکار ہوتے ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ وہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں کر رہے۔''

(پشاور کے افسران حکومت سے خطاب، اپریل 1948ء)

کرپشن میں ملوث افراد کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ کرپٹ لوگوں کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بیرونِ ملک سرمایہ منتقل کرنے والے پاکستان کے وفادار نہیں ہوسکتے۔ منی لانڈرنگ کے متعدد کیس میڈیا اور کئی ادارے سامنے لا چکے ہیں لیکن ''بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟'' دُعا ہے کہ نیا پاکستان کرپشن سے پاک ہوسکے۔ میرے عظیم قائد محمد علی جناحؒ نے 20/اپریل 1948ء کو پشاور میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''بے شک ہم میں وہ لوگ بھی ہیں ۔ جو خودغرض ہیں۔ بددیانت اور رشوت خور اور اقرباپرور بھی ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت بالکل بے عیب ہے لیکن اب ہمارے قبضہ میں کمان حکومت ہے اور ہم آپ کی حکومت، آپ کے صوبے، آپ کی وزارت اور آپ کی سول سروس کی اچھی طرح نگرانی کر رہے ہیں۔ ہم ان سب پر سرچ لائٹ پھینک رہے ہیں اور جلد ہی ان کا ایکس رے کرکے زہر کو جسم

سے نکال پھینکیں گے لیکن آپ ذرا صبر کریں اور ہمیں کچھ وقت اور موقع دیں۔"

صحت

حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہر شہری کو تحفظ، صحت اور تعلیم مہیا کرنا ہے۔ صحت بنیادی ضرورت ہے۔ صحت کے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔ قیام پاکستان سے اب تک سرکاری سطح پر عوام کو دی جانے والی طبی سہولیات غیر تسلی بخش ہیں۔ ہیلتھ سکیمیں بنتی ہیں۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں بھی معرض وجود میں آتی ہیں لیکن غریب کا کوئی پُرسان حال نہیں۔ میرا شہر سرگودھا صرف شاہینوں کا شہر نہیں بل کہ بزمِ طارق عزیز میں مشتر کہ اعلان کے مطابق یہ شہر ہسپتالوں اور سکولوں کا شہر بھی ہے۔

ڈاکٹروں اور نرسوں کی حکومت کے خلاف آئے دن ہڑتالوں اور مطالبات نے غریب کو طبی سہولتوں سے محروم کر دیا ہے۔ موجودہ حکومت کی الیکشن مہم میں یہ بات بڑے دعوے سے کہی جا رہی تھی کہ غریبوں کو ہیلتھ کارڈ دیے جائیں گے۔ وفاقی اور صوبائی وزیرِ صحت نے جتنے ہسپتالوں کا معائنہ کیا وہاں کی حالت غیر تسلی بخش قرار دی گئی۔ پرائیویٹ ہسپتالوں کے اخراجات غریب کی پہنچ سے بہت دور ہیں۔ جس طرح پرائیویٹ سکولوں کی فیس اور سرکاری سکولوں کے اخراجات میں زمین آسمان کا فرق ہے، اِسی طرح سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتالوں کے اخراجات تفاوت کا شکار ہیں۔ صحت کے حوالے سے ایک اہم قومی المیہ ملاوٹ کا ہے۔

ملاوٹ

الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا پر جعلی ادویات فروخت کرنے والوں کی نشاندہی ہوتی رہتی ہے۔ انسانوں کو کتوں، گدھوں حتیٰ کہ انسانوں کا گوشت کھلانے والے بھی منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔ 2018ء کے آغاز میں گدھوں اور کتوں کا کڑاہی گوشت بھی پکڑا گیا مگر افسوس مجرموں کو سزا نہیں دی گئی۔ ٹی وی چینلز پر بہت سی جعلی مصنوعات سکرین پر دکھائی جاتی ہیں لیکن تجوریوں کے منہ کھلتے ہی یہ سب کچھ منظر سے ہٹ جاتا ہے۔ "اُونچی دکان، پھیکا پکوان" کے مصداق کئی بڑے ہوٹلوں ،بیکریوں، فاسٹ فوڈ شاپس، شاپنگ مالز، ڈیری فارمز اور اِسی قسم کے مراکز پر محکمہ فوڈ کی کارروائیاں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ اُن کے نتائج وزیراعظم لیاقت علی خان کے قتل کی طرح آج بھی نامعلوم ہیں۔ پاکستان کی سرکاری تجزیاتی لیبارٹری واقع کراچی کے بارے میں افسوس ناک رپورٹ ہم

سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ نئے پاکستان میں اس کی دریافت تو ہوگئی لیکن مجرموں کو سزا کون دے گا؟

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 74)

نشہ کی لعنت

ملاوٹ کے اعتبار سے نئے اور پرانے پاکستان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سادگی کا آغاز گاڑیاں فروخت کرنے میں مضمر نہیں ہے بل کہ نچلی سطح پر سادگی کا آغاز ضروری ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پرون ڈش کا اعلان بھی اپنی موت مرتا جارہا ہے۔ بڑی سڑکوں پر شامیانے لگانے کا مظاہرہ، آتش بازی کا استعمال اور جہیز کی نمائش کوئی نہیں روک سکا۔ اِن امور پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ملاوٹ کے مرتکب تو اپنی جگہ نشہ بیچنے والوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ جن بچوں کو شاہین بنانا چاہتے تھے آج ہم نے انھیں "جہاج" (جہاز) بنادیا ہے۔ وہ لوگ جو نوجوانوں کی رگوں میں اندھیرا داخل کر رہے ہیں وہ واجب القتل ہیں۔ سعودی حکومت کی طرح نئے پاکستان میں نشہ بیچنے والوں کو سرِعام سزائے موت دی جائے۔ نشہ کے عادی افراد کے علاج معالجے کے لیے اجتماعی کوشش کی ضرورت ہے۔

نشا پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

(بانگِ درا، کلیات اقبال، غلام علی اینڈ سنز، 208)

نیا پاکستان اسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے جب نشے کی لعنت کو اس ملک سے ختم کر دیا جائے گا۔ بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں اٹھارہ سال سے کم عمر کے بچوں کو سگریٹ پینے، سگریٹ بیچنے اور سگریٹ خریدنے کی اجازت نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں اِن چیزوں کی کھلی چھٹی ہے۔ یہی احکامات ڈرائیونگ کے بارے میں بھی ہیں۔ اِن چھوٹی باتوں نے، بڑے جرائم کو فروغ دیا ہے۔ مثلاً سٹریٹ کرائمز کا فروغ ہماری لاپرواہی کی وجہ سے ہے۔

تجاوزات

ہمارے بلدیاتی اداروں کی نااہلی نے تجاوزات کو فروغ دیا ہے۔ ایک تخت پوش رکھا جاتا ہے۔ تخت پوش کے چاروں اطراف ڈھانچہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ اس ڈھانچے کی شکل بہت کم عرصہ میں

دکان کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر بجلی پانی سمیت اس تجاویز زدہ تخت پوش میں دستیاب ہو جاتی ہے۔ حالیہ سروے کے مطابق دو/ تین فٹ کی دکان کے سامنے بیس بیس فٹ کا تجاوز سامنے آچکا ہے۔ ریلوے لائن کے قریب بہت سی آبادیاں ایسی ہیں کہ جہاں دو تین مرلے مکان کے سامنے پچیس تیس فٹ کا خود ساختہ مکان بھی آپ کا منتظر ہوگا۔ نئے پاکستان کا تصور اُسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے جب ہم سرکاری زمین کو قبضہ گروپ اور قبضہ مافیا سے آزاد کروا سکیں گے۔ ستمبر 2018ء میں نئے پاکستان کو مؤثر بنانے کے لیے تجاوزات کے خلاف آپریشن کا آغاز ہوا۔ 1958ء میں صدر محمد ایوب خان نے پہلی مرتبہ تجاوزات کے خلاف مہم شروع کی تھی۔ اُن کے بعد کئی حکومتوں نے تجاوزات کا خاتمہ کرنا چاہا لیکن آغاز تو ہوا انجام تک نہ پہنچ سکے۔ ہماری سب سے بڑی معاشرتی خرابی دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ دوسروں کے حقوق سلب کرنا تجاوزات کا پہلا قدم ہے۔ میاں نواز شریف کی حکومت میں بھی ایسی کارروائیاں ہوئیں لیکن اہلِ سیاست اُن کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے۔ نئے پاکستان کی خوشحالی کا راز تجاوزات کے خاتمہ میں مضمر ہے۔

سڑکیں کسی بھی معاشرے کا آئینہ ہوتی ہیں۔ تجاوزات کی وجہ سے بازاروں اور سڑکوں کا حسن بدصورتی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ٹریفک حادثات میں اضافہ تجاوزات کا پیدا کردہ ہے۔ پاکستان کا کوئی شہر تجاوزات سے محفوظ نہیں ہے۔ خود ساختہ بازاروں نے ٹریفک کے مسائل پیدا کیے ہیں۔ سرکاری زمین پر مساجد تک تعمیر کر لی گئی ہیں۔ کئی بڑی شاہراؤں کا راستہ مساجد نے روک رکھا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں تو راستے کا ایک پتھر ہٹانا صدقہ جاریہ ہے جب کہ ہم ایک دوسرے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ بے ہنگم سپیڈ بریکر (اُچھلو) بنا کر اپنا تحفظ اور دوسری کی تباہی کا بندوبست کر رہے ہیں۔ موٹروے کے علاوہ کوئی سڑک تجاوزات سے محفوظ نہیں ہے۔ نئے پاکستان میں ایک اہم نیا کام دیکھنے کو ملا ہے اور وہ تجاوزات ختم کرنے کا عزم ہے۔ قبضہ مافیا کے چہرے سامنے آرہے ہیں۔ جنھوں نے اپنے ناجائز اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے نہ صرف سرکاری بل کہ غریبوں کی زمین پر بھی قبضہ جما رکھا ہے۔ جو شخص کسی کا حق مارتا ہے وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ قبضہ مافیا نے ایک دوسرے سے بڑھ کر عام شہری کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ بقول شاعر:

رتوں پہ زور نہیں ورنہ یہ جہاں والے
ہوائیں بیچتے اور نیلامِ رنگ و بو کرتے

نئے پاکستان کا حُسن اُسی صورت نکھر سکتا ہے جب فٹ پاتھ آزاد ہوں گے اور سڑکوں کی کشادگی برقرار ہوگی۔ ہمارے پاکستانی بھائی قانون کی پاسداری نہیں کرتے اُلٹا انتظامیہ کو موردِ الزام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف کئی مقامات ایسے بھی میڈیا پر نظر آئے ہیں جہاں بلا جواز تشدد اور انتقامی کارروائیاں حکومتی اداروں کے اکاؤنٹ میں شامل کر دی گئی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جہاں ظلم اور جبر بڑھتا ہے وہاں ایک نئے انقلاب کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ تجاوزات صرف تعمیر میں ہی مضمر نہیں ہے بل کہ اختیارات سے تجاوز کرنا بھی ایسے ہی تجاوزات کا حصہ ہیں۔ پاکستان کے جتنے حکمرانوں نے تخت نشینی کو خیر باد کہا اُن کے ایامِ آخر کے جملے تکبّر سے لبریز تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکبّر پسند نہیں ہے۔ جبر، ظلم اور تشدد جب حد سے تجاوز کر جائے سمجھ لیجئے کے اندھیری رات کے بعد اُجالے کا سفر شروع ہونے والا ہے۔ بزرگ شاعر مولوی اسلم نے کیا خوب کہا ہے:

یقیناً یہ رعایا حکمراں کو قتل کر دے گی
مسلسل جبر سے اسلم، دلوں میں ڈر نہیں رہتے

نئے پاکستان کے لیے صبر وتحمل اور حدود و قیود کا خاص خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ وقت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اللہ کرے نیا پاکستان آزاد ہو، تجاوزات سے پاک پاکستان قائداعظم اور علامہ محمد اقبال کی اُمیدوں کا مرکز بن سکے گا۔

سرسبز پاکستان

نئے پاکستان کے نعرہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ پاکستان کو سرسبز بنانے کے لیے شجرکاری کو اہمیت دی جائے گی۔ اس ضمن میں خیبر پختونخواہ کی شجرکاری کو بطور مثال پیش کیا جاتا رہا۔ شجرکاری ہماری زندگی کے لیے سانس کی طرح ضروری ہے۔ انسان کی پیدائش سے وصال تک درخت اس کا ساتھی ہے۔ انسان نے آنکھ کھولی تو چارپائی کا سہارا لیا، بچپن لکڑی کے پنگھوڑے میں گزارا، سکول گیا تو لکڑی کی تختی نے ہاتھ تھاما، جوانی لکڑی سے بنے سامان کے استعمال میں گزاری، ازدواجی زندگی میں دلہن لکڑی کا فرنیچر ساتھ لائی۔ اس کے زیرِ استعمال سارا ہی سامان لکڑی کا احسان مند ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر لکڑی درخت کا بازو ہے۔ انسان کی آنکھ بند ہوئی اسے لکڑی کے ایک تختے پر غسلِ آخرت دیا جاتا ہے۔ اس کا سفرِ آخرت شہرِ خموشاں تک چارپائی پر ہی طے ہوتا ہے گویا ہماری زندگی اور درخت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

اگر ہم درخت کے ساتھ اپنے تعلق کو سامنے رکھیں تو یہ ہمیں ایک دوست کی حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ یہ درخت ہی ہیں جو اپنی طراوت، گھلاوٹ اور سجاوٹ سے ایک طرف مسافروں کو سائباں مہیا کرتے ہیں تو دوسری طرف ماحولیاتی آلودگی کے خاتمہ میں معاونت کرتے ہیں۔ ہم جس انداز سے درخت کاٹتے ہیں اسی طرح لگانے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم حسنِ فطرت کی حفاظت بھی کریں اور اس میں اضافہ کے لیے جدوجہد کو زندگی کا نصب العین بنائیں۔ ہمارے محلات حتیٰ کہ مرنے کے بعد مقامات آخرت پر بھی گل وگلزار ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ درخت نے زندگی اور موت دونوں کو ملا رکھا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں کہ

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے، پیرہن

(بالِ جبریل، کلیات اقبال، غلام علی اینڈ سنز، ص:322)

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طُور سے آتی ہے بانگِ 'لاتخف'

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص:373)

تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:62)

وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
زیبِ درختِ طُور مرا آشیانہ تھا

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:77)

سُرخ پوشاک ہے پھولوں کی، درختوں کی ہری
تیری محفل میں کوئی سبز، کوئی لال پری

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:86)

نظر ہے ابرِ کرم پر، درختِ صحرا ہوں
کیا خدا نے نہ محتاجِ باغباں مجھ کو

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:122)

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 53)

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے
ستم پہ غم کدۂ رنگ و بو کی ہے بنیاد

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 493)

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا استعارہ درحقیقت درخت اور معاشرے کا گہرا تعلق ہے۔

اسلام ہمیں نباتات، جمادات، جنگلات اور فطرت کے نشانات سے محبت کا درس دیتا ہے۔ جنت کے درختوں کا تذکرہ ہمیں عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ درختوں کی شاخوں پر پرندوں کا نشیمن بنانا، اللہ کی حمد وثناء میں چہچہانا، اُداس دلوں کو مسرت مہیا کرنا ہمارے لیے فطرت کے اشارے ہیں کہ ہم بے زباں درختوں سے پیار کریں ہمیشہ دعا گو رہیں کہ ہمارے نامۂ اعمال جس درخت کی قلم سے لکھے جائیں وہ ہمیں روشنی، حُسن، چاندنی، نور اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی عطا کرے۔

درخت لگانا صدقہ جاریہ ہے کیوں کہ درخت انسانیت کے لیے عطیۂ الٰہی ہیں۔ سانس لینے کے لیے فطری آکسیجن کی فراہمی درختوں کی وجہ سے ہے۔ آکسیجن ہمارے لیے نویدِ صحت ہے۔ ماحولیاتی آلودگی سے پاک ہوا، مہیا کرنے میں درختوں کا کوئی ثانی نہیں۔ درختوں سے غافل قومیں مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ آج مصنوعی سانس کے طریقوں نے انسان کو بیماریوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ دیہاتی اور شہری زندگی میں اسی لیے گہرا تفاوت ہے۔ حضور پاک ﷺ قرآنی آیات درختوں کے پتوں پر لکھواتے تھے۔ کھجور کے وہ درخت چومنے کے قابل ہیں جن پر وحی رقم ہوتی رہی۔ مسواک کا استعمال سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ مسواک بھی درخت سے حاصل کی جاتی ہے۔

قومی معیشت اور زراعت کے فروغ میں درختوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حیوانات کے چارے ہوں، عمارتی لکڑی، ایندھن، چپ بورڈ، بروزہ، کاغذ، کیمیائی اشیاء، ماچس، فرنیچر، کھلونوں کا سامان، ہر قسم کے پھل، مختلف غذائیات، لحمیات، سبزیات، میوہ جات اور اسی قسم کی اشیاء درختوں کی احسان مند ہیں۔ ماضی سے حال تک درخت انسان کے لیے منافع بخش ہیں: سیلابوں کا راستہ روکنے، تند ہواؤں کی روک تھام، زمین کے کٹاؤ اور دشمن سے دفاع کے لیے درختوں سے بڑا کوئی مددگار نہیں۔

پاکستان کے مربوط اور مستحکم دفاع کے لیے درختوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ بڑی نہروں، دریاؤں اور پُلوں کے کناروں پر درخت لگا کر ہم سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے دفاعِ پاکستان میں حصہ لے سکتے ہیں۔ درخت اور دفاع کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ سرحدوں کے چاروں اطراف میں درختوں کی وجہ سے دشمن کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کی جا سکتی ہیں۔ اگر ہر پاکستانی اپنی طرف سے ایک پودا لگا کر اس کی حفاظت کرے تو کروڑوں درخت ہمیں دفاعی سہولیات فراہم کر سکتے ہیں۔ درخت لگانا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کی حفاظت کرنا ہے۔ ہر سال شجرکاری مہم کے دوران ہزاروں پودے لگائے جاتے ہیں لیکن ان کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

درخت لگانے پر کوئی خرچ نہیں آتا۔ آپ اپنے گھر میں، کسی میدان میں یا اپنے تعلیمی ادارہ میں ایک پودا لگا کر سنتِ نبوی ﷺ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اہم قومی فریضہ ادا کریں۔ آپ کے تعلیمی ادارہ کے سربراہوں کو چاہیے کہ وہ ایسے بچوں کی حوصلہ افزائی کریں جو شجرکاری کی مہم میں حصہ لیں۔ نئے پاکستان کے استحکام اور تبدیلی کا تقاضا ہے کہ سرسبز پاکستان کا خواب پورا کرنے کے لیے شجرکاری مہم کو تیز سے تیز کیا جائے۔ شجرکاری کی مہم سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ صرف شجرکاری نہیں بل کہ شجرکاری کی نگہبانی اُس سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

سیاحت

اللہ کریم نے پاکستان کو لاتعداد فطری حسن سے مزین کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان میں سبھی کچھ ہے۔ آفتاب عالم تاب کی تمازت، مہتابِ درخشاں کی ضوفشانی، لہلہاتی فصلیں، سرسبز کھیت، دل فریب و دل پذیر نظارے، فلک بوس چوٹیاں، پُرکشش وادیاں، برف پوش پہاڑیاں، گنگناتی ندیاں، گیت گاتی آبشاریں، صحت افزا مقامات، قیمتی معدنیات، جواہرات، سوئی گیس، ٹھاٹھیں مارتا سمندر، رواں دواں دریا، مسکراتی فضائیں، آزاد ہوائیں، مست خرم بہاریں، نکھرتی چاندنی، مجاہدین کا بانکپن، گلوں کا حسین پیرہن، حقیقتوں کی نغمگی، درختوں کی شگفتگی، جذبہ زندگی، تابندگی، حقِ بندگی، پُرلطف شبِ تاریک، صبح روشن میرے وطن کی مانگ کا سندور ہیں۔

پاکستان غیرت ملی کا پاسباں ہے، یہ وطن جنت نشاں ہے، یہ اپنی ذات میں گلستاں ہے، یہ نور کا پیامبر، اک مسکراتی کہکشاں ہے، یہ رحمت یزداں کا دلکش ارمغاں ہے، یہ کوشش پیہم کا اک سِرِّ نہاں ہے، یہ عدو کے سر پر لہراتی تیغِ برّاں ہے۔ پاکستان جذب و عمل کی داستاں ہے، یہ مرے

ماضی کا ترجماں ہے، یہ جانبِ منزل مثل کارواں ہے، پاکستان ہر پاکستانی کا امتحاں ہے، یہ ایک سائباں ہے، یہ ہمارا اپنا مکاں ہے۔ پاکستان وہ عظیم خطہ ہے جس کے پہاڑ آسمانوں سے باتیں کرتے ہیں۔ جس کے دریاؤں کی روانی پر زمانہ فخر کرتا ہے۔ اس کے سمندر سرمایہ اُگلتے ہیں۔ اس میں چار موسم اپنی اپنی جگہ ہمیں راحتِ زندگی عطاء کرتے ہیں۔ اس کے مناظرِ فطرت جنت نظیر ہیں۔ ملک بھر میں سیاحت کے متعدد مقامات ہیں جو سیاحوں کے لیے کشش کا باعث ہیں۔ اہم ترین پارکوں کی وجہ سے سیاح پاکستان کا رخ کرتے ہیں۔ راول پنڈی میں "پاکستان نیشنل پارک" 5 مارچ 1959ء کو تعمیر ہوا۔ 930 ہیکٹر رقبہ پر محیط اس پارک کا افتتاح صدر محمد ایوب خان نے کیا۔ ضلع بہاولپور کے علاقہ چولستان میں "لعل سہانرا نیشنل پارک" 1972ء میں قائم ہوا۔ "کیرتھر نیشنل پارک" اپنی جدا کشش رکھتا ہے جو کہ کوہ کیرتھر اور میر مناتھر پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پاکستان کے کل رقبے کا تقریباً 3 فیصد حصہ جنگلات پر مشتمل ہے۔ سوات، مری، کشمیر، ناران، کاغان، جھیل سیف الملوک، ملم جبہ، بالاکوٹ، ایبٹ آباد، مانسہرہ، گلگت بلتستان، چترال، وادیٔ ہنزہ، چلاس، قلاش، کوئٹہ، زیارت، کلر کہار اور بہت سے ایسے مقامات ہیں جو نہ صرف دل فریب بل کہ پاکستان کی شناخت کا باعث ہیں۔ صحت افزاء مقامات اور تاریخی مقامات کی وجہ سے پاکستان کا محکمہ سیر و سیاحت قائم کر دیا گیا ہے۔ گزشتہ حکومتوں نے اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے صحت افزاء مقامات کی تعمیر میں حصہ لیا۔ نئے پاکستان میں مقاماتِ سیاحت کو فوقیت اور اہمیت دینا ضروری ہے، اس سے زرِمبادلہ کے ساتھ ساتھ پاکستان کی سفارتی اہمیت اُجاگر ہو سکتی ہے۔ سیاحت کا نظام سفارتی تعلقات کی بہتری اور معاشی ترقی کے لیے بھی سنگِ میل ثابت ہو سکتا ہے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے سفارتکاروں کو اس ضمن میں اپنا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ اگر پاکستان کے صحت افزاء اور سیاحت کے لیے موزوں ترین علاقہ جات کا تعارف نصاب میں شامل کر لیا جائے تو بچوں میں وہ مقامات دیکھنے کا ذوق پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے بچے آنے والے کل کے سفیر ہیں۔ اِن میں پاکستان اور پاکستانیت سے محبت اُجاگر کر کے ہم سیر و سیاحت کی منزل کو حقیقت میں ڈھال سکتے ہیں۔

ترقی کے روشن امکانات

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بہتر سے بہتر کا پیغام دیتے ہیں۔ اُن کے ہاں فکرِ تازہ، نمودِ تازہ، انجمِ تازہ، حیاتِ تازہ، افکارِ تازہ، چشمۂ تازہ، طبع تازہ، علومِ تازہ، ایسے اشارات ملتے ہیں۔ پاکستان

کی ترقی کا دارومدار عزمِ تازہ میں مضمر ہے۔ اقبال کے بقول شاخِ تازہ کو ثمر ور بنانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کلامِ اقبال کا عمیق مطالعہ کریں تو معاشرتی ترقی اور ملکی استحکام کی تازگی اُن کے کلام میں ہر جگہ نظر آئے گی۔

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:244)

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کُہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰؐ ، عقل تمام بُولہب

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص:441)

تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ مری آہِ صُبح گاہ میں ہے

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص:395)

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خِشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:613)

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذّتیں کیا کیا
رقابت ، خود فروشی ، ناشکیبائی ، ہوسناکی

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:253)

بدن اس تازہ جہاں کا ہے اُسی کی کفِ خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اُسی کی تکبیر

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:642)

زلزلے سے کوہ و دَر اُڑتے ہیں مانندِ سحاب
زلزلے سے وادیوں میں تازہ چشموں کی نمود

(ارمغانِ حجاز، اکادمی کلیات، ص:719)

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص:439)

کھلے ہیں سب کے لیے غریبوں کے میخانے
عُلومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:690)

عذر آفرینِ جرمِ محبّت ہے حُسنِ دوست
محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:128)

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:574)

ہے کوئی ہنگامہ تیری تُربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص:243)

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص:575)

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سُوئے کوفہ و بغداد

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص:396)

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنہ ہے بزمِ کائنات، تازہ ہیں میرے واردات

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص:439)

کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن
مناظر دلکشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 253)

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 454)

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 399)

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 271)

یہ خوانِ تر و تازہ معرّی نے جو دیکھا
کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات

(بالِ جبریل، اکادمی کلیات، ص: 487)

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار ازمن
کہ گلِ بدستِ تو از شاخِ تازہ تر ماند

(ضربِ کلیم، اکادمی کلیات، ص: 521)

مستحکم پاکستان اور روشن پاکستان کے امکانات کلام اقبال میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اہم مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ کریم کو مانتے ہیں لیکن اُس کے احکامات نہیں مانتے۔ ہم سرورِ عالم، محمد مصطفیٰ ﷺ کو مانتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔ ختمِ نبوت ﷺ کے لیے جلوس نکالتے ہیں لیکن سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں دوسروں کو جینے کا حق نہیں دیتے۔ میرا ایمان ہے کہ ہم خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ سے پوچھتے ہیں اور رب العالمین کو پوجتے ہیں۔ ساری کائنات کا نظام قرآن و سنت کے گرد گھومتا ہے۔ اگر گریبان میں جھانکیں کہ ہم قرآن و سنت پر کتنا عمل کرتے ہیں تو

ندامت ہوتی ہے۔علامہ محمد اقبالؒ نے کامیابی کا ایک اٹل فیصلہ ہمارے سامنے رکھا ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز: ص: 208)

عمل سے زندگی بنتی ہے ، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں ، نہ نوری ہے، نہ ناری ہے

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز: ص: 274)

پاکستان کا آئین، اسلامی اُصولوں کے عین مطابق ہے۔وکلاء حضرات کے علاوہ آئینِ پاکستان کا مطالعہ نہیں کیا جاتا۔ اہم ترین لائبریریوں میں بھی "آئینِ پاکستان" کتابی شکل میں نہیں ملتا۔ ٹی وی چینلز پر کوئی پروگرام بھی ایسا نہیں جو آئینِ پاکستان کی دفعات پر روشنی ڈالتا ہو۔ پاکستان کے شہریوں کو حقوق و فرائض سے لاعلم رکھا گیا ہے۔ ہوسِ اقتدار میں ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ فلسفۂ اقبال تو ایک جزوی چیز ہے، ہم عالمگیر فلسفۂ قرآن کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ترقی کے امکانات نئی سوچ سے جنم لیتے ہیں۔حکومتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔حکمران آتے جاتے رہتے ہیں۔ ریاست ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ہمیں ریاست کی خاطر بیدار ہونا پڑے گا۔ترقی یافتہ ممالک چین، جاپان، جرمنی، فرانس، برطانیہ، امریکا اور اِسی طرح کے کئی ممالک ملکی سالمیت پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ اُن کے داخلی انتشار کبھی ملکی ترقی پر حاوی نہیں ہوتے ۔ دل خون کے آنسو روتا ہے جب کچھ ایسے احباب کا پتا چلتا ہے کہ وہ کئی دیگر ممالک کے آلۂ کار ہیں۔جن کا مقصد صرف پیسہ بٹورنا ہے۔میڈیا پر وہ چہرے بھی منظرِ عام پر آئے جو پاکستان کے ازلی دشمن بھارت سے امداد حاصل کرتے رہے۔

سُنے گا اقبالؔ کون اس کو، یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پُرانی باتیں سنا رہے ہیں!

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 189)

جو کچھ لکھ چکا ہوں اس کا تعلق پرانے یا نئے پاکستان سے نہیں ہے بل کہ یہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ جب تک ہم دوسروں کے حقوق کی پاسداری نہیں کریں گے۔ ہماری کوئی عبادت قبول ہوگی اور نہ ہی ہم سکون کی زندگی گزار سکیں گے ۔گروہی مفادات کا راستہ روکنا بہت

مشکل ہو چکا ہے۔ اختیارات کا ناجائز استعمال غریب کے لیے موت بن چکا ہے۔ پاکستان کی تعمیرِ نو اور روشن امکانات کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح کا فرمان ملاحظہ ہو:

''پاکستان کو اللہ رب العزت نے ہر چیز دے رکھی ہے۔ معدنیات اور زراعت کے وسیع وسائل، اقتصادیات کی ترقی کے روشن امکانات ملک کو صنعتی بنانے کے ذرائع غرض یہ کہ ہر چیز پاکستان میں موجود ہے۔ قدرت کی فیاضی نے اس ملک کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے لیکن ضرورت محنت، خلوص اور دیانتداری کی ہے۔''

(قائداعظم کے آخری ایام (بیماری کے دوران کوئٹہ) ماہِ نو قائداعظم نمبر 1948ء)

پاکستان میں منعقدہ بہت سی تقاریب میں حکمران طبقہ اور سیاسی اکابر اکثر کہتے ہیں ''یہ وقت تجدید عہد کا ہے...... احتساب ضروری ہے۔'' تجدید تو کسی عمل کا نام ہے جو پہلے سے جاری و ساری ہو۔ جنھوں نے عہد کیا تھا وہ اپنا وعدہ نبھا گئے ہیں۔ ہم نے تو ابھی تک عہد ہی نہیں کیا تو تجدید کس بات کی؟ احتساب، دوسروں کا کیا جاتا ہے جب پھندا اپنی ذات تک آپہنچتا ہے تو اُسے سیاسی انتقام کا نام دیا جاتا ہے۔ کئی وزیروں، مشیروں کے گھروں سے برآمد ہونے والا اربوں روپیہ منظرِ عام آنے کے باوجود اُنھیں سزا کیوں نہیں ملی؟ غریب کا چند ماہ کا بل اُسے بجلی کے کنکشن سے محروم کر دیتا ہے جب کہ سیاستدانوں اور وڈیروں کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ عدمِ انصاف، عدمِ مساوات، عدم تحفظ، اور غیر یقینی کی کیفیت سے کب نجات ملے گی؟ مصلحت اندیشی اور قول و فعل کے تضاد نے قومی سلامتی داؤ پر لگا دی ہے۔ فیصلہ سازی دم توڑ چکی ہے۔ سنجیدہ احباب پسِ پردہ کر دیئے گئے ہیں۔ پاکستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے اراکین کو اسلام اور پاکستان کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ بقول معروف شاعر قاسم شاہ:

غریبوں کو نہیں پالا، حواری پال رکھے ہیں
امیرِ شہر نے کتے شکاری پال رکھے ہیں

تجوریوں کا منہ کھلتے ہی سیاسی وابستگی تبدیل ہو جاتی ہے۔ کروڑوں روپیہ ہڑپ کر کے پارٹیاں بدلنے والے پاکستان کے ہمدرد کس طرح ہو سکتے ہیں؟ پاکستان کا سرکاری ملازم خصوصاً کلرک اپنی سفید پوشی برقرار کس طرح رکھ سکتا ہے؟ پاکستان کا ہر شہری ٹیکسوں کی زد میں ہے۔ مختلف قسم کے ٹیکس اُس کے چاروں طرف گھوم رہے ہیں۔ اُس کی رسائی حکامِ بالا تک ممکن نہیں ہے۔ اُسے

اپنی ذات کی فصیل تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔ صرف الیکشن کے دنوں میں غریب سے ہمدردی کے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں ٹیکسوں کی دنیا آباد ہے۔

واٹر ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، انکم ٹیکس، وہیکل ٹیکس، ایکسائز ٹیکس، ٹیلیفون ٹیکس، سوئی گیس ٹیکس، بجلی ٹیکس، پیداواری ٹیکس، کار ٹیکس، ڈرائیونگ ٹیکس، ہوٹل ٹیکس، موبائل ٹیکس، موبائل بیلنس ٹیکس، سیلز ٹیکس، ٹول ٹیکس، تہہ بازاری ٹیکس، انکروچمنٹ ٹیکس، شادی ٹیکس، ملبہ ٹیکس، سفری ٹیکس، پیدائش ٹیکس، گفٹ ٹیکس، گروتھ ٹیکس، ویلتھ ٹیکس، گٹر ٹیکس، چھجہ ٹیکس، نقشہ ٹیکس، ایمپلائمنٹ ٹیکس، ٹریل ٹیکس اس کے علاوہ کئی اور ٹیکس ہیں لیکن سب سے بڑا جگا ٹیکس ہے جو ان ٹیکسوں پر حاوی ہے، ہر جگہ، ہر رنگ میں، ہر سائز میں، ہر چھوٹے بڑے ڈبے میں دستیاب ہے۔ مرنے پر سرکاری ٹیکس تو نہیں البتہ گورکن جس حساب سے قبر کھدائی اور بنوائی وصول کرتا ہے وہ کسی بڑے ٹیکس سے کم نہیں ہے۔

لائسنس اور ٹیکسوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ موٹر لائسنس، ڈرائیونگ لائسنس، اسلحہ لائسنس، ٹی وی لائسنس، پروفیشنل لائسنس، اجتماع لائسنس، جلوس لائسنس، تانگہ لائسنس، میڈیسن لائسنس، شکار لائسنس، درآمد برآمد لائسنس، وائن لائسنس (اقلیتوں کے لیے) المختصر جو لائسنس سے بچ گیا وہ ٹیکس میں اٹک گیا جو ان دونوں کی زد سے باہر رہا وہ کسی فیس میں آن پھنسا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

یارب! نگاہ ناز پر لائسنس کیوں نہیں
یہ بھی تو قتل کرتی ہے تلوار کی طرح

آج ہم پیدائش سے وفات تک ٹیکسوں کی زد میں ہیں۔ ٹیکسوں کی بھرمار نے سُود در سُود کی طرح ٹیکس در ٹیکس کا نظام متعارف کروا دیا ہے۔ بنک میں اپنا جمع کروایا ہوا پیسہ واپس لینے کی فیس ادا کرنا پڑتی ہے۔ ہر چیک پر کٹوتی الگ ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر آن لائن بنکنگ اور ایزی پیسہ سروس پر ٹیکس جدید ایجاد ہے۔ ان ٹیکسوں میں کمی کرنے کے دعوے دار جب حکومت میں آتے ہیں تو مزید اضافے کی صورت سامنے آتی ہے۔ اب وہ دن دور نہیں جب سانس پر بھی ٹیکس نافذ ہو گا۔ اقبالؒ کہتے ہیں:

بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خُم بھی نئے
حَرَمِ کعبہ نیا، بُت بھی نئے، تُم بھی نئے

(بانگِ درا، اکادمی کلیات، ص: 229)

فلسفۂ اقبال کا مطالعہ ہمیں نئے پاکستان کی تشکیل میں رہنمائی کرتا ہے۔ اُن کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے وہ اضطرابی کیفیت بھی سامنے آتی ہے جس میں اقبال ملتِ اسلامیہ کو متحد اور دنیا میں خدا کے آخری آئین کو نافذ کرنے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ اقبال جس جذبۂ عشق کا اظہار کرتے ہیں اُس میں قوتِ عمل مرکزی نکتہ ہے۔ اُن کی نگاہ حیات وکائنات کے متنوع مقاصد پر اُٹھتی ہے۔ وہ چشمِ تخیل سے دنیا کی تمام اشکال کو ملتِ اسلامیہ کے لیے بیداری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر اقبالؒ کو قومی شاعر تسلیم کرنا ہے تو زندگی میں تحرک، تسلسل، تموج، انقلاب، جدوجہد اور عمل کو شعار بنانا ہوگا۔ اُن کے فکر وفلسفہ میں کشمکش اور شدت کا عنصر غالب ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کُن فیکون

پاکستان کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا مشاہدہ سائنسی میدان تک وسیع ہے۔ اقبالؒ انسانی جسم کا حیاتیاتی تجزیہ بھی کرتے ہیں کہ بدن کی نمو اور عناصر کا کیمیائی تجزیہ شعلے میں پوشیدہ ہے۔ پاکستانیوں کی مخفی صلاحیتوں کو معرکۂ زندگی میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہر پاکستان میں خودی کا شعور بیدار ہو جائے اور وہ اپنی ذات میں موجود اپنی مخفی قوت سے آگاہ ہو جائے تو اُس کی خودی میں ایٹم کی مانند طاقت وقوت پیدا ہوسکتی ہے۔ اقبالؒ تو کائنات کی ہر شے میں خودی کا جلوہ دیکھتا ہے اور پرورشِ خودی سے قومی خودداری پروان چڑھتی ہے۔

یہ ہے مقصد گردشِ روزگار
کہ تیری خودی ، تجھ پہ ہو آشکار

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز: ص: 421)

اقتدار واختیار تو بدلتے ہی رہتے ہیں۔ خدا، انسانیت، خودی اور کائنات تو زندہ رہتے ہیں۔ وقت، ماحول اور زمانے کی حقیقت اقبالؒ نے یوں پیش کی ہے:

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے
دموں کے اُلٹ پھیر کا نام ہے!

(بالِ جبریل، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز: ص: 419)

نئے پاکستان اور تبدیلی کا خواب پورا کرنے کے لیے ہمیں اپنی مٹی پر چلنے کا سلیقہ سیکھنا

ہوگا۔ اپنی ملت پر قیاس کر کے خود انحصاری کو شعار بنانا ہوگا۔ مغرب زدہ جمہوریت کے بجائے اسلامی قوانین کو رائج کرنا ہوگا۔ اقبال فرماتے ہیں:

تُو نے کیا دیکھا نہیں، مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن ، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

(ارمغانِ حجاز، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز: ص: 650)

اللہ کریم نے ہمیں تمام نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔ ہماری آنکھ کھلتی ہے تو پاکستان ہم سے مخاطب ہوتا ہے کہ مَیں ہوں پاکستان ، مَیں عطیۂ رحمٰن، ختم الرسل ﷺ کی بشارت کا نشان، مَیں تفاخرِ عرفان، تحفۂ برھان، مجھ پر سایۂ قرآن، مَیں فخرِ ارسلان، اسلامی جذبوں کا ترجمان، امن کا اعلان، اقلیتوں کی آن، قدرتی مناظر کی مسکان، محبتوں کا پاسبان، پورے کیے اہلِ وطن کے ارمان، مثلِ گلستان، ایٹمی قوت کا ارمغان، شاہینوں کی اُڑان، میرے دامن میں یاقوت ومرجان، میرے بحر و بر گنجان، مَیں ہوں پاکستان، ہر پاکستانی کی جان، جذب وعمل کی داستان، اُونچی میری شان۔ مَیں دنیا کا پردھان، مَیں ہوں پاکستان، مَیں ہوں امن کا سفینہ۔ مَیں عطائے شہرِ مدینہ۔ میرے ہر ذرّے میں رحمت کا خزینہ۔ میرے کنکر بھی مثلِ نگینہ۔ میرے کوہسار میں قدرت کا دفینہ۔ مَیں ہوں پاکستان۔ مَیں ہوں قدرت کا انتخاب۔ مَیں ہوں، شہِ کونین ﷺ کا تحفۂ نایاب، تمام عالم میں مثلِ گلاب، مَیں ہوں پاکستان۔ مَیں ہوں عکسِ آفتاب، جلوۂ مہتاب، چشمۂ سیماب، میرا حُسن لاجواب، پُراثر میرا شباب۔ مجھ میں ہیں نعمتیں بے حد وحساب، مَیں ہوں پاکستان۔ میرے بلند وبالا کوہسار، میری وادی وادی گلزار، میرے پُرکشش ریگزار، میرے کھیتوں کی مہکار، دھقانوں کی محنت کا شہکار، سر پر میرے عظمت کی دستار، مَیں نگہبانِ اسلامی اقدار، میرا ہر کوئی دلدار، میرے پاس ہے خلق کی تلوار، مَیں اخلاقی قدروں کا پاسدار، مَیں ہوں پاکستان۔

سکون میری ذات، توقیر میری بات، ہریالی ہر پات، سکون ہر اک رات، فرق نہیں ذات پات، مجھ میں چھپی ہے کائنات۔ مَیں ہوں پاکستان، مَیں چراغِ رہِ نورداں، مَیں صورتِ صبحِ درخشاں، مَیں راحتِ قلب وجسم وجاں۔ مَیں ہوں پاکستان، ہر پاکستانی کے لیے آبِ یارِ جوئے لطافت، شمعِ محبت، سندِ امن وحکمت۔ مَیں ہوں پاکستان، مَیں نے دیا تخت سے تختہ، میری ہوائیں مست، روشن میرے بخت، میرے جذبے بہت سخت، دشمن کو کروں دولخت، مَیں ہوں پاکستان۔ مجھ

سے ساری خاصگی، حقیقتوں کی نغمگی، پھولوں کی تازگی، درختوں کی شگفتگی، پُر جوش زندگی، جذبوں کی تابندگی، میرا مقصد پہچانِ بندگی، مجھ میں نہیں ہے تیرگی، مَیں ہوں پاکستان۔ مجھ پہ سایۂ ذوالجلال، مَیں آئینۂ ماضی وحال، میرے بچے نونہال، میری منزل ترقی وکمال، صبحِ روشن کرتی ہے میرا استقبال، مَیں ہوں پاکستان، آفتابِ نورِ بہار، صدرِ انجمنِ عالمِ اسلام، مرکزِ انعام واکرام۔ مَیں ہوں پاکستان۔ میرا افتخر، میرے نوجوان، میرا افتخر محنت کش کسان، میری دھرتی کا فخر ہیں دھقان، اِن کی محنت سے آباد ہے یہ گلستان، پھلوں کی پیداوار کا یہ سلطان۔ میرا افتخر میرے شیر جوان، وفا شعاروں کے لیے زدبان، مَیں ہوں پاکستان، میرے سرسبز ہیں کھلیان، جو میری کریں پہچان منور ہوں اُن کے اذہان، میری لہلہاتی کھیتیاں، پُر رونق بستیاں، رہتی ہیں یہاں مبارک ہستیاں، برف پوش پہاڑوں کی مستیاں، گنگناتی ندیاں، مَیں ہوں پاکستان۔

ہمارا دستِ تصرف اپنی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہر شے کا مالک وخالق اللہ تعالیٰ ہے۔ سب کچھ اُس کی ملکیت ہے۔ قائد وہی زندہ رہتے ہیں جو عوام کے دل مسخر کرتے ہیں۔ طاقت کا سرچشمہ اللہ کریم کی ذات ہے۔ وہی غالب و آفریں ہے۔ اقتدار کے مدہوشی تو چشمِ زدن میں بدلتے رہتے ہیں۔ مولا کریم، پاکستان کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

(بانگِ درا، کلیاتِ اقبال، غلام علی اینڈ سنز: ص: 261)

☆-☆-☆

اقبالؒ کے شب وروز تاریخ کے آئینہ میں!

☆ 1877ء

......9نومبر ولادت اقبال بروز جمعۃ المبارک بمقام سیالکوٹ

......ابتدائی تعلیم مولانا غلام حسن اور علامہ سید میر حسن کے مکتب میں حاصل کی

......مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں داخل ہوئے۔

......ابھی سکول میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔

☆ 1891ء

......مشن ہائی سکول سیالکوٹ کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونی ورسٹی سے اینگلوورنیکلر مڈل سکول امتحان پاس کیا۔

☆ 1992ء

......باقاعدہ شعر گوئی کا آغاز ہوا۔داغ دہلوی سے سلسلہ تلمذ قائم ہوا

☆ 1893ء

......انٹرنس (میٹرک) کا امتحان دینے کے لیے گجرات گئے۔

......سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے میٹرک کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔سکول کی طرف سے تمغہ دیا گیا اور وظیفہ بھی جاری ہوا۔

......اپریل گجرات کے سول سرجن خان بہادر ڈاکٹر عطا محمد خان کی بیٹی کریم بی بی (والدہ آفتاب اقبال) سے شادی ہوگئی۔

......7مئی سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں سال اوّل (گیارھویں جماعت) میں داخل ہوئے۔

☆ 1895ء

......''زبان دہلی، کے شمارہ نومبر میں ایک غزل شائع ہوئی جو اقبال کی قدیم ترین مطبوعہ دستیاب غزل ہے۔

......سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونی ورسٹی سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان درجہ دوم میں پاس کیا۔

......سیالکوٹ سے لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں بی۔اے کے لیے داخلہ لیا۔کالج کے کواڈرینگل ہوسٹل (حال،اقبال ہوسٹل) کے کمرہ نمبر ا میں قیام پذیر ہوئے۔

......دسمبر اندورن بھاٹی دروازہ میں منعقدہ ''اردو بزم مشاعرہ'' میں پہلی بار شرکت کی۔

☆ 1896ء

......انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کی رکنیت اختیار کی۔

☆ 1897ء

......بی۔اے کا امتحان درجہ دوم میں پاس کیا۔عربی کے مضمون میں اوّل آنے پر پنجاب یونی ورسٹی نے خان بہادر ایف ایس جلال الدین میڈل عطا کیا۔

☆ 1898ء

......دسمبر لاہور لاسکول کی پہلی جماعت میں داخلہ لیا۔قانون کا ابتدائی امتحان دیا مگر فقہ کے پرچے میں فیل ہو گئے۔

☆ 1899ء

......ایم۔اے فلسفہ کا امتحان تیسرے درجے میں پاس کیا۔یونی ورسٹی بھر میں واحد کامیاب امیدوار ہونے کی وجہ سے یونی ورسٹی کی طرف سے خان بہادر شیخ نانک بخش میڈل دیا گیا۔

...... کواڈرنگل ہوسٹل کے کمرہ نمبر 1 سے اندرون بھاٹی گیٹ، کوچہ جلوٹیاں کے ایک مکان میں منتقل ہو گئے۔

......13 مئی اورینٹل کالج لاہور میں میکلوڈ عریبک ریڈر مقرر ہوئے۔

......12 نومبر پہلی بار انجمن حمایت اسلام لاہور کی مجلس انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے۔

......ولادت آفتاب اقبال

☆ 1900ء

......24 فروری۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے 15 ویں سالانہ جلسے میں پہلی بار شریک ہو کر انجمن کے پلیٹ فارم سے اپنی معروف نظم ''نالہ یتیم'' سنائی۔

☆ 1901ء

...... یکم جنوری اسلامیہ کالج میں 6 ماہ کے لیے انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔

......24 فروری انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں نظم ''درد دل'' شائع ہوئی۔

......اپریل ''مخزن'' کے پہلے شمارے میں نظم 'ہمالہ' شائع ہوئی۔

...... یکم جولائی اورینٹل کالج لاہور میں اپنی ملازمت پر واپس آ گئے۔

......ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے امتحان میں شامل ہوئے مگر میڈیکل بورڈ نے انھیں اَن فٹ قرار دیا۔

......امرتسر میں نواب سر سلیم اللہ کی صدارت میں منعقدہ کشمیری کانفرنس میں شریک ہوئے۔

☆ 1902ء

......23 فروری انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں ''نظم، اسلامیہ کالج کا خطاب مسلمانان پنجاب سے پڑھی۔ صدر جلسہ میں نظام الدین سب جج راولپنڈی نے اقبال کو ''ملک الشعراء'' کا خطاب دیا۔

......اگست۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جانے کا خیال پیدا ہوا۔

......3/اکتوبر۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں چھے ماہ کے لیے انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔

☆ 1903ء

...... یکم مارچ انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں نظم ''فریادِ اُمت'' پڑھی۔

......3/اپریل۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی مدت ملازمت ختم ہوگئی۔

...... مئی۔ برادر بزرگ شیخ عطا محمد ایک مقدمے میں ماخوذ ہوگئے۔ انھیں چھڑانے کے لیے فورٹ سنڈیمن، بلوچستان کا سفر کیا۔

......3 جون۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔

......سب سے پہلی تصنیف ''علم الاقتصاد'' کی اولین اشاعت

☆ 1904ء

......اگست موسم گرما کی تعطیلات میں برادر بزرگ شیخ عطا محمد کے پاس ایبٹ آباد گئے۔

......وہاں احباب کے اصرار پر قومی زندگی کے موضوع پر ایک لیکچر دیا۔ "بانگِ درا" کی نظم "ابر" قیام ایبٹ آباد کی یادگار ہے۔

☆ 1905ء

...... گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیمی رخصت لی۔

...... یکم ستمبر۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور سے روانگی

......2 ستمبر۔ آمد دہلی، خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور مرزا غالب کے مزارات پر حاضری دی

......3 ستمبر۔ دہلی سے روانگی

......4 ستمبر۔ آمد بمبئی

......7 ستمبر۔ بمبئی سے بحری جہاز کے ذریعے روانگی

......12 ستمبر۔ آمد عدن

......23 ستمبر۔ آمد مارسیلز

......24 ستمبر۔ آمد لندن

......25 ستمبر۔ آمد کیمبرج

......6 نومبر۔ لنکنز ان کالج میں داخلہ

☆ 1906ء

...... کیمبرج میں قیام

☆ 1907ء

...... کیمبرج سے بی۔اے کی ڈگری لی۔

...... یکم جون۔ کیمبرج میں پروفیسر آرنلڈ کی دعوت میں شرکت

...... جولائی۔ ٹرینٹی کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد تیسرے ہفتے جرمنی چلے گئے۔

......پی۔ایچ۔ڈی کے لیے ہائیڈل برگ اور میونخ میں رہ کر THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA کے موضوع پر مقالہ مکمل کیا۔

...... میونخ یونی ورسٹی نے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری عطا کی۔

...... نومبر۔واپس انگلستان آگئے۔

☆ 1908ء

...... کچھ عرصہ لندن یونی ورسٹی میں عربی کے استاد کی حیثیت سے کام کیا۔

...... مئی۔لندن کے کیکسٹن ہال میں سید امیر علی کی صدارت میں منعقدہ مسلمانان لندن کے ایک اجلاس میں شرکت یکم جولائی۔لنکنزان سے بیرسٹری کی تکمیل کی۔

...... 27 جولائی۔لاہور پہنچنے پر باغ بیرون بھاٹی دروازہ میں شیخ گلاب دین نے اقبال کے اعزاز میں ایک دعوت دی موہن لال روڈ (حال اُردو بازار) میں واقع ایک مکان میں قیام پذیر ہوئے۔

...... اگست۔سیالکوٹ پہنچے تو اہل شہر نے پُر جوش استقبال کیا۔

...... اکتوبر انارکلی والے مکان میں منتقل ہو گئے۔

...... 30/اکتوبر۔چیف کورٹ پنجاب نے اقبال کو قانونی پریکٹس کی اجازت عطا کی۔

...... انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کی تجدید ہوئی اور اقبال انجمن کے سیکرٹری مقرر ہوئے

...... دسمبر۔اقبال کی قیادت میں انجمن کشمیری مسلمانان کے ایک وفد نے امرتسر جا کر نواب سر سلیم اللہ سے ملاقات کی The development of Metaphysics in Persia کی اولین اشاعت۔

☆ 1909ء

...... 10 جنوری۔انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے اجلاس میں شرکت

...... 6 فروری۔انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

...... 24 فروری۔تین سال کے لیے انجمن حمایتِ اسلام کی مجلس انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے۔

...... مئی۔گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے قائم مقام پروفیسر مقرر ہوئے۔

☆ 1910ء

...... 2 فروری۔انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔

...... 18 مارچ۔لاہور سے حیدر آباد دکن کے سفر (پہلا) پر روانہ ہوئے۔

...... حیدر آباد میں مہاراجہ سر کشن پرشاد شاداور اکبر حیدر سے ملاقاتیں

...... اورنگ زیب کے مزار پر حاضری۔

...... 29 مارچ۔ لاہور واپس پہنچے۔

...... 26 جولائی۔ انجمن حمایت اسلام کی کالج کمیٹی کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔

☆ 1911ء

...... یکم جنوری۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی ملازمت ختم ہوگی۔

...... اپریل۔ انجمن کے سالانہ جلسے میں والد بزرگوار شیخ نور محمد کی موجودگی میں نظم ''شکوہ'' پڑھی۔

...... دہلی میں منعقد آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے تیسرے اجلاس کی صدارت کی۔

☆ 1912ء

...... 16 راپریل۔ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں نظم ''شمع اور شاعر'' پڑھی۔

...... تعطیلات گرما میں سیالکوٹ گئے۔

...... ایک مقدمے کے سلسلے میں کیمبل پور کا سفر کیا۔

...... مولانا ظفر علی خان نے تجویز کیا کہ اقبال کو تبلیغ اسلام کے لیے جاپان بھیجا جائے مگر یہ تجویز بروئے کار نہ لائی جا سکی۔

☆ 1913ء

...... 7 ستمبر۔ کانپور پہنچے۔ مسجد کی شہادت کے سلسلے میں کانپور کے کلکٹر سے خواجہ حسن نظامی کی معیت میں ملاقات کی۔

...... 8 ستمبر۔ الٰہ آباد پہنچے۔۔۔۔۔ اکبر الٰہ آبادی سے ملاقات کی الٰہ آباد سے دہلی پہنچے۔ حکیم اجمل خان سے ملاقات ہوئی۔

...... لالہ رام پرشاد پر فیسر گورنمنٹ کالج لاہور کے اشتراک سے مرتبہ ''تاریخ ہند'' کی اشاعت باغ بیرون موچی دروازہ میں منعقد ایک جلسہ عام میں نظم ''جواب شکوہ'' پڑھی۔

☆ 1914ء

...... سردار بیگم والدہ جاوید اقبال سے دوسری شادی ہوئی۔

...... 9 نومبر: اقبال کی والدہ امام بی بی سیالکوٹ میں انتقال کر گئیں۔

......دسمبر: مختار بیگم (لدھیانہ) سے تیسری شادی ہوئی۔

☆ 1915ء

......17 جنوری: مکتوب بنام مولانا گرامی اردو اشعار لکھنے سے دل برداشتہ ہوتا جاتا ہوں۔ فارسی کی طرف زیادہ میلان ہوتا جاتا ہے اور وجہ یہ بیان کہ دل کا غبار اردو میں نہیں نکال سکتا۔

......17 را کتوبر، پہلی بیوی (کریم بی بی) سے علامہ اقبال کی بیٹی معراج بیگم انتقال کر گئیں۔

......''اسرارِ خودی'' کی اوّلین اشاعت

☆ 1916ء

......30 جنوری۔ انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔

......14 جولائی۔ ''اسرارِ خودی'' کی اشاعت پر بعض حلقوں کا ردِعمل ہوا۔

☆ 1917ء

......13 نومبر۔ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی: ''تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔''

...... حیدر آباد ہائی کورٹ کے جج کے لیے اقبال کا نام تجویز ہوا مگر کسی وجہ سے تقرر نہ ہو سکا۔

☆ 1918ء

...... کچھ عرصے کے لیے اسلامیہ کالج لاہور کے ایم۔ اے فلسفہ کے طلبہ کو پڑھایا۔

......رموزِ بے خودی کی اوّلین اشاعت

☆ 1919ء

......14 دسمبر۔ انجمن حمایتِ اسلام کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔

...... کانگریس لیگ اور خلافت کانگرسیوں کے موقع پر دہلی کا سفر، علی برادران سے ملاقات

......30 دسمبر۔ میں فضل حسین کی صدارت میں منعقد جلسہ عام بیرون موچی دروازہ میں ترکوں کی حمایت میں تقریر

☆ 1920ء

...... مارچ۔ دہلی کا سفر

......31 مارچ۔ انجمن حمایتِ اسلام کے آنریری جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

...... ''اسرارِخودی'' کا انگریزی ترجمہ (از ڈاکٹر نکلسن) لندن سے شائع ہوا۔

☆ 1921ء

......7 ستمبر۔مکتوب بنام وحید احمد: ''حقیقت یہ ہے کہ آب و ہوا نے مجھے مسلمان کر دیا''۔

☆ 1922ء

......16 / اپریل۔انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں نظم ''خضرِ راہ، پڑھی

......20 / اپریل۔مکتوب بنام سید سلیمان ندوی: میں نقرس کی وجہ سے دو ماہ کے قریب صاحب فراش رہا۔''

......31 جولائی: انجمن حمایت اسلام کے آنریری جنرل سیکرٹری کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

...... یکم ستمبر۔مکتوب بنام ابراہیم حنیف: ''میں ایک عرصے سے فلسفے کا مطالعہ چھوڑ بیٹھا ہوں''۔

......14 / اکتوبر۔انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔

دسمبر۔آخر ماہ میں میکلوڈ روڈ والے مکان میں منتقل ہو گے۔

...... علامہ اقبال پر سب سے پہلی کتاب A VOICE FROM THE EAST (از نواب سر ذوالفقار علی) شائع ہوئی۔

☆ 1923ء

...... یکم جنوری۔حکومت کی طرف سے ''نائٹ ہڈ'' (سر) کا خطاب دیا گیا۔

......4 جنوری۔مکتوب بنام غلام بھیک نیرنگ: (بسلسلہ سر کا خطاب) ''اس قسم کے واقعات احساس سے فروتر میں سیکڑوں خطوط اور تار آئے اور آرہے ہیں اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر جانتے ہیں۔۔قسم ہے خدائے ذوالجلال کی۔۔۔۔۔دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔''

......17 جنوری۔سر کا خطاب ملنے پر، معززین لاہور کی طرف سے اقبال کے اعزاز میں احاطہ مقبرہ جہانگیر میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔

...... گورنمنٹ کالج لاہور کی مجلس فلسفہ کے زیر اہتمام منعقد ایک استقبالیے میں تقریر

......30 مارچ۔انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں نظم 'طلوع اسلام'' پڑھی۔

......24 جون۔مکتوب بنام زمیندار: بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے

خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔

......8 جولائی۔ دوسری بار انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔

...... پیامِ مشرق کی اوّلین اشاعت

☆ 1924ء

......19 مئی۔ انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور صدر انجمن منتخب ہو گئے۔

......28 جون۔ انجمن حمایت اسلام کی صدارت سے مستعفی ہو گے۔

...... ستمبر۔ ''بانگ دار'' کی اوّلین اشاعت

......5/اکتوبر۔ ولادت جاوید اقبال

......9/اکتوبر۔ لاہور سے لدھیانہ گئے۔

......21/اکتوبر۔ تیسری بیوی مختار بیگم لدھیانے میں انتقال کر گئیں۔

...... حکیم احمد شجاع کے اشتراک سے مرتبہ چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں جماعتوں کے لیے اردو کی تین درسی کتابوں کی اوّلین اشاعت

☆ 1926ء

......20 جولائی: مجلس قانون ساز پنجاب کے امیدوار کھڑے ہونے پر بیان: میں اس قسم کے مشاغل سے بالکل علیحدہ رہا لیکن اب قوم کی مصیبتیں مجبور کر رہی ہیں کہ میں اپنا حلقۂ عمل سے قدرے وسیع کروں۔ شاید میرا ناچیز وجود اس ملت کے لیے زیادہ مفید ہو سکے۔

......22 نومبر۔ مجلس قانون ساز پنجاب کے ممبر منتخب ہوئے۔

...... علامہ اقبال پر پہلی اردو کتاب ''اقبال'' (از مولوی احمد الدین وکیل) شائع ہوئی۔

☆ 1927ء

......24 مارچ۔ حبیبیہ ہال میں منعقدہ ایک جلسے کی صدارت کی ''مذہب اور سائنس کے موضوع پر مرزا البشیر الدین محمود کی تقریر''

16/اپریل۔ انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں The spirit of Islamic culture کے موضوع پر انگریزی میں تقریر

......3 مئی ۔ڈبی بازار لاہور کے ہندو مسلم فسادات کے سلسلے میں قائم ہونے والی ریلیف کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے۔

...... میٹرک کے طلبہ کے لیے منتخب فارسی نظم ونثر پر مشتمل "آئینہ عجم" شائع ہوئی

...... جون۔"زبور عجم" کی اوّلین اشاعت

...... مجلس قانون ساز پنجاب کی کارروائیوں میں بھرپور شرکت کی۔

☆ 1928ء

......8/اپریل۔انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں "فلسفہ اسلام" کے موضوع پر انگریزی تقریر

......اورینٹل کانفرنس کے اجلاس میں A plea for the deeper study of the Muslim scientists کے موضوع پر صدارتی خطبہ دیا۔

......دسمبر۔دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شرکت کے بعد براستہ بمبئی، جنوبی ہند کے سفر پر روانہ ہوئے۔چودھری محمد حسین اور عبداللہ چغتائی بھی شریک سفر تھے۔

☆ 1929ء

......7 جنوری۔انجمن خواتین اسلام مدراس کے زیر اہتمام ٹاکرس گارڈن مدراس میں منعقدہ ایک استقبالیے میں شرکت

......9 جنوری۔اراکین مسلم لائبریری وانجمن ترقی اردو بنگلور کے زیر اہتمام منعقدہ استقبالیے میں شرکت

......10 جنوری۔میسور پہنچے، شام 6 بجے میسور یونی ورسٹی میں KNOWLEDGE AND RELIGIOUS EXPERIENCE کے موضوع پر خطبہ دیا۔

......11 جنوری۔ٹاؤن ہال میسور میں مسلمانان شہر میسور اور یتیم خانہ اسلامیہ کی طرف سے منعقدہ استقبالیے میں شرکت

...... سلطان ٹیپو شہید کے مزار پر حاضری

......15 جنوری۔میسور سے حیدر آباد دکن پہنچے

...... مختلف موضوعات پر تین لیکچر دیے

......17 جنوری۔ نظام دکن سے ملاقات

......14/اپریل۔ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں قرآن کا مطالعہ کے موضوع پر تقریر کی۔

...... مئی۔ پنجاب ہائی کورٹ میں جج کی خالی نشست پُر کرنے کے لیے اقبال کا نام تجویز ہوا مگر سر شادی لال چیف جسٹس کی مخالفت کی وجہ سے تقرری نہ ہو سکا۔

......23 نومبر۔ علی گڑھ انٹرمیڈیٹ کالج یونین کے جلسے میں شرکت

دسمبر۔ آخری ہفتے میں علی گڑھ کا سفر

☆ 1930ء

......17/اگست۔ والد گرامی شیخ نور محمد وفات پا گئے۔

...... چھے انگریزی خطبات کا مجموعہ The Reconstruction of Religious Thought in Islam پہلی بار شائع ہوا۔

......27 دسمبر انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں نواب آف بہاول پور کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔

......29 دسمبر۔ کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد ایک علیحدہ مسلم مملکت کا تصور پیش کیا۔

☆ 1931ء

...... اپریل۔ دہلی میں منعقدہ آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شریک ہوئے۔

......2 مئی۔ باغ بیرون موچی دروازہ میں علامہ اقبال کی صدارت میں جداگانہ طریق انتخاب کی حمایت میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔

......9 مئی۔ لاہور سے روانگی برائے بھوپال

......10 مئی۔ بھوپال میں مسلم اکابر کے ایک اجلاس میں شرکت

......3 جون۔ باغ بیرون موچی دروازہ میں اقبال کی صدارت میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے انگریز پرنسپل کے اسلام دشمن رویے کی مذمت کی گئی۔

......3 جولائی۔ باغ بیرون موچی دروازہ میں منعقدہ ایک جلسہ عام میں انجینئرنگ کالج کے

مسئلے پر علامہ اقبال کی تقریر

......8 ستمبر۔ دوسری گول میز کانفرنس، لندن میں شرکت کے لیے لاہور سے روانگی

......9 ستمبر۔ آمد دہلی۔ شام کو دہلی سے روانہ ہوئے

......10 ستمبر۔ آمد بمبئی

......12 ستمبر۔ بمبئی سے لندن کے لیے روانگی بذریعہ بحری جہاز "ملوجا"

......16 ستمبر۔ آمدن عدن

......20 ستمبر۔ آمد پورٹ سعید

......27 ستمبر۔ لندن پہنچ کر سینٹ جیمز پیلس میں قیام کیا (یکم اکتوبر کو غلام رسول مہر بھی لندن پہنچ کر اقبال کے شریک سفر ہو گئے)

......7 /اکتوبر۔ ایران کے سابق وزیراعظم سید ضیاء الدین طباطبائی کی طرف سے منعقدہ ظہرانے میں شرکت

......8 /اکتوبر۔ عراقی سفارت خانے کے سیکرٹری افضل بے کی طرف سے منعقدہ ظہرانے میں شرکت

......9 /اکتوبر۔ البانیہ کے سفیر اور مسٹر و مسز پنکھرڈ کی دعوتوں میں شرکت

......11 /اکتوبر۔ ووکنگ کی شہاہجان مسجد دیکھنے گئے۔

......12 /اکتوبر۔ ڈینی سن راس، ملاقات کے لیے آئے۔

......14 /اکتوبر۔ رٹز ہوٹل میں ہندوستانی وفد کے اعزاز میں دی جانے والی دعوت میں شرکت

......16 /اکتوبر: افغان قونصل خانے میں نادر شاہ کی تاج پوشی کی سالگرہ میں شریک ہوئے۔

......غازی رؤف بے اور سعید شامل نے علامہ اقبال سے ملاقات کی۔

......23 /اکتوبر۔ نواب چھتاری کی دعوت میں شریک ہوئے۔

......27 /اکتوبر: نیشنل لیگ آف انگلینڈ کی صدر مس مارگریٹ فارقوہرسن کی دعوت میں شرکت

......4 نومبر۔ انڈیا سوسائٹی کے زیراہتمام ایک علمی اجلاس سے خطاب کیا۔

......18 نومبر۔ کیمبرج پہنچے، اپنے استاد پروفیسر سارلے اور پروفیسر ڈکنسن سے ملاقاتیں کیں۔ اپنے اعزاز میں دیے جانے والے ایک استقبالیے میں شرکت

......اقبال لٹریری ایسوسی ایشن کی طرف سے منعقدہ ایک استقبالیے میں شرکت

......21 نومبر۔ 27 ستمبر سے 20 نومبر تک گول میز کانفرنس کی کارروائیوں میں شریک ہونے کے بعد لندن سے روانہ ہوئے۔ غلام رسول مہر بھی شریک سفر تھے۔ پیرس میں چند گھنٹے رکے سردار امر ؤ سنگھ اور اقبال شیدائی سے ملاقات ہوئی۔

......22 نومبر۔ روم پہنچے ڈاکٹر سکارپا نے استقبال کیا

......23 نومبر۔ روم میں آثار قدیمہ کی سیر کی

......24 نومبر۔ اطالوی انسائیکلوپیڈیا کے دفتر میں گئے اور نسائیکلوپیڈیا کے ایڈیٹر پروفیسر جنٹیلی سے ملاقات ہوئی۔

......25 نومبر۔ افغانستان کے جلاوطن شاہ امان اللہ خان سے ملاقات ہوئی

......26 نومبر۔ اٹلی کی رائل اکیڈمی میں لیکچر دیا (متن ملاحظہ ہو بشیر احمد ڈار کی مرتبہ Letters & Writings Of Iqbal

......27 نومبر۔ مسولینی سے ملاقات پر اسے نصیحت:۔ "یورپ سے منہ موڑ کر مشرق کا رخ کرو۔

......یورپ کا اخلاق افسوس ہے ٹھیک نہیں لیکن مشرق کی ہوا تازہ ہے اس میں سانس لو"۔

......28 نومبر۔ نیپلز گئے اور پومپی آئی کے آثار دیکھے

......29 نومبر۔ برنڈزی پہنچے

......30 نومبر۔ روانگی، از برنڈزی بذریعہ بحری جہاز "وکٹوریہ"

...... یکم دسمبر۔ آمد سکندریہ۔ انجمن شبان المسلمین کے ارکان سے ملاقاتیں، شام کو بذریعہ ریل قاہرہ پہنچے۔ میٹروپولیٹن ہوٹل میں قیام کیا۔

......2 دسمبر۔ مصری علما اور اکابر سے ملاقاتیں۔ اہرام مصر م دیکھنے گئے

......3 دسمبر۔ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اور دیگر مصری اکابر سے ملاقاتیں، متعدد دعوتوں میں شرکت

......4 دسمبر۔ مصری عجائب گھروں، مساجد اور آثار قدیمہ کی سیر کی

......5 دسمبر۔ قاہرہ سے روانگی بذریعہ ریل

......6 دسمبر۔ بیت المقدس پہنچے۔ گرانڈ ہوٹل میں قیام کیا۔ موتمر عالم اسلامی کے افتتاحی اجلاس میں تقریر

......7 دسمبر۔ موتمر کے نائب صدر منتخب ہوئے۔

......14 دسمبر۔ پورا ہفتہ موتمر کی کارروائیوں میں شریک رہے۔ مقامات مقدسہ کی زیارت کی وتمر میں آخری تقریر کی۔ ''اپنے وطن کو واپس جاؤ تو روح اخوت کو ہر جگہ پھیلا دو اور نوجوانوں پر خاص توجہ دو!''

......15 دسمبر۔ بیت المقدس سے روانگی، پورٹ سعید پہنچے

......17 دسمبر۔ ''پلسنا'' بحری جہاز سے روانگی برائے ہندوستان

......28 دسمبر۔ بمبئی پہنچے۔ ''دارالخلافت'' میں آرام کیا۔ شام کو ایوان رفعت میں عطیہ

...... فیضی سے نصف گھنٹے کی ملاقات کے بعد ریل سے روانگی

......29 دسمبر۔ دہلی پہنچے

......30 دسمبر۔ صبح آٹھ بجے لاہور پہنچے ''سفر فلسطین میری زندگی کا نہایت یادگار واقعہ ثابت ہوا ہے۔''

......9 جنوری: انٹر کالجیئٹ برادر ہڈ کے زیر اہتمام لاہور میں یوم اقبال منایا گیا۔

☆ 1932ء

......7 جنوری۔ روانگی از لاہور

......8 جنوری۔ آمد دہلی۔ اسی شام کو روانگی برائے لاہور

......9 جنوری۔ آمد لاہور

...... یکم مارچ۔ ٹاؤن ہال لاہور کے باغ میں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (سیکرٹری، خواجہ عبدالوحید) کے زیر اہتمام منعقدہ ایک استقبالیے میں شرکت

......6 مارچ۔ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور کے زیر اہتمام وائی ایم سی اے ہال میں پہلا یوم اقبالؒ منایا گیا۔

......21 مارچ۔ باغ بیرون موچی دروازہ میں منعقدہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس میں صدارتی خطبہ

......20 جون۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہوگئے۔

......16 جولائی۔ اہل جالندھر نے اقبال کے اعزاز میں ایک شاندار جلوس کا اہتمام کیا۔

...... جلسہ عام میں علامہ نے سیرت النبی ﷺ پر تقریر کی۔ سہ پہران کے اعزاز میں دعوت چائے منعقد کی۔

...... ان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ شام واپس لاہور پہنچ گئے۔

...... اگست۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ ملاقات کے لیے تشریف لائے

...... 17 / اکتوبر۔ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لاہور سے روانگی

...... 24 نومبر۔ نیشنل لیگ کی طرف سے علامہ اقبال کے اعزاز میں استقبالیہ دیا گیا۔

...... 30 دسمبر۔ کانفرنس کی کارروائیوں میں شرکت کے بعد لندن سے روانگی

...... جاوید نامہ کی اوّلین اشاعت

☆ 1933ء

...... پیرس میں برگساں سے ملاقات

...... جنوری۔ پہلے ہفتے میں ہسپانیہ پہنچے۔ مسجد قرطبہ کی زیارت کی "مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچادیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ (مکتوب بنام شیخ محمد اکرام)

...... ۲۴ جنوری: میڈرڈ یونی ورسٹی میں The intellectual world of Islam and Spain کے موضوع پر تقریر

...... 26 جنوری۔ پیرس پہنچے

...... یکم فروری۔ پیرس سے روانگی

...... فروری۔ آمد لاہور

...... 17 مارچ۔ لاہور سے روانگی

...... 18 مارچ۔ آمد دہلی۔ جامعہ ملیہ دہلی میں علامہ اقبال کی صدارت میں جلسہ ہوا۔

...... غازی رؤف پاشا کی تقریر

...... لاہور واپسی

...... 14 / اپریل۔ لاہور سے روانگی

...... 15 / اپریل۔ آمد دہلی۔ جامعہ ملیہ دہلی میں تقریر۔ پروفیسر محمد مجیب کی دعوت میں شرکت۔

...... لاہور واپسی

......20 / اکتوبر۔ نادر شاہ کی دعوت پر سہ رکنی وفد علام اقبال، سید سلیمان ندوی، راس مسعود کے ایک ممبر کی حیثیت سے افغانستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ بیرسٹر غلام رسول، علامہ کے سیکرٹری اور علی بخش ملازم کی حیثیت سے شریک سفر تھے۔

......23 / اکتوبر: کابل پہنچ کر شاہی مہمان خانے "دارالامان" میں قیام کیا۔ نادر شاہ سے ملاقات

......26 / اکتوبر۔ صدر اعظم سردار ہاشم کی دعوت میں شرکت

......27 / اکتوبر۔ جامع مسجد پل خشتی میں نماز جمعہ ادا کی۔ ملا شور سے ملاقات

......28 / اکتوبر۔ وزیر جنگ شاہ محمود خان کی دعوت چائے میں شرکت۔ انجمن ادبی کابل کی طرف سے منعقدہ استقبالیے میں تقریر

......29 / اکتوبر۔ وزیر خارجہ سردار فیض محمد خان سے ملاقات

......30 / اکتوبر۔ روانگی از کابل۔ غزنی پہنچ کر حکیم سنائی، محمود غزنویؒ اور داتا گنج بخشؒ کے والد گرامی کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔

......31 / اکتوبر۔ غزنی سے روانگی۔۔ آمد قلات غلزئی

...... یکم نومبر۔ قلات غلزئی سے روانہ ہو کر قندھار پہنچے

......2 نومبر۔ قندھار سے روانہ ہو کر براستہ چمن کوئٹہ پہنچے

......3 نومبر۔ کوئٹہ سے بذریعہ ریل روانہ ہو کر شام لاہور پہنچے

......4 دسمبر۔ پنجاب یونی یورسٹی نے ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ اقبالؒ پہلے ہندوستانی تھے جنھیں یہ ڈگری دی گئی۔

☆ 1934ء

......10 جنوری: بروز عید الفطر۔ شدید سردیوں میں سویوں پر دہی ڈال کر کھایا۔ گلا بیٹھ گیا۔

...... طویل علالت کا آغاز۔

......6/اپریل۔ مکتوب بنام ڈاکٹر عباس علی خان لمعہ حیدر آبادی: "ان شاء اللہ اگلے سال لندن جاؤں گا۔"

......11 جون۔ حکیم نابینا سے علاج کرانے دہلی گے۔

......12 جون۔ آمد لاہور

......29 جون۔ جاوید اقبال کو لے کر سرہند شریف گئے

......30 جون۔ لاہور واپسی

...... یکم جولائی۔ انجمن حمایتِ اسلام کے صدر منتخب ہوئے

......14 جولائی۔ انجمن حمایتِ اسلام کے جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت

......30 / اگست۔ انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس میں شرکت۔

......5 دسمبر۔ سر تیج بہادر سپرو ملاقات کے لیے آئے

......21 دسمبر۔ لاہور سے روانگی

......22 دسمبر۔ دہلی پہنچے اور اسی روز علی گڑھ چلے گئے۔

......25 دسمبر۔ واپسی لاہور

☆ 1935ء

...... جنوری۔ ''بال جبریل'' کی اولین اشاعت

......29 جنوری۔ بھوپال میں برقی علاج کے لیے لاہور سے روانہ ہوئے

......30 جنوری۔ آمد دہلی جامعہ ملیہ میں بصدارت علامہ اقبال خالدہ ادیبہ خانم کی تقریر، اسی شام دہلی سے روانگی

......31 جنوری۔ بھوپال پہنچ کر ریاض منزل میں قیام کیا۔

...... برقی علاج جاری رہا

......7 مارچ۔ بھوپال سے روانگی

......8 مارچ۔ آمد دہلی

......9 مارچ۔ روانگی از دہلی

......10 مارچ۔ آمد لاہور

...... نواب حمید اللہ خان والی بھوپال نے پانچ سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔

......11 مئی۔ مکتوب بنام لمعہ '' آپ کے ایما پر ٹیگور میری مزاج پرسی کے لیے لاہور آئے تھے مگر میں موجود نہ تھا۔ اس لیے ملاقات نہ ہو سکی''۔

...... ذاتی مکان '' جاوید منزل'' واقع میکلوڈ روڈ (حال علامہ اقبال روڈ) میں منتقل ہو گئے۔

......23 مئی۔ علامہ اقبال کی اہلیہ (والدہ جاوید اقبال) کا انتقال

......7 جولائی۔ مکتوب بنام لمعہ: ''میری صحت ٹھیک ہے مگر روز بروز انحطاط محسوس کر رہا ہوں۔''

......15 جولائی۔ بھوپال میں برقی علاج کے دوسرے کورس کے لیے لاہور سے روانگی۔

...... جاوید اور علی بخش بھی شریک سفر تھے۔

......16 جولائی۔ دہلی سے ہوتے ہوئے

......17 جولائی۔ بھوپال سے پہنچے اور شیش محل میں قیام کیا

...... برقی علاج جاری رہا

......28 /اگست۔ روانگی از بھوپال

......29 /اگست دہلی سے ہوتے ہوئے

......30 /اگست۔ لاہور پہنچے

......25 /اکتوبر: حالی کے صد سالہ جشن ولادت میں شرکت کے لیے پانی پت پہنچے۔ جاوید اقبال، نذیر نیازی، چودھر محمد حسین اور راجہ حسن اختر بھی شریک سفر تھے۔

26 /اکتوبر۔ نواب بھوپال کی صدارت میں منعقدہ اجلاس میں شرکت

......11 دسمبر۔ مکتوب بنام راس مسعود: ''نواب صاحب بھوپال نے جو رقم میرے لیے مقرر فرمائی ہے۔ وہ میرے لیے کافی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کی ہوس روپیہ کا لالچ ہے جو کسی طرح بھی کسی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے۔ مجھے اس رقم کو قبول کرتے ہوئے حجاب آتا ہے۔''

☆ 1936ء

......29 فروری۔ بھوپال میں برقی علاج کے تیسرے کورس کے لیے لاہور سے روانگی

...... یکم مارچ۔ دہلی سے ہوتے ہوئے

......2 مارچ۔ بھوپال پہنچے اور شیش محل میں قیام کیا۔

...... بھوپال میں برقی علاج جاری رہا

......8 /اپریل۔ بھوپال سے روانگی

......9 /اپریل۔ آمد لاہور

......12 /اپریل: انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں شریک ہو کر نظم ''نغمہ سرمدی'' پڑھی۔

...... اپریل۔ قائداعظم نے لاہور پہنچ کر علامہ اقبال سے ملاقات کی۔ علامہ اقبال پنجاب مسلم لیگ کے صدر مقرر ہوئے۔

☆ 1937ء

...... 15 جنوری۔ مکتوب بنام راس مسعود: ''امسال دربار حضور ﷺ میں حاضری کا قصد تھا مگر بعض موانع پیش آ گئے۔ ان شاء اللہ امید ہے کہ سال آیندہ حج بھی کروں گا اور دربار رسالت ﷺ میں حاضری دوں گا۔''

...... 27 جنوری۔ علامہ اقبالؒ نے مصری علما کے وفد کے اعزاز میں سپنسر ہوٹل (6 منٹگمری روڈ) میں کھانے کی دعوت دی۔

28/ اپریل۔ انجمن حمایت اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔

...... 13 جون۔ مکتوب بنام سر اکبر حیدری: ''تنہا خواہش جو ہنوز میرے جی میں خلش پیدا کرتی ہے، یہ رہ گئی ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو حج کے لیے مکہ جاؤں اور وہاں سے اس ہستی کے مزار پر حاضری دوں جس کا ذاتِ الٰہی سے بے پایاں شغف میرے لیے وجہ تسکین اور سر چشمہ الہام رہا ہے۔''

...... یکم جولائی۔ علالت کے سبب انجمن کی صدارت سے استعفا دے دیا۔

...... 2 دسمبر۔ مکتوب بنام سید میراں شاہ: ''الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں اور حج کی تیاریوں میں مصروف، خدا تعالیٰ آپ کا یہ سفر مبارک کرے...... کاش میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا لیکن افسوس ہے کہ جدائی کے ایام ابھی کچھ معلوم ہوتے ہیں۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ مبارک پر یاد بھی کیا جا سکوں۔''

☆ 1938ء

...... یکم جنوری۔ سال نو کا ریڈیائی پیغام: آج زمان و مکان کی تمام پہنائیاں سمٹ رہی ہیں ...... لیکن تمام ترقی کے باوجود اس زمانہ میں ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت، اشتراکیت، فسطائیت اور نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ ان نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں قدرِ حریت اور شرفِ انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا...... ہمیں نئے سال کی ابتدا اس دعا کے ساتھ

کرنی چاہیے کہ خداوند کریم حاکموں کو انسانیت اور نوعِ انساں کی محبت عطا فرمائے۔"

......9 جنوری۔ انٹر کالجیئٹ برادر ہڈ کے زیرِ اہتمام لاہور میں یومِ اقبال منایا گیا۔

......16 فروری: مکتوب بنام ڈاکٹر مظفر الدین! "حیدری صاحب نے مجھ پر ایک مزید عنایت کی اور وہ یہ کہ اقبال ڈے کے موقع پر حضور نظام کے توشہ خانہ سے بھی ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا مگر افسوس کہ میں اس عطیے کو قبول نہ کرسکا۔

......21 / اپریل: جاوید منزل میں صبح سوا پانچ بجے بروز جمعرات خالقِ حقیقی سے جا ملے

نومبر۔ آخری شعری مجموعہ "ارمغانِ حجاز" کی اوّلین اشاعت

نوٹ:۔ استاد گرامی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆-☆-☆

سنہرے اقوالِ اقبالؒ

☆ سچی سیاسی زندگی کا آغاز حقوق کے مطالبے سے نہیں بل کہ فرض کی ادائیگی سے ہوتا ہے۔ (شذرات، ص152)

☆ یہ سوچ کر اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ ﷺ کی عمرِ مبارک سے زیادہ نہ ہو جائے۔ (روزگار2، ص72)

☆ انسان دنیا میں عمل کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں جہاں یہ آیا ہے کہ جن وانس عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، وہاں عبادت سے بھی عمل ہی مراد ہے۔ ہر انسان ادنیٰ پیمانے پر خود ایک خالق ہے اور ان تخلیقی قوتوں کو ضائع کرنے کا نام گناہ ہے، تم کامیابی اور ناکامی پر نظر نہ کرو، اپنے مقصدِ تخلیق کو جانو اور جدوجہد کیے جاؤ۔ (سیرتِ اقبالؒ، ص: 121)

☆ فطرت کا حسن محض دیدۂ عاشقی ہی سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے سچی شادی کی بڑی اہمیت ہے۔ (شذرات، ص152)

☆ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کی حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے، قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں، محافظانہ اور مصلحانہ۔ (انوارِ اقبال، ص: 218-217)

☆ وہ عورت جو کمالِ حسن کے باوصف پندارِ حسن سے مطلق مبرا ہو۔ میرے نزدیک خدا کی تمام مخلوقات ارضی ہیں دلکش ترین شے ہے۔ (شذرات، ص150)

☆ فلسفہ انسانی عقل کی خنک تیرگی میں ٹھٹھرتے ہوئے تجربات کو مجموعہ ہوتا سے شاعر آتا ہے اور اپنے سوز و دل سے انھیں گرما کر واقعیت مین بدل دیتا ہے۔ (شذرات، ص149)

☆ اگر آپ ایک بڑے کتب خانے کے مالک ہیں اور اس کی ساری کتابیں آپ کے علم میں ہے تو اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امیر ہیں لیکن ضروری نہیں کہ آپ مفکر بھی ہوں آپ کے بڑے کتب خانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ بہت سے آدمیوں کی فکری خدمات حاصل کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ (شذرات، ص144)

☆ ریاضی کے ایک خط میں اتنی رسائی ممکن نہیں لیکن شاعر کا ایک خطِ مصرعہ لامحدودیت سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔ (شذرات، ص139)

☆ قومیت کا تصور یقیناً قوموں کی نشو ونما میں ایک صحت مند عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن جذبہ قومیت مائل بہ افراط ہوتا ہے اور جب یہ حد سے متجاوز ہو جاتا ہے تو اس میں فن اور ادب کے وسیع تر انسانی مقاصد کو ختم کر دینے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ (شذرات، ص134)

☆ میں نے قوم کو بیدار کر دیا ہے اور تمھارے سامنے ''عمل'' کی شاہراہ پیش کر دی ہے۔ میرا کام ہے درس دینا آگے یہ تمھارا ذمہ ہے کہ اِن تعلیمات پر عمل کرو اور میدانِ زندگی میں جہاد کرتے رہو۔ (سیرتِ اقبال، ص: 117)

☆ اسلام اور عیسائیت دونوں کو ایک مشترک حریف یعنی بت پرستی سے نپٹنا پڑا لیکن فرق یہ ہے کہ عیسائیت نے اپنے حریف سے سمجھوتہ کر لیا اسلام نے اسے بالکل نیست و نابود کر دیا۔ (شذرات، ص136)

☆ میں آپ کو صرف ایک نصیحت کرتا ہوں اور آپ میری رائے کو عام شہرت دیجیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ذات پات کی لعنت کو یک سر ترک کر دے۔ آپ کی ذات صرف ''اسلام'' ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اس امر پر اصرار کریں کہ ہماری ذات ''مسلمان'' ہے اور کچھ نہیں۔ (سیرتِ اقبال، ص: 121)

☆ کردار اور صحت مند تخیل میسر آ جائے تو اس گناہ اور دکھ بھری دنیا کی ایسی تعمیر نو ممکن ہے کہ یہ ایک حقیقی جنت بن جائے۔ (شذرات، ص138)

☆ مومن دنیا کے تعیّشات کے لیے نہیں بنایا گیا۔ بندہ مومن کو دنیا میں محنت و مشقت میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔ مذہب کے حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے، دنیا کافروں کے لیے ہے ان کو یہیں جنت ملتی ہے، مومن کے لیے تمام عیش و نعم جنت میں مہیا کیے گئے ہیں، وہاں اس پر کسی قسم کی پابندی و مشقت نہ ہوگی، جو شخص اس قیدِ دنیا سے اس حقیقت تک پہنچ جائے اس کے لیے یہی قید باعث فلاح اور نعمتِ الٰہی ہے۔ (سیرتِ اقبال، ص: 122)

☆ جب شاعر کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں تو دنیا کی بند ہوتی ہیں اور جب شاعر کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہیں تو دنیا کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ صدیوں تک اس کی تعریف و توصیف کے گیت گاتی رہتی ہے۔ (روزگارِ فقیر، ص: 65)

☆ قرآن کریم اس اعتبار سے بڑا ہی مظلوم صحیفہ ہے کہ جسے دُنیا میں اور کوئی کام نہیں ملتا، وہ اس کے ترجمہ و تفسیر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (روزگارِ فقیر، ص: 66)

☆ تمھارا کام تو زمین ہموار کرنا اور اس میں پودا لگانا ہے، یہ پودا ایک دن خود بخود تناور درخت بن جائے گا اور پھل لائے گا۔ (روزگارِ فقیر، ص: 81)

☆ شادی کا بنیادی مقصد صالح، توانا اور خوش شکل اولاد پیدا کرنا ہے اور رومان کا اس میں دخل نہیں ہونا چاہیے۔ (روزگارِ فقیر، ص: 88)

☆ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ وہ انسان میں خدا سے ربطِ قلبی کا اعلیٰ شعور پیدا کر دے تاکہ انسان اس ربط کی بدولت مشیت ایزدی سے ہم آہنگی پیدا کر سکے۔ (روزگارِ فقیر، ص: 156)

☆ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر سراسر غلط ہے۔

(اقبال نامہ 1، ص 319 بنام خواجہ غلام السیدین 1936ء)

☆ مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی مساوات کی آبائی میراث ہے۔

(اقبال نامہ 364 راس راس مسعود 1935ء)

☆ بہترین مسلمانوں نے سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ہے۔

(اقبال نامہ ص 41-37 بنام راس مسعود 1935ء)

☆ ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے۔

(اقبال نامہ، ص 396 بنام شیخ عبداللہ 1933ء)

☆ آرٹ اقوام عالم کی زندگی کا عکس ہے، کسی قوم کے آرٹ کو دیکھ کر اس قوم کی نفسیاتی کیفیتیوں کا صحیح نقشہ کھینچا جا سکتا ہے لیکن آرٹ زندگی کا مظہر ہی نہیں، زندگی کا آلۂ کار بھی ہے اور سچا آرٹسٹ وہ ہے جو اپنے کمال کو بنی نوع انسان کی بہتری کے لیے وقف کر دے فن ایک مقدس جھوٹ ہے۔

(روزگارِ فقیر، ص: 179)

☆ میرے نزدیک حقیقی آرٹسٹ وہ ہے جو اپنی قوم کا نبض شناس ہو اور آرٹ کو قومی امراض کے دفیعہ

کا ذریعہ بنائے۔(انوارِ اقبال،ص:35)

☆ اس گوہر نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے۔(انوارِ اقبال،ص:36)

☆ تقدیر الٰہی سے کوئی چارہ نہیں، مسلمان کے لیے تسلیم کے سوا کوئی راہ نہیں اور یہی راہ نسب واولیٰ ہے۔(انوارِ اقبال،ص:52)

☆ وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردہ بناتا ہے۔میری نزدیک لعنتی ہے۔
(انوارِ اقبال،ص:75)

☆ جن لوگوں کے عقائد وعمل کا ماخذ کتاب وسنت ہے، اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت وآبرو پر ترجیح دیتا ہے۔
(انوارِ اقبال،ص:168)

☆ عام مسلمانوں کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی زیارت خیر و برکت کا باعث ہے۔(انوارِ اقبال،ص:186)

☆ دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدے کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے نفسِ انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود معین کرتا ہے۔(انوارِ اقبال،ص:216)

☆ میرے خیال میں سود ہر صورت میں حرام ہے، مگر یہ آئیڈیل صورت سوسائٹی کی ہے۔شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ ہے کہ بنک سے سود لے لینا جائز ہے، اسلام کے نزدیک زمین وغیرہ امانت ہے۔
(انوارِ اقبال،ص:219)

☆ اگر مذہبی پہلو سے اسلامی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ قربانیوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ معلوم ہوتی ہے......ارکان اسلام کی پابندی مسلمانوں کا ایک عظیم امتحان ہے...... کیوں کہ شعائر اسلام کی پابندی سے رُوح کو وہ تدریجی تربیت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں تبتیل الا اللہ کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔(انوارِ اقبال،ص:245)

☆ راوی کے کنارے غروب آفتاب کے ایک پُر جلال منظر کے مقابلے میں آپ کے کتب خانے کا سارا حیرت انگیز کتابی علم و دانش ہیچ ہے۔(شذرات،ص151)

☆ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنالیتا ہے۔(انوارِ اقبال،ص:279)

☆ خودی خواہ مسولینی کی ہو خواہ ہٹلر کی قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔

(انوارِ اقبال، ص: 72-71)

☆ مسلم تو وہ خاک نہیں کہ خاس اسے جذب کر سکے، ایک قوت نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہر موسویت اور ابراہیمیت کی۔ آگ اُسے چھو جائے تو بردوسلام بن جائے، پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے، آسمان وزمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں پانی آگ جذب کر لیتا ہے، عدم بُو دکو کھا جاتا ہے، پستی بلندی میں سما جاتی ہے مگر جو قوت جامع اصداد ہو اور محلل تمام تنا قصات کی ہو اسے کون جذب کرے، مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اس کی قوت حیات و موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات ومحات کا تناقص مٹا چکی ہے۔ (انوارِ اقبال، ص: ۲۱۸، 218)

☆ شعر کا صحیح ذوق شاعری سے کم نہیں بل کہ کم از کم ایک اعتبار سے اس سے بہتر ہے، محض ذوقِ شعر رکھنے والا شعر کا ویسا ہی لطف اٹھا سکتا ہے جیسا کہ خود شاعر اور تصنیف کی شدید تکلیف اُسے اٹھانی نہیں پڑتی۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص: 14-13)

☆ ضبطِ نفس افراد میں ہو تو خاندانوں کی تعمیر ہوتی ہے۔ قوموں میں ہو تو سلطنتیں قائم ہوتی ہیں۔

(شذرات، ص136)

☆ شوق خود مرشد ہے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص: 23)

☆ عالم باعمل روز روز نہیں پیدا ہوتے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص: 27)

☆ مہدی سے مراد کوئی خاص مہدی نہیں ہے، وہی جو عالم افکار میں زلزلہ پیدا کر سکے۔

(اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص: 31)

☆ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لیے ضروری تصور کرتا ہے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص: 33)

☆ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا، جس قوم میں طاقت وتوانائی مفقود ہو جائے ...... تو پھر اس قوم کا نکتہ نگاہ بدل جاتا ہے، ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین وجمیل شے ہو جاتی ہے اور ترکِ دنیا موجب تسکین۔ اس ترک دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی وکاہلی اور اس شکست کو جو اِن کو تنازع للبقا میں ہو، چھپایا کرتی ہیں۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص: 36)

☆ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص: 44)

☆ اگر لٹریری اصول یہ ہو کہ حُسن حُسن ہے خواہ اس کے نتائج مفید ہوں خواہ مُضر تو خواجہ دُنیا کے بہترین شعراء میں سے ہیں۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:49)

☆ زبان کو میں ایک بُت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے بل کہ اظہارِ مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں، زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ بدلتی رہتی اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مردہ ہو جاتی ہے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:52)

☆ اپنی زبان غیر زبان سے ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:56)

☆ یہ دنیا عجیب قسم کی فرضی کامیڈی کا ٹریجڈی پر مبنی انجام ہے، جس ڈرامہ کی ایکٹنگ ہم آپ جیسے انسان انجام دے رہے ہیں، اس کے ڈائریکٹر کی انسان نوازی پر فخر کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے ڈرامہ کی شوٹنگ کے لیے انسان کو مختص فرمایا۔ دنیا میں انسان کی کامیابی یا ناکامی کوئی معنی نہیں رکھتی، یہ دونوں بے معنی لفظ ہیں اور اسی دھن میں دنیا کی اکثریت مبتلا ہے۔

(اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:270)

☆ انسان صرف جویائے محبت اور اپنے یارِ حقیقی کی دھن میں لگا رہے، باقی تمام عبث اور خیالی دنیا کا بے ہودہ فلسفہ ہے ہم اس کو ڈھونڈتے رہیں جو ہم کو ڈھونڈنا چاہتا ہے اس کو ڈھونڈیں خوب ڈھونڈیں اور اتنا ڈھونڈیں کہ اپنے آپ کو پالیں۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:297)

☆ میں مسلمان اور ان شاء اللہ مسلمان مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت کے قرآنی مفہوم کا۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:297)

☆ مسلم ایشیا لیگ آف نیشنز کو انگریزوں اور فرانسیسیوں کا ایک ایسا ادارہ سمجھتا ہے، جسے انھوں نے کمزور سلطنتوں کے علاقوں کی تقسیم کے لیے وضع کر رکھا ہے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:391)

☆ بلند حوصلگی، عالی ظرف سخاوت اور اپنی روایات وقوت پر جائز فخر ایسی چیزیں ہیں جو شخصیت کے احساس کو مستحکم کرتی ہیں۔ (شذرات ص77)

☆ شاعری میں منطقی صدات کی تلاش فضول ہے تخیل کا نصب العین حسن ہے نہ کہ صداقت کسی شاعر کی عظمت کے ثبوت میں اس کے کلام کے وہ نمونے پیش نہ کیجیے جو آپ کی رائے میں سائنسی صداقت کے ترجمان ہیں۔ (شذرات، ص75)

☆ یعنی روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا، جب ایک قوم کو حق وصداقت

کی حمایت میں دعوت پیکار دی جائے و میرے عقیدے کی رُو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے، لیکن میں ان تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں، جن کا مقصد محض کشور کشائی اور ملک گیری ہو۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:446)

☆ ہمارے عہد نامے اور پنچائتیں جنگ و پیکار کو صفحۂ حیات سے محو نہیں کر سکتیں، کوئی بلند مرتبہ شخصیت ہی ان مصائب کو خاتمہ کر سکتی ہے۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:460)

☆ خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں بل کہ تمام انسان اس میں داخل ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ نسل اور قومیت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں اور ایک دوسرے کی شخصیت تسلیم کریں۔ (اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:464)

☆ آج ہمیں اس چیز کی ضرورت ہے کہ سائنس کا محل استعمال قطعی طور پر بدل جائے، ان خفیہ سیاسی منصوبوں سے احتراز کیا جائے، جن کا مقصد بھی یہ ہے کہ کمزور و زبوں حالی یا ایسی اقوام جو عیاری اور حیلہ گری کے فن میں چنداں مہارت نہیں رکھتیں، صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں۔

(اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:470)

☆ عقلِ انسانی فطرت کی جانب سے خود انتقادی کی ایک کوشش ہے۔

(اقبالنامہ، (حصہ اوّل) ص:470)

☆ میں تاریخ میں خدا کی رحمت و شفقت سے زیادہ اس کی قدرت کا ظہور دیکھتا ہوں، میری مراد یہ ہے کہ تاریخی تجربے کی بنا پر خدا کو قادرِ مطلق کہنا زیادہ مناسب ہے۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:66)

☆ شخصیت انسان کا عزیز ترین سرمایہ ہے لہٰذا اسی کو خیر مطلق قرار دینا چاہیے اور اپنے تمام اعمال کی قدر و قیمت کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیے، خوب وہ یہ جو شخصیت کے احساس کو بیدار رکھے اور ناخوب وہ ہے جو شخصیت کو دبائے اور بالآخر شخصیت اسے ختم کر دینے کی طرف مائل ہو، اگر ہم وہ طرزِ زندگی اختیار کریں جس سے شخصیت کو تقویت پہنچے تو دراصل ہم موت کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:70)

☆ تاریخ ایک قسم کی اطلاقی اخلاقیات ہے۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:77)

☆ وطن پرستی بھی بُت پرستی کی ایک نازک صورت ہے۔ مختلف قوموں کے وطنی ترانے میرے اس دعوے کا ثبوت ہیں...... بت پرستی کی تمام اقسام کے خلاف احتجاج کرنا ہمارا ابدی نصب العین

ہے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:79)

☆ انصاف ایک بیش بہا خزانہ ہے لیکن ہمیں لازم ہے کہ اسے رحم کی دستبرد سے محفوظ رکھیں۔

(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:83)

☆ ہمارے ملّی اتحاد کا انحصار اس بات پر ہے کہ مذہبی اصول پر ہماری گرفت مضبوط ہو، جونہی یہ گرفت ڈھیلی پڑی ہم کہیں کے نہ رہیں گے، شاید ہمارا وہی انجام ہو جو یہودیوں کا ہوا۔

(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:84)

☆ فلسفہ حق کی منطق ہے اور تاریخ طاقت کی منطق لیکن مؤخر منطق کے احکام واصول، مقدم کے احکام واصول سے زیادہ معقول ہوتے ہیں۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:85)

☆ اقوام کی تولیت ضروری ہے، بعض اوقات اس تولیت وتربیت کے معاوضے میں قوموں کو نان شبینہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:89)

☆ افراد اور اقوام فنا پذیر ہیں لیکن تصورات جوان کی اولاد معنوی ہیں، ہرگز فنا نہیں ہوتے۔

(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:103)

☆ تاریخ محض انسانی محرکات کی توجیہہ وتفسیر ہے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:116)

☆ آئین حیات کیا ہے؟ جہدِ مسلسل!(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:130)

☆ قوی انسان ماحول تخلیق کرتا ہے، قوت باطل کو چھو لیتی ہے تو باطل حق میں بدل جاتا ہے، تہذیب مردِ قوی کا ایک خیال ہے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:131)

☆ ضبطِ نفس افراد میں ہو تو خاندانوں کی تعمیر ہوتی ہے، قوموں میں ہو تو سلطنتیں قائم ہوتی ہیں۔

(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:133-132)

☆ کردار اور صحت مند تخیل میسر آجائے تو اس گناہ اور دُکھ بھری دنیا کی ایسی تعمیرِ نو ممکن ہے کہ یہ ایک حقیقی جنت بن جائے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:136)

☆ مصیبت ایک عطیہ خداوندی ہے تاکہ انسان پوری زندگی کا مشاہدہ کرے۔

(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:138)

☆ روحِ ارضی اپنی داخلی زندگی کے مختلف پہلاؤں کو علامات کے پردوں میں چھپا لیتی ہے۔کائنات ایک عظیم علامت کے سوا اور کچھ نہیں، لیکن وہ ہمارے لیے ان علامات کی توجیہہ وتعبیر کی زحمت

گوارہ نہیں کرتی، یہ فرض شاعر کے ذمے ہوتا ہے کہ ان کی توجیہہ کرے اور انسان پر ان کا مفہوم واضح کر دے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اور روح ارضی باہم مدمقابل ہیں کیوں کہ جو کچھ یہ چھپاتی ہے، اسے وہ ظاہر کر دیتا ہے۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:138)

☆ تاریخ ایک طرح کا ضخیم گراموفون ہے جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔
(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:139)

☆ فنونِ شعر و نقاشی کی طرح زندگی بھی تمام تر اظہار ہے، تفکر بغیر عمل موت ہے۔
(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:140)

☆ زندگی میں کامیابی کا اظہار عمل پر ہے نہ کہ عقل پر۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:141)

☆ اپنی حدود کو پہچانیے اور اپنی صلاحیتوں کو پرکھیئے پھر زندگی میں آپ کی کامیابی یقینی ہے۔
(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:142)

☆ کاہل دماغ میں پودے کی سی خصوصیت ہوتی ہے۔ وہ بھی ناچ نہیں سکتا۔
(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:142)

☆ اگر آپ ایک بڑے کتب خانے کے مالک ہیں اور اس کی ساری کتابیں آپ کے علم میں ہیں تو اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امیر ہیں لیکن ضروری نہیں کہ آپ مفکر بھی ہوں، آپ کے بڑے کتب خانے سے مطلب صرف یہ ہے کہ آپ بہت سے آدمیوں کی فکری خدمات حاصل کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:143)

☆ قومیں شعراء کے دلوں میں جنم لیتی ہیں اور ریاست دانوں کے ہاتھوں میں پلتی اور مر جاتی ہیں۔
(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:144)

☆ پیغمبر ایک باعمل شاعر ہوتا ہے۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:148)

☆ فلسفۂ انسانی عقل کی خنک تیرگی میں ٹھٹھرتے ہوئے تجربات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ شاعر آتا ہے اور اپنے سوزِ دل سے انھیں گرما کر واقعیت میں بدل دیتا ہے۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:149)

☆ سچی سیاسی زندگی کا آغاز حقوق کے مطالبے سے نہیں بل کہ فرائض کی ادائیگی سے ہوتا ہے۔
(شذراتِ فکرِ اقبال، ص:149)

☆ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہمارے اکتسابی معلومات کا ذخیرہ ہم خود مخلوقِ الٰہی ہیں اور ہمارے

اکتسابی آلات علمیہ ہماری مخلوق یعنی ہمارا علم مخلوق کا علم ہے، دوسرا وہ علم جو خواص کو عطا ہوتا ہے وہ بے منت کسب، قلب اور روح کے الحاق سے اُبلتا ہے۔

(ہفت روزہ چٹان، 25/اپریل 1949ء، ص: 41)

☆ خدا اور شیطان دونوں انسان کو صرف مواقع فراہم کرتے ہیں اور یہ اسی پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ ان مواقع سے جیسا مناسب سمجھے فائدہ اٹھائے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص: 152)

☆ فلسفہ بوڑھا بنا دیتا ہے، شاعری تجدید شباب کرتی ہے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص: 152)

☆ (سیاسی لیڈر) یہ لوگ سب خود غرض ہیں اور ایثار نہیں کر سکتے، لیڈر امیروں کی جماعت میں موجود ہیں ہی نہیں، مسلمانوں کے لیڈر عوام میں سے پیدا ہوں گے، تم دیکھ لینا ایسا ہو کر رہے گا۔ پھر وہ لوگ رہنمائی کر سکیں گے۔(شذراتِ فکرِ اقبال، ص: 159)

☆ (جہاد) عام طور پر تو دفاعی ہے لیکن بوقت ضرورت جارحانہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی قوم کی بداخلاقی اس قدر بڑھ جائے کہ اس سے ہمسایہ قوموں کے اخلاق تباہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ہمسایہ مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ بزور شمشیر اس قوم میں سے خرابی کو مٹانے کی کوشش کرے چناں چہ سلطان شہید ٹیپو نے مالابار کے غیر مسلم وحشی باشندوں سے کہا تھا کہ تم لوگ بجائے برہنہ پھرنے کے کپڑے پہننا شروع کر دو ورنہ میں بزور شمشیر تمھیں کپڑے پہننے پر مجبور کر دوں گا۔(ملفوظاتِ اقبال، ص: 40)

☆ میر امدتُ العمر کا مطالعہ اور مشاہدہ مجھے یقین دلا چکا ہے کہ یہ لوگ (امیر) بالکل بیکار ہیں، بالخصوص ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمان، اگر کبھی کام آسکتے ہیں تو غریب مزدوری پیشہ یا دکاندار جن کے لیے ان کے دل میں محبّت اور عزت ہے اور جس سے مل کر انھیں حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے۔(ملفوظات اقبال، ص: 211)

☆ جہاں سائنس ختم ہوتی ہے وہاں سے فلسفہ شروع ہوتا ہے اور حیرت و استعجاب جو سائنس کا انجام ہے، فلسفہ کا آغاز ہے جو کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے ایسا ہوتا رہا ہے۔(ملفوظاتِ اقبال، ص: 204)

☆ ہندی شاعری کے تمام دفتر دیکھ ڈالیے کہیں گرمی نظر نہیں آئے گی، ہندو کو ہر جگہ شانتی کی تلاش ہے، ہندوؤں کی ادبی پیداوار میں میرے نزدیک اس کی صرف ایک استثنا ہے، رامائن اور وہ بھی بعض بعض حصوں میں۔(ملفوظاتِ اقبال، ص: 190-189)

☆ مرد دماغ سے تخلیق کا کام لیتا ہے اور عورت رحم سے، عورت کو دماغ کمزور ملا تھا، اس لیے کہ تخلیقی قوت اس کے معاملہ میں دماغ کی بجائے رحم سے تعلق رکھتی ہے۔ (ملفوظاتِ اقبال، ص: 183)

☆ مسلمانوں نے دنیا کو دکھانے کے لیے دنیوی تعلیم حاصل کرنی چاہی لیکن نہ تو دنیا ہی حاصل کر سکے اور نہ دین سنبھال سکے، یہی حال آج مسلم خواتین کا ہے جو دینوی تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دین بھی کھو رہی ہیں۔ (ملفوظاتِ اقبال، ص: 207)

☆ حکومت کا سب سے بڑا فرض افراد کے اخلاق کی حفاظت ہے لیکن اس اہم ترین فرض کو دنیائے جدید تسلیم ہی نہیں کرتی، حکومتیں محض لوگوں کے سیاسی خیالات و رجحانات سے تعلق رکھتی ہیں۔ افراد کے اخلاق کو درست کرنا اپنے فرائض میں داخل ہی نہیں سمجھتیں۔ (ملفوظاتِ اقبال، ص: 208)

☆ اسلام تہذیب حاضرہ کی تمام ضروری اور اصولی چیزوں کا دشمن ہے اس لیے مسلمانوں کو اُسے تباہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیوں کہ ان چیزوں کو جزوِ اسلام بنالیا جائے۔

(ملفوظاتِ اقبال، ص: 209)

☆ عالم باعمل روز روز نہیں پیدا ہوتے۔ (مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین، ص: 10)

☆ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی۔

(اقبال نامہ (حصہ اول)، ص: 31)

☆ حُسن، حُسن ہے خواہ اس کے نتائج مفید، خواہ مُضر۔ (اقبال نامہ (حصہ اول)، ص: 44)

☆ مسلمان وہ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے۔ یہ ایک قوتِ نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہر موسویت اور ابراہمیت کی، آگ اسے چھو جائے تو بردوسلام بن جائے۔ پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے، آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں، پانی آگ کو جذب کر لیتا ہے، عدم بود کو کھا جاتا ہے، پستی بلندی میں سما جاتی ہے، مگر قوت جامع اضداد ہوا اور محلل تناقضات کی ہو اسے کون جذب کرے۔ (اقبال نامہ (حصہ اول)، ص: 52)

☆ اگر افراد قومیت کے شیرازے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ نہ ہوں گے تو نظام قدرت کے قوانین ان کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے قدرت کسی خاص فرد یا مجموعہ افراد کی پروا نہیں کرتی۔ (انوار اقبال ص 30 بنام ایڈیٹر زمانہ کانپور۔)

☆ اصل میں برطانوی مصالح نے تنسیخ جہاد کے لیے اس نبوت (قادیانیت) کے کاروبار کو قائم کیا۔

قرآن کے بعد نبوتِ ووحی کا دعویٰ تمام انبیائے کرام کی توہین ہے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔ ختمیت کی دیوار میں سوراخ کرنا تمام نظام دیانت کو درہم برہم کرنا ہے۔
(اقبال نامہ (حصہ اول)، ص: 14-13)

☆ تہذیب کا تعلق باہر کی دنیا سے ہے اور ثقافت کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے۔
(ہفت روزہ چٹان، 25 اپریل 1949ء، ص: 42)

☆ وقت تلوار ہے، انسان پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے بڑھاپا آتا ہے، پھر موت...... یہ وقت کی تلوار ہے۔ (ہفت روزہ چٹان، 25 اپریل 1949ء، ص: 41)

☆ رات کے تارے جو اپنی چمک دمک کے لیے تاریکی کے محتاج ہیں اور جو محض روشنی کی چنگاریاں ہیں ان کی عمر اس قدر لمبی ہے کہ انسانی عقل اس کا اندازہ کرنے سے قاصر ہے پھر انسان جو قدرت کا روشن تری ستارہ ہے۔ کیا یہ ایک عارضی زندگی رکھتا ہے اور روشنی کی آسمانی چنگاریوں سے بھی گیا گزرا ہے۔ نہیں اس کی عمر ستاروں کی عمر سے بدرجہا زیادہ ہے یہ ایک نہ بجھنے والا چراغ ہے۔ (روزگار۔2 ص141)

☆ زندگی اور موت رنج و راحت سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔
(روزگار2، ص186 بنام اعجاز 1931ء)

☆ آدمی اگر کچھ وقت کے بعد اپنے مصائب اور غم کو بھول جاتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وقت میں کوئی پوشیدہ قوت ہے جس سے وہ انسانی غموں کو پرانا کر کے فنا کر دیتا ہے۔ ہم جو مرنے والوں کو فراموش کر دیتے ہیں۔ تو یہ فراموشی وقت کے گزر جانے کا اثر نہیں بل کہ ہماری نفرت میں ایک احساس مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان مر کر فنا نہیں ہوتا۔ اس لطیف احساس کی وجہ سے ہمارا غم دور ہو جاتا ہے۔ بس گزرے ہوئے عزیزوں کی طرف سے بے پروائی اور گو نہ غفلت روح کے اس احساس کی وجہ سے کہ ہمارے عزیز زندہ موجود ہیں۔ اگر وہ حقیقت میں فنا ہو چکے ہوتے تو یقیناً ہمارا غم کبھی ختم نہ ہوتا۔ (روزگار2 ص142)

☆ مذہب دنیا میں صلح کرانے کے لیے آیا ہے نہ کہ جنگ کی غرض سے۔
(انوار اقبال، ص3، بنام ایڈیٹرز زمانہ کانپور، 1906ء)

☆ آرٹ اقوام عالم کی زندگی کا عکس ہے کسی قوم کے آرٹ کو دیکھ کر اس قوم کی نفسیاتی کیفیتوں کا صحیح

نقشہ کھینچا جا سکتا ہے۔ لیکن آرٹ زندگی کا مظہر ہی نہیں آسکارا بھی ہے اور سچا آرٹسٹ وہ ہے جو اپنے کمال کو بنی نوع انسان کی بہتری کے لیے وقف کر دے۔ (انوار اقبال، ص35: ملاقات مجید ملک)

☆ میرے نزدیک حقیقی آرٹسٹ وہی ہے جو اپنی قوم کا نبض شناس ہو اور آرٹ کو قومی امراض کے دفعیہ کا ذریعہ بنائے۔ (انوار اقبال ص36: ملاقات مجید ملک)

☆ علم کے چار ذریعے ہیں۔ پہلا ذریعہ وحی ہے......اور وہ ختم ہو چکا ہے اور دوسرا آثار قدیمہ تاریخ ہے جس پر قرآن کی آیات متوجہ کر رہی ہیں...... تیسرا ذریعہ علم النفس ہے اور چوتھا ذریعہ صحیفۂ فطرت ہے۔ (ہفت روزہ چٹان، 25/اپریل 1949ء، ص:41)

☆ تاریخ اجتماعی حیثیت سے انسانی روح کی ایک حرکت ہے روح انسانی کا کوئی ماحول نہیں بل کہ تمام عالم اس کا ماحول ہے اگر اسے کسی قوم کی ملکیت سمجھا جائے تو یہ تنگ نظری کا ثبوت ہے۔

(گفتارِ اقبال، ص153، 1932ء)

☆ طاقت سے زیادہ دوست کی اور کوئی چیز لطف اٹھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

(اقبال از عطیہ، ص64، بنام عطیہ۔1910ء)

☆ لوگ زندگی کو پیارا سمجھتے ہیں اور صحیح بھی یہی ہے مجھ میں طاقت ہے کہ میں اسے مفت دے دوں جب کبھی دوسروں کو اس کی ضرورت ہو۔ (اقبال از عطیہ 67 بنام عطیہ 1910ء)

☆ آپ اپنی مہم میں ناکام رہے اور اب آپ اپنے گھر سے دور، دیارِ غیر میں قسمت آزمائی کے خواہاں ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ناکامی نے آپ کے عزائم میں ایک نئی تحریک پیدا کر دی ہے بل کہ خاص وجہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے روپوش ہونا چاہتے ہیں جو آپ کی ناکامی کے عینی شاہد ہیں۔

(شذرات، ص69)

☆ پندار کی تسکین میں ہمارے لیے ایک معاشی پہلو بھی ہے آپ مجھے ہسپتال اسٹنٹ کے بجائے سب اسٹنٹ سرجن کہیں تو میں بالکل مطمئن ہو جاؤں گا خواہ آپ میری تنخواہ میں کوئی اضافہ نہ کریں۔ (شذرات، ص69)

☆ کسی معاشرے میں مذہب کا سب سے بڑا امین ومحافظ کون ہوتا ہے؟ عورت ہوتی ہے۔

(شذرات 85)

☆ فطرت کی جزرسی کے باعث ہر قوم کو ایک وظیفہ خاص تفویض ہوا ہے علم انسانی کی تنظیم کا فریضہ

جرمن قوم کے ذمے ہے۔(شذرات،87)

☆ اب دنیا، اسلام کی طرف آ رہی ہے اس لیے اگر آج تہذیب مغربی تباہ ہو جائے تو اسلام کا بول بالا ہو جائے گا لہٰذا مسلمانوں کو اس آنے والے دور کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔
(ملفوظاتِ اقبال،ص:209)

☆ ہر شخص ہر کتاب کو اپنے خیالات کی روشنی میں پڑھتا ہے اور اس کے مضامین سے وہی نتائج نکالتا ہے جن کی اس کی دماغی تربیت مقتضی ہوتی ہے۔ سیاست مسلمانوں میں کوئی علیحدہ شے نہیں بل کہ خالص مذہبی نکتۂ خیال سے کچھ شے ہی نہیں اور اگر کچھ ہے تو مذہب کی لونڈی ہے۔
(ملفوظاتِ اقبال،ص:210)

☆ فنون شعر و نقاشی کی طرح زندگی بھی تمام تر اظہار ہے تفکر بغیر عمل موت ہے۔(شذرات،ص142)

☆ خوشامد مبالغہ آمیز خوش خلقی ہے۔(شذرات،ص172)

☆ سائنس، فلسفہ، مذہب ان سب کی حدیں متعین ہیں۔ صرف فن ہی لامحدود ہے۔(شذرات،ص170)

☆ لوگوں کے طرزِ فکر سے ان کے کردار کے متعلق رائے قائم کرنے میں ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔
(شذرات،ص125)

☆ خدا نے اشیاء تخلیق کیں اور انسان نے اشیاء کی قدر۔(شذرات،ص131)

☆ قوی انسان ماحول تخلیق کرتا ہے کمزور دل کو ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا پڑتا ہے۔
(شذرات،ص132)

☆ قوت باطل کو چھو لیتی ہے تو باطل حق میں بدل جاتا ہے۔(شذرات،ص133)

☆ ضبطِ نفس افراد میں ہو تو خاندانوں کی تعمیر ہوتی ہے۔ قوموں میں ہو تو سلطنتیں قائم ہوتی ہیں۔
(شذرات،ص136)

☆ مصیبت ایک عطیہ خداوندی ہے تا کہ انسان پوری زندگی کا مشاہدہ کرے۔(شذرات،ص138)

☆ مذہب بغیر قوت کے محض فلسفہ ہے۔(اقبال،ص27 تا45)

☆ فن ایک مقدس جھوٹ ہے۔(شذرات،ص165)

☆ جب کسی عظیم ذہن سے ہمارا رابطہ قائم ہوتا ہے تو ہماری روح اپنا انکشاف کر لیتی ہے۔
(شذرات،ص65)

☆ یقین ایک عظیم قوت ہے۔(شذرات،ص70)

☆ ہیگل کا نظام فلسفہ نثر میں ایک رزمیہ ہے۔(شذرات،ص71)

☆ سیاسی اقتدار کا زوال قومی کردار کے حق میں بھی تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔(شذرات،ص73)

☆ اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔(شذرات،ص83)

☆ انصاف ایک بیش بہا خزانہ ہے۔(شذرات،ص84)

☆ فلسفہ حق کی منطق ہے اور تاریخ طاقت کی منطق ہے لیکن موخر منطق کے احکام واصول، مقدم کے احکام واصول سے زیادہ معقول ہوتے ہیں۔(شذرات،ص89)

☆ آرنلڈ نے شعر کو تنقید حیات قرار دیا ہے لیکن یہ بات بھی یکساں طور پر درست ہے کہ خود حیات تنقیدِ شعر ہے۔(شذرات،ص90)

☆ سیواجی اورنگ زیب کے عہد کی پیداوار نہیں تھا اس کا وجود ان معاشرتی اور سیاسی عوامل کا رہین منت ہے۔جو اکبر کی حکمت عملی سے ظہور میں آئے۔(شذرات،ص99-98)

☆ اورنگ زیب کا سیاسی فہم وادراک صائب ہونے کے باوجود بعد از وقت ثابت ہوا تاہم اس سیاسی بصیرت کی اہمیت کے پیش نظر اس ہندوستان میں مسلم قومیت کا بانی قرار دینا چاہیے۔
(شذرات،ص99)

☆ اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ تاریخ اسلام کا اہم ترین واقعہ کون سا ہے تو میں بلا تامل کہوں گا، فتح ایران۔(شذرات،ص101)

☆ ہماری مسلم تہذیب سامی اور آریائی تصورات کی پیوندکاری کا حاصل ہے گویا یہ ایسی اولاد ہے جسے آریائی ماں کی نرمی ولطافت اور سامی باپ کی پختگی وصلابت ورثے میں ملی ہے۔فتح ایران کے بغیر اسلامی تہذیب یک رخی رہ جاتی ہے۔فتح ایران سے ہمیں وہی کچھ حاصل ہو گیا جو فتح یونان سے رومیوں کو ملا تھا۔(شذرات،ص101)

☆ کسی نظم کی مقبولیت اس بات پر منحصر نہیں کہ اس میں منطقی صداقت کا اظہار کس حد تک ہوا ہے۔
(شذرات،ص104)

☆ زندگی کی عمیق ترین حقیقتوں کو سادہ حکایتوں اور تمثیلوں کی صورت میں واضح کرنے کے لیے غیر معمولی ذہانت درکار ہے۔شیکسپیئر، مولانا جلال الدین رومیؒ اور حضرت عیسیٰؑ اس نادر الوجود لطافت کی صرف تین مثالیں ہیں۔(شذرات،ص106)

☆ محبت اکسیر سے بڑھ کر ہے کہا جاتا ہے کہ اکسیر ادنیٰ دھاتوں کو سونا بنا دیتی ہے لیکن محبت تمام سفلی جذبات کو خود اپنے پاکیزہ وجود میں تبدیل کر دیتی ہے۔ (شذرات، ص115)

☆ انسان کی فطرت عجیب تضادات کا مجموعہ ہے۔ (شذرات، ص95)

☆ اورنگ زیب کی سیاسی فطانت بغائیت ہمہ گیر تھی۔ (شذرات، ص97)

☆ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے۔ (حرفِ اقبال، ص30)

☆ افغان ایک بہادر اور ذہین قوم ہے وہ اپنے مقاصد کے لیے ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتے ہیں۔ (حرفِ اقبال، ص50)

☆ سیاسیات کی جڑ انسان کی روحانی زندگی میں ہوتی ہے۔ (حرفِ اقبال، ص60)

☆ اسلام ذاتی رائے کا معاملہ نہیں ہے۔ (حرفِ اقبال، ص61)

☆ مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی اسے اچھی طرح ظاہر ہونے کے لیے برسوں چاہیں۔ (حرفِ اقبال، ص131)

☆ درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ (حرفِ اقبال، ص132)

☆ ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنے رائے بدل سکے۔ (حرفِ اقبال، ص132)

☆ سلطان ٹیپو کی شکست کے ساتھ مسلمانوں کو ہندوستان میں سیاسی نفوذ حاصل کرنے کی جو امید تھی اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ (ص154)

☆ علماء ہمیشہ اسلام کے لیے ایک قوت عظیم کا سرچشمہ رہے ہیں۔ (حرفِ اقبال، ص163)

☆ اسلام کی روح مادہ کے قرب سے نہیں ڈرتی۔ (حرفِ اقبال، ص166)

☆ اقلیتیں ایک قومی عامل کی حیثیت سے تاریخ انسانیت پر اثر انداز رہی ہیں۔ (شذرات، ص124)

☆ اکثریتی جماعت میں کردار کی استواری ناممکن ہے یہ تو ایک قوت ہے جتنا ہی اسے تقسیم کیا جائے اسی قدر یہ کمزور تر ہو جاتی ہے۔ (شذرات، ص124)

☆ دنیا کی کوئی شاعری اتنی سادہ، دوٹوک اور مردانہ جذبات سے اتنی لبریز نہیں ہے۔ عرب شاعر حقیقت سے نہایت گہرا رابطہ رکھتا ہے۔ رنگینی کلام کی آب و تاب سے وہ بے نیاز ہے۔ (شذرات، ص126)

☆ خودی ایک حقیقت ہے جو اگر ایک عمیق اور پختہ تر شخصیت پیدا کر لی جائے تو ثبات و استحکام حاصل کر سکتی ہے۔ (خطبات، ص144)

☆ ہمارے شعور کے بعض مراتب ایسے بھی ہیں جن سے ہم قطعی بے خبر ہیں۔ (خطبات، ص145)

☆ اسلام میں صلوٰۃ باجماعت حصولِ معرفت ہی کا سرچشمہ نہیں اس کی قدر و قیمت کچھ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ (خطبات، ص141)

☆ صلوٰۃ باجماعت سے مقصود وہی ہے یہ ہے کہ شرکائے جماعت میں اپنے مرتبہ و مقام یا نسلی حیثیت کا کوئی احساس باقی نہ رہے۔ (خطبات، ص140)

☆ اسلام نے عبادت کے لیے ایک مخصوص سمت انتخاب کی تو محض اس لیے کہ جماعت کے اندر ایک ہی قسم کے جذبات مرہون منت ہے۔ (خطبات، ص140)

☆ دعا یا عبادت کا تعلق دراصل انسان کے باطن اور ضمیر سے ہے۔ (خطبات، ص139)

☆ دعا خواہ وہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی ہو ضمیر انسانی کی اس نہایت درجہ پوشیدہ آرزو کا ترجمان ہے کہ کائنات کے اس ہولناک سکوت میں وہ اپنی پکار کا کوئی جواب سنے۔ (خطبات، ص139)

☆ اگر ہم چاہتے ہیں کہ عبادت کا مقصد زیادہ کامیابی سے حاصل ہو سکے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اسے اجتماعی شکل دیں۔ (خطبات، ص138)

☆ قرآن مجید کے نزدیک تو انسان ہونا نام ہی اس بات کا ہے ہر قسم کی سختیاں اور مصائب برداشت کی جائیں۔ (خطبات، ص133)

☆ علم کی جستجو میں رنگ میں بھی کی جائے عبادت ہی کی ایک شکل ہے۔ (خطبات، ص137)

☆ ہمارا تو جی یہ چاہتا ہے کہ اگر خدا ہے تو ہمیں اس کی موجودگی کا سچ مچ حقیقی اور واقعی تجربہ ہو۔

(خطبات ص136)

☆ باعتبار نفسیات دعا یا عبادت ایک جبلی امر ہے۔ (خطبات، ص135)

☆ مذہب کے لیے یہ ممکن نہیں کہ صرف تصورات پر قناعت کرے۔ (خطبات، ص133)

☆ قرآن مجید میں جب کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے تو اس سے مقصد بالعموم یہ نہیں ہوتا کہ کسی تاریخی واقعے کا ذکر کیا جائے اس سے عام طور پر کوئی عالمگیر اخلاقی سبق دیا جاتا یا کوئی عالمگیر فلسفیانہ حقیقت اجاگر کی جاتی ہے۔ (خطبات، ص124)

☆ ہم نہیں جانتے کائنات کی ان زبردست قوتوں کے حقیقی معنی کیا ہیں جو اپنی ہلاکت اور تباہ کاریوں کے باوجود زندگی کو قائم اور برقرار رکھتی اور اس میں وسعت اور افزونی کا باعث ہوتی ہے۔ (ص:123)

☆ انسان جس چیز کو اچھا سمجھتا ہے اس کے لیے بڑی سے بڑی تکلیف اور اذیت برداشت کرتا رہا اور کر سکتا ہے۔ (خطبات، ص122-121)

☆ فلسفہ عبادت ہے حقائق کے عقلی ادارک سے لہٰذا وہ کسی ایسے تصور سے آگے ہے جو بڑھتا ہے جو ہمارے محسوسات و مدرکات کی گونا گوں دنیا کا ایک نظام میں مدغم کر دے۔ گویا دور ہی سے حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ (خطبات، ص94-93)

☆ آزادی خیر کی شرط اولین ہے۔ (خطبات، ص128)

☆ خیر میں جبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (خطبات، ص128)

☆ مذہب کے عزائم فلسفہ سے بلند تر ہیں۔ (خطبات، ص93)

☆ یہ زندگی خواہشات کی زندگی ہے جستجو، ناکامی اور کامرانی کی۔ (خطبات، ص90)

☆ قرآن مجید کی رو سے کائنات میں اضافہ ممکن ہے۔ (خطبات، ص85)

☆ زندگی کا راستہ گویا موت در موت سے گزرتا ہے۔ (خطبات، ص84)

☆ جوں جوں زندگی کا عمل بڑھتا اور پھیلتا ہے اسی اعتبار سے نئے نئے مقاصد وضع ہوتے ہیں۔ (خطبات، ص84)

☆ زندگی عبارت ہے اغراض و مقاصد کی تشکیل ان کے پے در پے تبدیلی اور کارفرمائی سے۔ (خطبات، ص84)

☆ سائنس کے یہاں حقیقت کا کوئی باقاعدہ نظریہ نہیں۔ (خطبات، ص84)

☆ فطرت کے اعمال و افعال اور ایک صنعت گر کے طریق کار کو باہم مماثل ٹھہرانا غلط ہے۔ (خطبات، ص144)

☆ مذہب نے تو سائنس سے بھی بہت پہلے اس بات پر زور دیا کہ ہم اپنی مذہبی زندگی میں ٹھوس حقائق سے مس پیدا کریں۔ (خطبات، ص37)

☆ صوفیانہ مشاہدات کی دنیا ایسی ہی حقیقی اور معتبر ہے جیسے ہمارے مشاہدات کا کوئی اور عالم۔ (خطبات، ص34)

☆ اگر دنیا کی الہامی اور صوفیانہ ادب کا مطالعہ کیا جائے تو اس امر کی بہت کافی شہادت مل جائے گی کہ تاریخ عالم میں مذہبی مشاہدات کو بے حد غلبہ اور پائیداری حاصل رہی ہے۔

(خطبات، ص84)

☆ قلب کو ایک طرح کا وجدان یا اندرونی بصیرت کہیے۔ (خطبات، ص23)

☆ صرف نظریوں کی بناء پر کوئی پائیدار تمدن قائم نہیں ہو سکتا۔ (خطبات ص22)

☆ جوں جوں ہم اپنی ذہنی کاوشوں سے علائق فطرت پر غلبہ حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ہماری زندگی میں وسعت اور تنوع پیدا ہوتا ہے اور ہماری بصیرت تیز تر ہو جاتی ہے۔ (خطبات، ص21)

☆ یہ فطرت ہی کے پیہم انقلابات ہیں جن کے پیش نظر ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو نئے نئے سانچوں میں ڈھال دیں۔ (خطبات، ص21)

☆ قرآن مجید کے نزدیک کائنات کے اندر کوئی بہت بڑا مقصد کام کر رہا ہے۔ (خطبات، ص21)

☆ اب ہمارے سامنے کوئی راستہ ہے تو یہ علم حاضر کے احترام اور قدر و منزلت کے باوجود ہم اپنی آزادی رائے برقرار رکھتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلامی تعلیمات کی تعبیر اب علم حاضر کے پیش نظر کس رنگ میں کرنی چاہیے خواہ ایسا کرنے میں ہمیں اپنے اسلاف سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ (خطبات، ص146)

☆ خودی کوئی ٹھوس اور جامد شے نہیں۔ (خطبات، ص161)

☆ زندگی میں وہ فرصت ہے جس میں خودی کو عمل کے لاانتہا مواقع میسر آتے ہیں اور جس میں موت اس کا پہلا امتحان ہے۔ (خطبات، ص180)

☆ اسلام نے یہ خواب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعورِ ذات کی تکمیل ہوگی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ (خطبات، ص193)

☆ اسلام میں نبوت چوں کہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا ہے۔

(خطبات، ص193)

☆ پیغمبر اسلام کی ذات گرامی کی حیثیت سے دنیا کے قدیم و جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے۔

(خطبات، ص193)

☆ جہنم بھی کوئی ہاویہ نہیں جسے کسی منتقم خدا نے اس لیے تیار کر رکھا ہے کہ گناہگار ہمیشہ اس میں گرفتار

عذاب رہیں وہ درحقیقت تادیب کا ایک عمل ہے تاکہ خودی جو پتھر کی طرح سخت ہو گئی ہے وہ پھر رحمت خداوندی کی نسیم جانفزا کا اثر قبول کر سکے۔ (خطبات، ص186)

☆ انسانی سیرت کا تقاضا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرے اس میں سختی اور پختگی پیدا ہوتی جائے۔ (خطبات، ص186)

☆ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ذات پر گویا الٰہیات اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ (ص184)

☆ عصر حاضر کو آج ایک رومی کی ضرورت ہے جو دلوں کو زندگی امید اور ذوق وشوق کے جذبات سے معمور کر دے۔ (خطبات، ص183)

☆ ابن مسکویہ (م 421ھ) پہلا مسلمان مفکر ہے جس نے انسان کے مبداء ومصدر کے بارے میں ایک واضح اور متعدد پہلوؤں سے جدید نظریہ پیش کیا۔ (خطبات، ص183)

☆ بقائے دوام انسان کا حق نہیں اس کے حصول کا دارومدار ہماری مسلسل جدوجہد پر ہے۔ (خطبات، ص180)

☆ مذہب ہی وہ ذریعہ ہے جس سے افکار وخیالات کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جس کے سہارے، ہم زندگی، قوت اور طاقت کے دائمی سرچشمے تک پہنچتے ہیں۔ (خطبات، ص291)

☆ مذہبی زندگی کا معراج کمال یہ ہے کہ خودی اپنے اندر زیادہ گہری انفرادیت کا احساس پیدا کرے۔ (خطبات، ص283)

☆ اب اس قسم کے افراد پیدا نہیں ہو رہے جو قدیم حق وصداقت کا پھر سے بھرپور انکشاف کریں تو اس کی سب سے بڑی وجہ بھی ہماری یہی قدامت پرستی ہے۔ (خطبات، ص283)

☆ قدامت پرستی کوئی اچھی چیز نہیں۔ (خطبات، ص282)

☆ ہمارے لیے تو زندگی روحانی اساس، ایمان ویقین کا معاملہ ہے جس کی خاطر ایک غیر تعلیم یافتہ مسلمان بھی بہ رضا ورغبت اپنی جان دے دے گا۔ (خطبات، ص286)

☆ یورپ سے بڑھ کر آج انسان کے اخلاقی ارتقا میں بڑی رکاوٹ اور کوئی نہیں۔ (خطبات، ص276)

☆ عقل محض نے انسان کو بہت کم متاثر کیا ہے۔ (خطبات، ص276)

☆ جس میں صداقت کا انکشاف عقل محض کی وساطت سے ہوا اس سے ایمان ویقین میں وہ درجہ حرارت پیدا نہیں ہوتی جو وحی تنزیل کی بدولت ہوتی ہے۔ (خطبات، ص276)

☆ جب معاشرہ حد سے زیادہ منظم ہو جائے تو اس میں فرد کی ہستی عمر سے فنا ہو جاتا ہے۔(خطبات، ص233)

☆ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں ہیئت ترکیبی میں وہ کون سا عنصر ہے جو اس کے اندر حرکت اور تغیر قائم رکھتا ہے۔اس کا جواب ہے اجتہاد۔(خطبات، ص228)

☆ مسلم قوانین کو صحیح مذہبی تعلیم حاصل ہونی چاہیے کیوں کہ وہی قوم کے حقیقی معمار ہیں۔
(شذرات، ص85)

☆ میں آزاد نظامِ تعلیم کا قائل نہیں، تعلیم بھی دیگر امور کی طرح قومی ضرورت کے تابع ہوتی ہے۔
(شذرات، ص85)

☆ مسلم بچیوں کے لیے مذہبی تعلیم بالکل کافی ہے ایسے تمام مضامین جن میں عورت کو نسوانیت اور دین سے محروم کر دینے کا میلان پایا جائے احتیاط کے ساتھ تعلیم نسواں کے نصاب خارج کر دیئے جائیں۔(شذرات، ص85)

☆ تغیر وہ حقیقت ہے جسے قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی آیت ٹھہرایا ہے۔
(خطبات، 227)

☆ انسان جذبات کا بندہ ہے اور جبلتوں سے مغلوب رہتا ہے۔(خطبات، ص192)

☆ مسلمان اب بھی مردہ نہیں ان میں علمی اور عملی ہر طرح کی صلاحیتیں موجود ہیں ضرورت ہے ان سے کام لینے کی۔(اقبال کے حضور، ص196)

☆ تمام عمر کتابوں کی ورق گردانی میں گزری آخر یہ معلوم ہو کہ جو کتاب حیلہ فروشی اور مدعا طلبی کے سوا کچھ نہیں۔عقل اس سے بڑھتی ہے مگر دل روشن نہیں ہوتا۔(مکاتیبِ اقبال، ص185)

☆ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور سست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چیتھڑا ہے۔ جو قومیت کے اصول حقہ صرف اسلام نے ہی بتائے ہیں جن کی پختگی اور پائیدار مرد ایام اور اعتصاد سے متاثر نہیں ہو سکتی۔(مکاتیبِ اقبال، ص9 بنام نیاز 1917ء)

☆ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے مغربی ہند کے ملاحدہ کی رد اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا اور یہ کام انھوں نے نہایت خوبی سے کیا ہے۔(مکاتیبِ اقبال، ص75 بنام نیاز، 1916ء)

☆ محبت محبوب کا صحیح اندازہ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔(مکاتیب اقبال ص8 بنام نیاز 1917ء)

☆ مذہب کا مقصود عمل ہے نہ کہ انسان کے عقلی اور دماغی تقاضوں کو پورا کرنا۔
(مکاتیبِ اقبال، ص6 بنام نیاز 1917ء)

☆ اس وقت وہی قوم محفوظ رہے گی جو اپنی عملی روایات پر قائم رہ سکے گی۔

(مکاتیبِ اقبال، ص8 بنام نیاز 1917ء)

☆ میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی میں بسر کرتا ہوں مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرونِ اولیٰ کی سیر۔ (مکاتیبِ اقبال، ص7 بنام نیاز 1917ء)

☆ انسانی فلاح تمام انسانوں کی مساوات اور حریت میں پنہاں ہے۔ (اقبالنامہ اول، ص470، بنام نکلسن)

☆ میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔

(اقبال نامہ، ص209 بنام غلام بیگ نیرنگ)

☆ ٹیپو ہندوستان کا آخری مسلمان سپاہی تھا جس کو ہندوستان کے مسلمانوں نے جلد فراموش کر دینے میں بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے۔ بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

(اقبال نامہ، ص242، بنام میجر سعید محمد خان)

☆ فکرِ روزی قاتل روح ہے۔ (اقبال نامہ، 234، بنام عبدالماجد دریابادی 1922ء)

☆ میرے کلام کی مقبولیت محض فصل ایزدی ہے ورنہ اپنے آپ میں کوئی ہنر نہیں دیکھتا اور اعمال صالح کی شرط بھی مفقود ہے۔ (اقبال نامہ، ص235، بنام عبدالماجد دریابادی، 1922ء)

☆ اقبال کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ (اقبال نامہ ص233، بنام عبدالماجد دریابادی 1922ء)

☆ اطمینان قلب ذکرِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ (اقبال نامہ، ص230 بنام سید غلام میراں شاہ، 1937ء)

☆ غالب یقیناً ان شعرا میں سے ہے جن کا ذہن اور تخیل انھیں مذہب اور قومیت کے تنگ حدود سے بالاتر مقام عطا کرتا ہے۔ (شذرات، ص102)

☆ افراد اور اقوام فنا پذیر ہیں لیکن تصورات جو ان کی اولاد معنوی ہیں ہرگز فنا نہیں ہوتے۔

(شذرات، ص116)

☆ کردار ہی وہ غیر مرئی قوت ہے جس سے قوموں کے مقدر متعین ہوتے ہیں۔ (شذرات، ص124)

☆ اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے۔

(اقبال نامہ، ص207، بنام غلام بیگ نیرنگ، 1922ء)

☆ مسلمان کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے۔
(اقبال نامہ ص169، بنام سید سلیمان ندوی، 1933ء)

☆ علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔
(اقبال ص126، بنام سلیمان ندوی، ص1933ء)

☆ اسلام دنیا میں واحد قوت ہے جواب بھی مساوات کے حق میں کوشاں ہے۔ (شذرات، ص130)

☆ کسی تصور کی عملی قوت اس شخصیت کی توانائی پر منحصر ہے جس میں وہ تصور متشکل ہوتا ہے۔
(شذرات، ص130)

☆ تاریخ محض انسانی محرکات کی توجیہہ و تفسیر ہے لیکن جب ہم اپنے معاصرین بل کہ روزمرہ زندگی میں گھرے دوستوں اور رفیقوں کے محرکات کی بھی غلط توجیہیں کر بیٹھتے ہیں تو جو لوگ ہم سے صدیوں سے پہلے گزرے ہیں ان کے محرکات کی صحیح تعبیر و توجیہہ اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے لہٰذا تاریخ کی روداد کو بڑی احتیاط سے تسلیم کرنا چاہیے۔ (شذرات، ص130)

☆ دنیا کی تقدیر کا فیصلہ خاص طور سے اقلیتوں کے ہاتھ رہا ہے۔ (شذرات، ص164)

☆ تفریحات کا شوق ایک مرتبہ پورا ہو جائے تو جلد ہی ایسا چسکا لگ جاتا ہے جو نا قابلِ تسکین ہوتا ہے۔ (شذرات، ص123)

☆ جب کوئی محنت و مشقت یا کسی اور ذریعے سے دولت کے ذخیرے جمع کرتی ہے۔ اندر اس اکتناز کے نتیجے میں دنیا کے کاروبار کی گاڑی تھم جاتی ہے جس کی رفتار مسلسل گردش زر پر منحصر ہے۔ تو لٹیری قومیں نمودار ہوتی ہیں اور مقیّد دولت کو آزاد کر دیتی ہیں۔ (شذرات، ص120)

☆ جب کسی خاندان کا مربی دولت کے انبار لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسری یا تیسری ہی پشت میں کوئی فضول خرچ نکل آتا ہے اور ساری دولت لٹا کر ٹھکانے لگا دیتا ہے۔
(شذرات، ص120)

☆ افراد اور اقوام فنا پذیر ہیں لیکن تصورات جو ان کی اولاً معنوی ہیں ہرگز فنا نہیں ہوتے۔
(شذرات، ص116)

☆ انسان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے دشمنوں سے محبت کرے بڑی زیادتی سے ممکن ہے کہ بعض غیر معمولی افراد نے اپنی زندگی میں اس مقولے کو اپنایا ہو لیکن قومی اخلاق کے اصول کے طور پر یہ مقولہ باطل ثابت ہوتا ہے۔ (شذرات، ص115)

☆ ہمارے ماہرین تعلیم اب بھی اندھیرے میں ٹٹول رہے ہیں انھیں اب تک لڑکیوں کا نصاب تعلیم مقرر کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔شاید مغربی تصورات کی چمک دمک سے ان کی آنکھیں اتنی خیرہ ہو گئی ہیں کہ وہ اسلامیت اور مغربیت کے اس واضح فرق کو بھی نہیں سمجھتے کہ ایک طرف اسلامیت خالصاً ایک مجرد تصور یعنی مذہب کی بنیاد پر قومیت کی تعمیر کرتی ہے دوسری طرف مغربیت ہے جس کے تصور قومیت کی روح اور ایک مادی شے ملک ہے۔(شذرات،ص86)

☆ میں تصوف پر تاریخ کو ترجیح دیتا ہوں۔(مکتوباتِ اقبال،ص11،نیام نیازی1929ء)

☆ فلسفہ ایک متحرک شے ہے اس میں کوئی دلیل قطعی اور آخری قرار نہیں دی جا سکتی۔علم انسان کی ترقی کے ساتھ انسانی تصورات Improve ہوتے جاتے ہیں۔فلسفہ محض حقائق کو تصور کرنے کی کوشش کا نام ہے۔(مکتوباتِ اقبال،ص45،بنام نیازی،1930ء)

☆ میرا یہ اندازہ ہے کہ مسلمانوں میں ہندوؤں کی نسبت زیادہ مادہ قربانی اور اپنے حقوق کے لیے ایجی ٹیشن کرنے کی جرات و ہمت موجود ہے۔(مکتوباتِ اقبال،ص68بنام نیازی1931ء)

☆ ایک مسلمان کے لیے رضائے الٰہی ہر شے پر مقدم ہے۔(مکتوباتِ اقبال،ص72،بنام نیازی1931ء)

☆ صبر مسلمان کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔(مکتوباتِ اقبال،ص72،ص بنام نیازی1931ء)

☆ زندگی کے مدارج بے شمار ہیں۔اس ضمن میں بہت سے امور عقل انسانی سے باہر ہیں۔ان کے متعلق بصیرت وایمان اور ذرائع سے پیدا ہوتا ہے۔ان ذرائع کا تعلق فلسفہ سے نہیں ہے۔
(مکتوباتِ اقبال،ص74،بنام نیازی،1931ء)

☆ مومن کی شان یہی ہے کہ راضی برضائے الٰہی ہے۔(مکتوبات اقبال بنام نیازی ص108،1933ء)

☆ اچھے لٹریچر کی اشاعت نہایت ضروری ہے۔(مکتوبات اقبال،128،بنام نیازی1934ء)

☆ میں نے زمانہ حال سے خیر القرون کی طرف ہجرت کی اور روحانی تو نہیں دماغی اعتبار سے ہی سہی۔(مکتوبات اقبال،ص149،بنام نیازی1934ء)

☆ مسلمانوں کی فتوحات نے اسلام کے کلچر اثرات کو دبائے رکھا۔
(مکتوباتِ اقبال،ص250بنام نیازی1935ء)

☆ آرزدگی اور پریشان خاطری مسلمان کا شیوہ نہیں اسلام کی حقیقت فقر غیور ہے۔
(مکتوباتِ اقبال،ص303،بنام نیازی1935ء)

☆ ہر معاملے میں خدا پر بھروسا رکھنا مسلمان کا کام ہے۔ (مکتوباتِ اقبال، ص 322، بنام نیازی 1936ء)

☆ تصوف لکھنے پڑھنے کی چیز نہیں کرنے کی چیز ہے کتابوں کے مطالعے اور تاریخی تحقیقات سے کیا ہوتا ہے۔ کسی کو کوئی حقیقی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔ نہ کتابوں کے مصنف کو نہ اس کے پڑھنے والوں کو۔ (مکتوباتِ اقبال ص 10، بنام نیازی 1929ء)

☆ روح ارضی اپنی داخلی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے علامات کے پردوں میں چھپا لیتی ہے۔ کائنات ایک عظیم علامت کے سوا اور کچھ نہیں لیکن وہ ہمارے لیے ان علامات کی توجیہہ و تعبیر کی زحمت گوارا نہیں کرتی۔ یہ فرض شاعر کے ذمے عائد ہوتا ہے کہ ان کی توجیہہ کرے اور انسان پر ان کا مفہوم واضح کر دے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اور روح ارضی باہم مدمقابل ہی کیوں کہ جو کچھ یہ چھپاتی ہے اسے وہ ظاہر کر دیتا ہے۔ (شذرات، ص 130)

☆ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے شور و غل میں آپ کی آواز سنی جائے تو آپ کی روح پر محض ایک ایک ہی خیال کا غلبہ ہونا چاہیے مقصد واحد کی لگن والا شخص ہی سیاسی اور معاشرتی انقلابات پیدا کرتا ہے۔ سلطنتیں قائم کرتا ہے اور دنیا کو آئین عطا کرتا ہے۔ (شذرات، ص 169)

☆ میں اپنے شب و روز اور ماہ و سال کی قدر و قیمت ان تجربات کے لحاظ سے جانچتا ہوں جو وہ مجھے بخشتے ہیں اور بعض اوقات میں یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہوں کہ ایک آن واحد پورے ایک سال سے زیادہ گرانقدر ہے۔ (شذرات، ص 160)

☆ جیسے ایک چشمے کے کنارے اگنے والا پودا اس شیریں نقرئی موسیقی کو نہیں سنتا جو تہِ آب سے پروان چڑھتی ہے اسی طرح ابدیت کے ساحل پر نشو و نما پانے والا انسان بھی اسی ربانی مدہم سر سے ناآشنا ہے جو اس کی روح کی زندگی اور ہم آہنگی کا خالق ہے۔ (شذرات، ص 157)

☆ خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اس دنیا میں پیدا کیا جہاں گلابی صبحیں، شعلہ پوش شامیں اور وہ گھنے جنگل ہیں جن کی آغوش میں فطرت کی شب ہائے رفتہ کے دھندلکے ابدی نیند سو رہے ہیں۔ (شذرات، ص 152)

☆ خدا اور شیطان دونوں انسان کو صرف مواقع فراہم کرتے ہیں اور یہ اسی پر چھوڑ دیتے ہیں کہ ان مواقع سے جیسا مناسب سمجھے فائدہ اٹھائے۔ (شذرات، ص 152)

☆ حقیقت کی کوئی شکل ایسی طاقتور، ایسی ولولہ انگیز اور حسین و جمیل نہیں جیسی روح انسانی۔ (خطبات، ص 18)

☆ طاقت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ (اقبال نامہ، ص35 بنام سراج الدین پال، 1916ء)

☆ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہوائے تو پھر اس قوم کا نقطہ نگاہ بدل جایا کرتا ہے۔ ان کے نزدیک توانائی ایک حسین وجمیل شے ہو جاتی ہے اور ترکِ دنیا موجب تسکین۔

(اقبال نامہ، اص45 بنام سراج الدین پال1916ء)

☆ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانہ حال کے Pisprusdence پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ہدایت کو ثابت کرے گا۔ وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ (اقبال نام، ص50 بنام صوفی تبسم 1925ء)

☆ زبان کو میں ایک بت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے بل کہ اظہار مطلب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہے زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مردہ ہو جاتی ہے۔

(اقبال نامہ ص1، 56، بنام سردار عبدالرب نشتر، 1923ء)

☆ شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمحِ نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہوا۔

(اقبال نامہ، ص108 بنام سید سلیمان ندوی، 1919ء)

☆ آپ، اُمتِ محمدیہ ﷺ کے خاص افراد میں سے ہیں۔ (اقبال نامہ، ص98، بنام سید سلیمان ندوی، 1918ء)

☆ جو قوم ایک مشن لے کر پیدا ہوئی ہے اس کی روحانی تربیت کے لیے ابتلاء کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ (اقبال نامہ، اص98 بنام سید سلیمان ندوی 1917ء)

☆ اقبال عزلت نشین ہے اور اس طوفان بے تمیزی کے زمانے میں گھر کی چاردیواری کو کشتی نوح سمجھتا ہے دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق ضرور ہے مگر محض اس وجہ سے کہ روٹی کمانے کی مجبوری ہے۔ (اقبال نامہ، اص255 بنام مولانا شوکت علی 1914ء)

☆ اپنی زبان غیر زبان سے ہر حالت میں بہتر ہوتی ہے۔ (اقبال نامہ، 270، بنام عباس علی مطالعہ، 1932ء)

☆ دنیا ایک بہت اہم مقام ہے اور اس سے صحیح استفادہ کرنے کے لیے ہمیں انسان مل بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (اقبال نامہ، اص284 بنام عباس علی خان تمغہ 1935ء)

☆ یہ دنیا عجیب قسم کا فرضی کامیڈی کا ٹریجڈی پر مبنی انجام ہے۔

(اقبال نامہ، ص297، غلام عباس علی خان لمعہ، 1937ء)

☆ ترک اسلام کو چھوڑ کر کبھی من حیث القوم سرسبز نہیں ہو سکتے۔

(اقبال نامہ ص 407، بنام مسعود عالم ندوی 1936ء)

☆ سقراط کی توجہ صرف عالم انسانی پر تھی، اس کے نزدیک انسان کے مطالعے کا بہترین موضوعات انسان ہی ہو سکتا ہے کہ نہ کہ نباتات اور حشرات یا ستاروں کی دنیا۔ (خطبات، ص 5)

☆ یونانی فلسفہ نے مفکرین اسلام کے مطمح نظر میں اگرچہ بہت کم وسعت پیدا کردی مگر بحیثیت مجموعی قرآن مجید میں ان کی بصیرت محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ (خطبات، ص 5)

☆ فلسفہ یونان کی حیثیت تاریخ اسلام میں ایک زبردست ثقافتی قوت کی رہی ہے۔ (خطبات، ص 4)

☆ اسلام کی عقلی اساسات کی جستجو کا آغاز آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک ہی ہو گیا تھا۔ (خطبات، ص 4)

☆ فلسفہ مجبور ہے کہ مذہب کی قدر و قیمت کے باب میں اس کی مرکزی حیثیت کا اعتراف ہے۔

(خطبات، ص 3)

☆ مذہب کو عقلی رنگ میں پیش کیا جائے تو اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ فلسفہ مذہب پر فوقیت حاصل ہے۔ (خطبات، ص 3)

☆ سائنس ہر منظم اور مدلل مابعد الطبیعیات کو نظر انداز کر سکتی ہے۔ (خطبات، ص 3)

☆ مذہب کا منصب اور مقام ہی کچھ ایسا ہے کہ اس کے بنیادی اصولوں کے لیے ہمیں متقدات سائنس سے بھی کہیں بڑھ کر کسی عقلی اساس کی ضرورت ہے۔ (خطبات ص 213)

☆ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے اعمال وافعال کی بنا پر کسی ایسے اصول پر رکھیں جو بجائے خود مشتبہ ہے۔ (خطبات ص 2)

☆ طاقت کا سرچشمہ فراست ہے جب طاقت عقل و دانش کو پس پشت ڈال کر محض اپنی ذات پر بھروسہ کر لیتی ہے تو نتیجہ خود طاقت کا زوال ہوتا ہے۔ (اقبال نامہ، ص 1، 446 بنام مس فارقورس 1937ء)

☆ نسل اور حدود ملک کی بنیاد پر قبائل اور اقوام کی تنظیم حیات اجتماعی کی ترقی اور تربیت کے ایک وقتی اور عارضی پہلو ہے۔ (اقبال نامہ، ص 469، بنام نکلسن)

☆ اسلام بل کہ کائنات انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے اور جو لوگ نوع انسان سے محبت رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف علم جہاد بلند کر دیں۔ (اقبال نامہ، ص 1 ص 468 بنام نکلسن)

☆ اگر مذہب کی غرض و غائیت ہی یہ ہے کہ ہمارا ظاہر و باطن بدل ڈالے اور اس کے رہنمائی کرے تو اور بھی ضروری ہے کہ انسان کا کلام حقائق کے بارے میں جن پر اس کو وجود مشتمل ہے۔ کوئی نزاع باقی نہ رہے۔ (خطبات، ص2)

☆ زندگی میں کامیابی کا انحصار عزم پر ہے نہ کہ عقل پر۔ (شندرات، ص142)

☆ فلسفہ ہر ایسی بات کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے جس کی بناء ادعا اور تحکم پر ہو۔ (خطبات، ص1)

☆ مبہم اور مخفی پیرایہ جذباتی اعتبار سے عمیق و غائر معلوم ہوتا ہے۔ (ص:140)

☆ گناہ کی اپنی ایک تعلیمی قدر قیمت ہے نیک لوگ اکثر سادہ لوح ہوتے ہیں۔ (شذرات، ص141)

☆ فلسفہ کی روح ہے آزادنہ تحقیق۔ (خطبات، ص1)

☆ مذہب کے مدارج عالیہ شاعری سے بلند تر ہیں۔ (خطبات ص1)

☆ ہمارا فرض یہ ہے کہ فکر انسانی کے نشوونما پر باحتیاط نظر رکھیں اور اس بات آزادی کے ساتھ نقد و تنقید سے کام لیتے ہیں۔ (خطبات دیباچہ)

☆ تاریخ ایک طرح کا ضخیم گراموفون ہے جس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔ (شذرات، ص140)

☆ فلسفیانہ غور وفکر میں قطعیت کوئی چیز نہیں۔ (خطبات دیباچہ)

☆ وہ دن دور نہیں کہ مذہب اور سائنس میں ایسی ایسی ہم آہنگیوں کا انکشاف جو سر دست ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ (خطبات دیباچہ)

☆ صحیح قسم کے سلسلہ ہائے تصوف نے بے شک ہم مسلمانوں میں مذہبی احوال وارمان کی تشکیل اور رہنمائی میں بڑی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ (خطبات ودیباچہ)

☆ قرآن پاک کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ فکر کی بجائے عمل پر زور دیا جائے۔ (خطبات دیباچہ)

☆ امام غزالیؒ نے مذہب کی بنا فلسفیانہ تشکک پر رکھی حالاں کہ یہ مذاہب کی کوئی محکم اساس ہے نہ تعلیمات قرآنی کے مطابق۔ (خطبات، ص5)

☆ شاعرانہ واردات سے جو علم حاصل ہوتا ہے انفرادی ہوتا ہے۔ (خطبات، ص1)

☆ علم کی دنیا میں خواہ اس کا تعلق مذہب سے ہو یا سائنس سے فکر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ عالم محسوسات سے اپنا رشتہ کلیتاً منقطع کر لے۔ (خطبات، ص7)

☆ مذہب کے لیے فکر کا وجود ناگزیر ہے۔ (خطبات، ص2)

☆ مذہب کی حیثیت محض احساس کی نہیں۔اس میں تعقل کا ایک عنصر بھی شامل رہتا ہے۔
(خطبات،ص2)

☆ مذہب کا جوہر ہے ایمان۔(خطبات،ص2)
☆ فلسفہ کا منصب یہ ہے کہ فکر انسانی نے جو مفروضات بلا جرح وتنقید قبول کر رکھے ہیں ان کے مخفی گوشوں کا سراغ لگائے۔(خطبات،ص1)
☆ غزالی کی دعوت میں ایک پیغمبرانہ شان پائی جاتی تھی۔(خطبات،ص7)
☆ کانٹ ہی کی ذات وہ سب سے بڑا عطیہ ہے جو خدا نے جرمنی کو عنایت کیا۔(خطبات)
☆ فکر بالطبع تجدید سے آزاد ہے اور اس لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی انفرادیت کے تنگ حلقے میں مقید رہے۔(خطبات،ص10)
☆ پچھلے پانچ سو برس سے الٰہیات اسلامیہ پر جمود کی ایک کیفیت طاری ہے۔(خطبات،ص11)
☆ جوں جوں افکار سائنس ترقی کر رہے ہیں یہ انسانی علم وادراک کے متعلق ہمارے تصورات بدل رہے ہیں۔(خطبات،ص11)
☆ فطرت کی تسخیر اور اس پر غلبے نے انسان کے اندر ایک تازہ یقین اور ان قوتوں پر جس سے اس کے ماحول نے ترکیب پائی فضیلت کا ایک نیا احساس پیدا کر دیا ہے۔(خطبات،ص11)
☆ پچھلی متعدد صدیوں میں جب عالم اسلام پر ذہنی غفلت اور بے ہوشی کی نیند طاری تھی یورپ نے ان مسائل میں نہایت گہرے غور وفکر سے کام لیا جن سے کبھی مسلمان فلسفیانہ اور سائنس دانوں کو دلی شغف رہا ہے۔(خطبات،ص11)
☆ جہاں تک علم وحکمت کا تعلق ہے مغربی تہذیب دراصل اسلامی تہذیب ہی کا بعض پہلوؤں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔(خطبات،ص11)
☆ تاریخ حاضرہ کا سب سے زیادہ توجہ طلب مظہر یہ ہے کہ ذہنی اعتبار سے عالم اسلام نہایت تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔(خطبات،ص11)
☆ وہ دن گئے جب یورپ کے افکار دنیائے اسلام سے متاثر ہوا کرتے تھے۔(خطبات،ص11)
☆ قرآن مجید کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ انسان اپنے اندر گوناگوں روابط کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور پیدا کرے جو اس کے اور کائنات کے درمیان ہیں۔(خطبات،ص113)

☆ مکان وزمان کی یہ عظیم وسعت اس امر کی منتظر ہے کہ انسان کا دست تسخیر اسے پورے طور پر مسخر کر لے۔ (خطبات، ص 12)
☆ انسان کا فرض ہے آیاتِ الٰہیہ پر غور کرے اور اس طرح ان ذرائع کی تلاش میں قدم اٹھائے، جن کی بدولت وہ فی الحقیقت فطرت پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔ (خطبات، ص 16)
☆ انسان کی زندگی میں آلام ہی آلام ہیں اور اس کا وجود برگ گل سے بھی نازک۔ (خطبات، ص 18)
☆ میں نہیں چاہتا کہ میں بحیثیت شاعر کے جانا پہچانا جاؤں اگر چہ بدقسمتی سے لوگ اسی حیثیت سے مجھے جانتے ہیں۔ (اقبال از عطیہ ص 69 بنام عطیہ فیضی 1910ء)
☆ ہر شخص، ہر کتاب کو اپنے خیالات کی روشنی میں پڑھتا ہے اور اس کے مضامین سے وہی نتائج نکالتا ہے جن کا ادراک اُس کا دماغ کرتا ہے۔ (مکاتیب از بنام نیاز، 1917ء)
☆ اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے جو نسلی امتیازات سے بالاتر ہوگی اور جس میں شخصی اور مطلق العنان بادشاہتوں اور سرمایہ داروں کی گنجائش نہ ہوگی دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کر دے گا غیر مسلموں کی نگاہ میں شاید یہ محض خواب ہو لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے۔

(گفتار اقبال، ص 213۔1938ء)

☆ زمانے کے ساتھ ضرور چلنا چاہیے لیکن اپنے دامن کو اس کے بداثرات سے آلوودہ نہ ہونے دو۔

(گفتار اقبال، ص 213، 1938ء)

☆ انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے مسرت اور خوشی حاصل کرنے کا حق ہے۔ اگر سوسائٹی مجھے وہ حق دینے سے انکار کر دے تو میں اس کا کھلم کھلا مقابلہ کروں گا۔ (اقبال از عطیہ، ص 52، بنام عطیہ 1909ء)
☆ طبائع نثر کی نسبت شعر سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ (گفتارِ اقبال، ص 16۔1926ء)
☆ میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس گھر میں علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے۔ (گفتارِ اقبال، ص 213۔1938ء)
☆ کیمرج وہ سرچشمہ علم وفضل ہے جس نے یورپی تہذیب وتمدن کی ترکیب میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ (گفتارِ اقبال، ص 254۔1931ء)
☆ مذہب بیحد ضروری چیز ہے۔ مذہب عرفان وایقان کا نام ہے۔ (ص 255۔1931ء)
☆ عقیدہ غلط بھی ہو لیکن جب مذہب کے رنگ میں دل پر قبضہ پالیتا ہے تو انسان کے عمل میں عجیب

وغریب حرارت پیدا کر دیتا ہے۔ (گفتارِ اقبال، ص264۔1931ء)

☆ میں دوسروں کے سانس کی مدد سے زندگی بسر کرنا نہیں چاہتا۔

(اقبال از عطیہ، ص30، بنام عطیہ فیضی 1909ء)

☆ تنگ نظری چھوڑنے سے سب اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ (گفتارِ اقبال، ص18۔1926ء)

☆ سائنس اور مذہب کے تصادم کا خیال غیر اسلامی ہے۔ (گفتارِ اقبال، ص23۔1927ء)

☆ کوئی قوم قوم نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ ابتلاؤں میں گرفتار نہ ہو۔ (گفتارِ اقبال، ص42)

☆ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔

(گفتارِ اقبال، ص75۔1929ء)

☆ انسانی زندگی کی رہنمائی کے لیے انبیاء کے طبقے سے بڑھ کر اور کوئی طبقہ مفید نہیں ہو سکتا۔

(گفتارِ اقبال، 1929ء)

☆ مذہب اسلام نے خودکشی کو خواہ وہ کسی حالت میں بھی ہو نامردی کا ثبوت قرار دیا ہے۔

(گفتارِ اقبال، ص156۔1932ء)

☆ اپنی حدود کو پہچانئے اور اپنی صلاحیتوں کو پرکھیے پھر زندگی میں آپ کی کامیابی یقینی ہے۔

(شذرات، ص142)

☆ قومیں شعرا کے دلوں میں جنم لیتی ہیں اور سیاست دانوں کے ہاتھوں میں پلتی ہیں اور مر جاتی ہیں۔

(شذرات، 148)

☆ پیغمبر ایک باعمل شاعر ہوتا ہے۔ (شذرات، ص149)

☆ ماہر نفسیات تیرتا ہے اور شاعر غوطے لگاتا ہے۔ (شذرات، ص154)

☆ فلسفہ بوڑھا بنا دیتا ہے۔ شاعری تجدید شباب کرتی ہے۔ (شذرات، ص159)

☆ میں بڑے بڑے مجمعوں میں محض اس لیے نہیں جایا کرتا تا کہ لوگ دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں وہ اقبال آیا۔ مجھے اس قسم کی شہرت سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ (مکاتیب اقبال، ص44 بنام نیاز 1922ء)

☆ میری طرح امت مرحومہ میں سیکڑوں آدمی آگے گزر گئے ہیں۔ جنھوں نے رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے کام کیا ہے مجھ سے بھی جہاں تک ہو سکے گا۔ انھیں کی تقلید کروں گا۔

(مکاتیب اقبال 46 بنام نیاز 1923ء)

☆ مسلمانانِ ہند کے دل و دماغ پر عجمی تصوف غالب ہے وہ عربیت کے تخیلات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔
(مکاتیبِ اقبال، ص53 بنام نیاز 1925ء)

☆ باری تعالیٰ کی قوت نامتناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے شاید کسی اور چیز سے ہوتا ہے۔
(مقالاتِ اقبال، ص72۔1905ء)

☆ تمام قومی عروج کو جڑ بچوں کی تعلیم ہے۔ (مقالاتِ اقبال، ص1۔1902ء)

☆ معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں۔ (مقالاتِ اقبال، ص9۔1902ء)

☆ میں تو ایک معمول آدمی ہوں مجھے یقین ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ بھی دوبارہ پیدا ہو کر اس ملک میں اسلام کی تعلیم دیں تو غالباً اس ملک کے لوگ اپنی موجودہ کیفیات اور اثرات کے ہوتے ہوئے حقائق اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں۔ (مکاتیبِ اقبال، ص53 بنام نیاز، 1925ء)

☆ شارع اسلام کی ہر بات قربان ہو جانے کے قابل ہے۔ (مقالاتِ اقبال، ص72۔1905ء)

☆ اس عمارت کو دیکھ کر دل پہ یہ بات منقوش ہو جاتی ہے کہ اس دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں تمام علوم وفنون کی محرک ہوئی ہے۔ (مقالاتِ اقبال، ص82۔1905ء)

☆ قدرت کی قوتوں کی نظروں میں نہ افراد کی وقعت ہے نہ اقوام کی منزلت اس کے اٹل قوانین برابر اپنا عمل کئے جا رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کی منزلِ مقصود بہت ہی دور ہے۔ جسے مقاصد انسانی کے آغاز و انجام سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ (مقالاتِ اقبال، ص115۔1910ء)

☆ مذہب کا مقصد یہ نہیں کہ انسان بیٹھا ہوا زندگی کی حقیقت پر غور کیا کرے بل کہ اس کی اصل غایت یہ ہے کہ زندگی کی سطح کو بتدریج بلند کرنے کے لیے ایک مربوط اور متناسب عمرانی نظام قائم کیا جائے۔ (مقالاتِ اقبال، ص124۔1910ء)

☆ طلوع آفتاب کا نظارہ ایک دردمند دل کے لیے تلاوت کا حکم رکھتا ہے۔
(مقالاتِ اقبال، ص73۔1905ء)

☆ وہ حسن جس پر استغنا کا غازہ نہ ہو بدصورتی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ (مقالاتِ اقبال 79، 1905ء)

☆ عالمگیر کی زندگی اور کارنامے میری دانست میں ہندوستان کی اسلامی قومیت کی نشوونما کا نقطہ آغاز ہیں۔ (مقالاتِ اقبال، ص148۔1910ء)

☆ بنی نوع انسان کی ذہنی تاریخ میں سری کرشن کا نام ہمیشہ ادب و احترام سے لیا جائے گا۔
(مقالاتِ اقبال، ص155۔1915ء)

☆ مغربی اقوام اپنی قوت عمل کی وجہ سے تمام اقوام عالم میں ممتاز ہیں اور اسی وجہ سے اسرار زندگی کو سمجھنے کے لیے ان کے ادبیات وتخیلات اہل مشرق کے واسطے بہترین ہیں۔

(مقالاتِ اقبال، ص157 ۔1915ء)

☆ انگریزی قوم کی عملی نکتہ رسی کا احسان تمام دنیا کی قوموں پر ہے کہ اس قوم میں حس والقواعد اور اقوام عالم کی نسبت زیادہ تیز اور ترقی یافتہ ہے۔ (مقالاتِ اقبال، ص158 ۔1915ء)

☆ زندگی نام ہی دکھ اٹھانے اور دکھ پہچاننے کی قوت رکھنے کا ہے۔ زندگی کا مقصد زندگی ہے نہ موت۔ (مقالاتِ اقبال، ص164 ۔1916ء)

☆ ہر شاعر جادوگر ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کا جادو کم چلتا ہے کسی کا زیادہ۔

(مقالاتِ اقبال، ص166 ۔1916ء)

☆ شاعرانہ اعتبار سے میں حافظ کو نہایت بلند پایہ سمجھتا ہوں جہاں تک حق کا تعلق ہے یعنی جو مقصد اور شعراء پوری غزل میں بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ خواجہ حافظ اسے ایک لفظ میں حاصل کرتے ہیں۔ (مقالاتِ اقبال، ص166 ۔1916ء)

☆ افراد کی صورت میں احساس نفس کا تسلسل قوت حافظ ہے اقوام کی صورت میں اس کا تسلسل واستحکام قومی تاریخ کی حفاظت سے ہے گویا قومی تاریخ حیاتِ طیبہ کے لیے بمنزلہ قدرت حافظہ کے ہے۔

(مقالات اقبال، ص191 ۔1918ء)

☆ عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے۔ (انوارِ اقبال، ص66 بنام محمد دین فوق 1917ء)

☆ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنالیتا ہے۔

(انوارِ اقبال 72 بنام فوق 1922ء)

☆ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب وہوا نے مجھے مسلمان کر دیا۔

(انوار اقبال ص176 بنام وحید احمد مدیر نقیب بدایوں 1921ء)

☆ جن لوگوں کے عقائد وعمل کا ماخذ کتاب وسنت ہے اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی رکھنے کو تیار ہے اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت اور آبرو پر ترجیح دیتا ہے۔

(انوار اقبال، ص82 بنام خواجہ حسن نظامی 1918ء)

☆ اگر مذہبی پہلو سے اسلامی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ قربانیوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ معلوم ہوتی ہیں۔ (انوار اقبال، ص278 ۔1913ء)

☆ آج کل وہ زمانہ ہے کہ مسلمان کو اپنی کوئی قوت اپنے نفس کی خاطر صرف نہ کرنی چاہیے۔
(انوار اقبال، ص 287 بنام کیپٹن منظور حسین، 1918ء)

☆ میرا مقصود شاعری سے شاعری نہیں بل کہ یہ کہ اداروں کے دلوں میں وہی خیالات موجزن ہو جائیں جو میرے دل میں ہیں۔ (انوار اقبال، ص 287 بنام کیپٹن منظور حسین 1918ء)

☆ اگر ریاکاری سے مجھے شہرت، احترام اور تعریف حاصل ہوتی ہے تو میں اسے پسند کروں گا کہ میں ایسی حالت میں مرجاؤں جب کہ میرا جاننے والا اور ماتم کرنے والا کوئی بھی نہ ہو۔
(اقبال از عطیہ بنام عطیہ، 1909ء)

☆ اگر میری روح کے عمیق ترین خیالات کبھی پبلک پر ظاہر ہو جائیں اگر وہ باتیں جو میرے دل میں پوشیدہ ہیں کبھی سامنے آجائیں تو مجھے یقین ہے کہ دنیا میرے انتقال کے بعد ایک نہ ایک دن بالضرور میری پرستش کرے گی وہ میری کوتاہیوں کو بھلا دے گی اور آنسوؤں کی شکل میں خراج تحسین ادا کرے گی۔ (اقبال عطیہ، ص 82 بنام عطیہ 1909ء)

☆ اسلام نے وحدت انسانی کا اصول گوشت اور پوست میں نہیں بل کہ روح انسانی میں دریافت کیا۔
(حرفِ اقبال، ص ۱۷۱، ص مرتبہ لطیف احمد شروانی، لاہور 1947ء)

☆ اسلام بحیثیت دین کی خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہونِ منت ہے۔ (حرفِ اقبال، ص 137)

☆ سر برٹ ایمرسن صحیح رہنما کی عدم موجودگی کا رونا روتے ہیں اور اس میں نظام کا رونا روتا ہوں جس نے اسے رہنما کی پیدائش کو ناممکن بنا دیا ہے۔
(حرفِ اقبال ص 128) (ایمرسن نے ایک تقریر میں پنجاب میں مسلم قیادت کے فقدان کا گلہ کیا تھا)

☆ کامیابی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان کو خود اپنی قلبی زندگی کی آزادی ہیں یقین ہو۔
(حرفِ اقبال، ص 178)

☆ خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنا نصب العین متعین کر کے خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی۔ (حرفِ اقبال)

☆ سیاسیات کی جڑ انسان کی روحانی زندگی میں ہوتی ہے۔ (حرفِ اقبال، ص 60)

☆ میرے نزدیک بہائیت، قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیوں کہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے۔ (حرفِ اقبال، ص 123)

☆ اسلامی وحدت ختم نبوت ﷺ ہی سے استوار ہوتی ہے۔ (حرفِ اقبال، ص ۱۲۲)

☆ اسلام نسلی تخیل کی سراسر نفی کرتا ہے اور اپنی بنیاد محض مذہبی تخیل پر رکھتا ہے اور چوں کہ اس کی بنیاد صرف دینی ہے۔ اس لیے وہ سراپا روحانیت ہے اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف بھی ہے۔ (حرفِ اقبال، ص 122)

☆ جو قوت مجسّم ہے اسے سب کچھ میسر ہے سخت بنو اور سختی جھیلو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا یہی راز ہے۔ (حرفِ اقبال، ص 78)

☆ وہ فرقہ واری جو دوسری قوموں سے نفرت اور ان کی بدحواسی کی تعلیم دے اس کے ذلیل اور ادنیٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (حرفِ اقبال، ص 28)

☆ میں نہیں سمجھتا کو کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہوگا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر بنی ہو جو اسلام کے اصول اتحاد کے منافی ہو۔ (حرفِ اقبال)

☆ اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کو پیدا کردہ ہے۔ الگ نہیں دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک کرنا بھی لازم آجائے گا۔ (حرفِ اقبال، ص 25)

☆ آڑے وقتوں میں اسلام نے ہی مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ (حرفِ اقبال، ص 58)

☆ ہندوستان کی سیاسی غلامی تمام ایشیاء کے لیے لامتناہی مصائب کی سرچشمہ ہے۔ اس نے مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے۔ (حرفِ اقبال، ص 56)

☆ میری خواہش ہے کہ پنجاب صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرلے خواہ اس کے باہر مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور انھیں تو شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم ریاست قائم کرنی پڑے گی۔ (حرفِ اقبال، ص 30)

☆ ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بنیادی اصولوں کو ترمیم وتاویل کرے یا ان کو ای قوم منسوخ کردے لیکن اس قسم کا قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس نے نتائج وعواقب کیا ہوں گے۔ (حرفِ اقبال، ص 23)

☆ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن میں انسانی نسل و وطن کو قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔
(حرفِ اقبال، ص 23)

☆ دنیائے اسلام میں کسی لوتھر کا ظہور ممکن نہیں۔ (حرفِ اقبال، ص 121)

☆ اگر آپ عوامی رہنما بننا چاہتے ہیں تو عوام کو پرچانے اور ابھارنے کا گر آپ کو جاننا چاہیے فرسودہ اقوال اور اگر ضرورت ہو تو دروغ باقی سے ان کی تواضع کیجیے۔ (شذرات، ص 142)

☆ اسلام میں زندگی کی بے پناہ قوت ہے۔ (اقبال کے حضور، ص 26)

☆ سرسید کی ذات بڑی بلند تھی۔ بڑی ہمہ گیر افسوس ہے مسلمانوں کو پھر ویسا کوئی رہنما نہیں ملا۔
(اقبال کے حضور، ص 24)

☆ صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔ (اقبال نامہ 2 ص 48 بنام اکبر، 1915ء)

☆ انسان کی ذہنی مایوسیوں اور ناکامیوں کا افسانہ ہے جسے عرف عام میں تاریخ فلسفہ کہتے ہیں۔
(اقبال نامہ 2، ص 74 بنام اکبر 1918ء)

☆ اطمینان قلب بڑی نعمت ہے اور یہی نعمت ہے جو یورپ نے اپنی مادیت پرستی میں کھودی ہے۔
(اقبال کے حضور، ص 22)

☆ غلامی اور محکومی بہت بڑی لعنت ہے حکومت اور اقتدار ایک بحر ہے جس سے محکوموں کے دل و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں۔ (اقبال کے حضور، ص 26)

☆ انسان جب کبھی تہذیب سے متاثر ہوتا ہے تو اس کی اچھی اور بری سب باتیں اختیار کر لیتا ہے۔
(اقبال کے حضور، ص 26)

☆ Pessimistic -Diterature کبھی زندہ نہیں رہ سکا۔ قوم کی زندگی کے لیے اس کا اور اس کا لٹریچر کا Optimistic ہونا ضروری ہے۔ (اقبال نامہ 2 بنام اکبر 1918ء)

☆ قوموں کی زندگی کا راز اس کی جدوجہد میں مضمر ہے کہ اپنا وجود ملی قائم رکھیں اور نہیں بھولیں کہ ان کا اپنا ایک نصب العین ہے۔ (اقبال کے حضور، ص 48)

☆ کوئی فعل مسلمان کا ایسا نہ ہونا چاہیے کہ جس کا مقصد اعلائے کلمتہ اللہ کے سوا کچھ اور ہو۔
(اقبال نامہ 2 ص 62 بنام اکبر 1918ء)

☆ کمزوروں کے پاس سوائے بد دعا کے اور کیا ہے۔ (اقبال نامہ 2، ص 68 بنام اکبر 1918ء)

☆ عربی ہماری بین الاقوامی زبان ہے ہمارے دینی ثقافتی اور ادبی رابطے کا ایک عظیم سرچشمہ۔

(اقبال کے حضور ص 51)

☆ یہ امر بڑا افسوس ناک ہے کہ کسی شخص کا علم و فضل یا احترام ذات ہمیں حق گوئی سے محروم رکھے۔

(اقبال کے حضور، ص 52)

☆ کوئی بھی نصب العین ہو، اس کے لیے یقین کامل شرط ہے یقین نہیں تو عمل بھی نہیں تو نہ آرزو، نہ جدو جہد۔ (اقبال کے حضور، ص 62)

☆ بخشش وہ چیز ہے جسے غیرت قبول نہیں کرتی۔ (اقبال کے حضور ص 93)

☆ بعض اوقات بات ذرا سی ہوتی ہے لیکن انسان ہے کہ اپنے مستقبل سے کہیں اور ہٹ جاتا ہے۔ ہم ایک قدم اٹھاتے ہیں سمجھتے ہیں آگے بڑھیں گے اور لیکن یہی قدم ہمیں پیچھے لے جاتا ہے۔ ایک چیز ہاتھ آتی ہے اور خیال ہوتا ہے، بہت بڑی نعمت مل گئی ہے لیکن آگے چل کر وہی چیز یا زنجیریا ہو جاتی ہے اور انسان ہے کہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ (اقبال کے حضور، ص 21)

☆ وہ علمی روح جس پر آج یورپ کو ناز ہے قرآن پاک ہی کی پیدا کردہ ہے۔ (اقبال کے حضور، ص 117)

☆ مسلمان کیا ہیں؟ راکھ کا ڈھیر۔ (اقبال کے حضور، ص 133)

☆ قوموں میں تبدیلیاں دفعتاً نہیں بل کہ چپ چاپ اور بتدریج ہوا کرتی ہیں بل کہ ایک عمل ہے جو آپ ہی سے شروع ہوتا ہے اور آپ ہی آپ جاری رہتا ہے۔ (اقبال کے حضور، ص 134)

☆ عربوں کے نسلی خصائص جس قدر اسلام کے لیے مفید ثابت ہوئے اتنا ہی ان کی نسلی عصبیت سے نقصان پہنچا۔ (اقبال کے حضور، ص 147)

☆ آج کل کے دل سوز سے خالی ہیں۔ (اقبال کے حضور، ص 156)

☆ دنیا کی کوئی قوم اپنا اصول قومیت چھوڑ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ (اقبال کے حضور، ص 167)

☆ سیرت نگاری حیات ملی کے استحکام کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ (اقبال کے حضور، ص 304)

☆ علم کی لذت بڑی چیز ہے مگر اس میں کچھ مزا ہے تو جب ہی کہ زندگی کے ساتھ صحت ہو انسان کچھ کہے، کچھ کر سکے، یہ نہیں تو کیا ہے؟ زندگی ہیچ فلسفہ و حکمت ہیچ۔ (اقبال کے حضور، ص 228)

☆ مسلمانوں کا زوال کیسا حسرت ناک ہے۔ (اقبال کے حضور، ص 242)

☆ مسلمان ایک ہیں اور ہمیشہ ایک رہیں گے۔ (اقبال کے حضور، ص 229)

☆ غلامی بہت بڑی لعنت ہے غلامی زبان سے وہ کچھ بھی کہلوا دیتی ہے جو انسان نہیں کہنا چاہتا۔ دانستہ اور نادانستہ بھی۔(اقبال کے حضور، ص278)

☆ قوموں کی زندگی تحریکوں سے ہے۔(اقبال کے حضور، ص288)

☆ حکومت ایک فن ہے۔(اقبال کے حضور، ص294)

☆ جناح کے سوا کوئی شخص مسلمانوں کی قیادت کا اہل نہیں۔(اقبال کے حضور، ص289)

☆ یہ دور علم و حکمت کے زوال کا ہے۔(اقبال کے حضور، ص305)

☆ عالم اسلام میں شعلۂ حیات کبھی افسردہ نہیں ہوا۔(اقبال کے حضور، ص322)

☆ اسلام میں اخوت عامہ اور حریت و مساوات کی عملی ترجمانی کا واحد ذریعہ ہے۔
(اقبال کے حضور، ص334)

☆ اسلام قاطع نسل و وطن ہے۔(اقبال کے حضور، ص343)

☆ زندگی کیا ہے؟ ایک مسلسل دُعا۔(اقبال کے حضور، ص361)

☆ جسم کا بھی ایک حُسن ہے صحت اس حسن کی روح۔(اقبال کے حضور، ص370)

☆ کائنات اضافہ پذیر ہے۔(اقبال کے حضور، ص388)

☆ ہمیں جناح سے بہتر کوئی آدمی نہیں مل سکتا۔ جناح ہی ہماری قیادت کے اہل ہیں۔
(اقبال کے حضور، ص394)

☆ کوئی سیاسی جماعت جو عام مسلمانوں کی بہبودی کی ضامن ہو عوام کے لیے باعث کشش نہیں ہو سکتی۔(اقبال کے حضور، ص14)

☆ جواہر لال کی شکر خدا اشتراکیت مسلمانوں میں کوئی تاثر پیدا نہ کر سکے گی۔
(اقبال نامہ 2، ص15 بنام جناح 1937ء)

☆ اسلام کے لیے سوشل ڈیماکریسی کی کسی موزوں شکل میں ترویج جب اسے شریعت کی تائید و موافقت حاصل ہو۔ حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں بل کہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔(اقبال نامہ 2، بنام جناح 1937ء)

☆ اس وقت مسلمانوں کو اس طوفان بلا میں جو شمال مغربی ہندوستان اور شاید ملک کے گوشہ گوشہ سے اٹھنے والا ہے صرف آپ ہی کی ذات گرامی سے رہنمائی کی توقع ہے۔
(اقبال نامہ 2 ص19، بنام جناح 1937ء)

☆ گاؤں کی زندگی واقعی قابل رشک ہے۔ (مکاتیب اقبال نامہ ص 11 بنام نیاز 1917ء)

☆ مولانا گرامی کے اشعار جواہر ریزے ہیں۔ (مکاتیب اقبال ص 17 بنام نیاز 1919ء)

☆ افسوس کہ میں پشتو نہیں جانتا ورنہ سرحد کی مارشل شاعری کو اردو یا فارسی لباس پہنانے کی کوشش کرتا۔ (مکاتیب اقبال ص 18 بنام نیاز 1919ء)

☆ انسانوں کو خدا نے قبائل میں تقسیم کیا اس واسطے کہ ان کی شناخت کی جا سکے۔ (**وجعلنکم شعوبار قبائل تعارفو**) نہ اس واسطے کہ یہ امتیاز سلسلۂ ازدواج میں ممد و معاون ہو۔

(مکاتیب اقبال ص 33 بنام نیاز 1920ء)

☆ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح ہوا کرتے تھے۔ (مکاتیب اقبال، ص 40 بنام نیاز 1922ء)

☆ مقدر کا قائل جو شخص ہو اس کی طبیعت مطمئن رہتی ہے۔ (مکاتیب اقبال، ص 93 بنام گرامی)

☆ حافظ کی روح گرامی کو دعا دیتی ہے۔ (مکاتیب اقبال بنام گرامی 1915ء)

☆ گرامی معجز نگار ہندوستان کے لیے سرمایۂ ناز ہے اور آج ایران میں بھی ایسا سحر طرز انہ ہوگا۔

(مکاتیب اقبال ص 101 بنام گرامی 1915ء)

☆ میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بل کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ احساس طیبہ پیدا ہو جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض عبادت نہ شہرت کیا عجب کیا نبی کریم میری یہ کوشش پسند آ جائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہو جائے۔

(مکاتیب اقبال، ص 136 بنام گرامی 1918ء)

☆ شاعر جس قدر بلند ہوگا اس قدر سادہ دل بھی ہوگا۔ (مکاتیب اقبال ص 157 بنام گرامی 1919ء)

☆ گرامی جہانگیری جہاز کا آخری پھول ہے جو ذرا دیر کے بعد شاخ سے پھوٹا سا افسوس کہ آج خانخاں نہ ہوئے کہ ان کو معلوم ہوتا تا کہ خاک پنجاب شیراز و نیشاپور سے کسی طرح کم نہیں۔

(مکاتیب اقبال،، ص 195۔ بنام گرامی 1922ء)

☆ تجربہ کار آدمی کا خاصا ہے کہ اس کی قوت متخلیہ کم ہوتی ہے اور اس کی نظر حقائق پر جمی رہتی ہے۔

(مکاتیب اقبال، ص 205 بنام گرامی، ص 1922ء)

☆ شاعروں سے ڈرنا چاہیے۔ (مکاتیب اقبال، ص 335 بنام گرامی، 1923ء)

☆ گرامی کا جسم جہان سے رخصت ہو سکتا ہے مگر گرامی اس جہان میں رہے گا۔ وہ ایک زندہ ہستی ہے اسے فنا نہیں ہے۔ (مکاتیب اقبال ص194 بنام گرامی 1922ء)

☆ مجھے تو تعریف سے اس قدر خوشی نہیں ہوتی جس قدر اعتراض سے کیوں کہ اعتراض کی تنقید سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ (مکاتیب اقبال ص194 بنام گرامی 1922ء)

☆ ہندوستانی مسلمان آپ سے متوقع ہیں کہ اس پر آشوب زمانے میں آپ ان کے مستقبل سے متعلق ان کی کامل اور واضح ترین رہنمائی فرمائیں گے۔ (اقبال نامہ 2 بنام جناح 1937ء)

☆ میں آپ کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھے اور وہی محبت وعقیدت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ (اقبال نامہ 2 ص34,35 بنام اکبر 1911ء)

☆ لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن میں اس قوم میں تنہا ہوں ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں جس سے دل کھول کر اپنے جذبات کو اظہار کیا جا سکے۔ (اقبال نامہ 2 ص35 بنام اکبر 1911ء)

☆ لاہور کی بستی میں کوئی ہمدم دیرینہ نہیں نام ونمود پر مرنے والے بہت ہیں۔

(اقبال نامہ 2 ص38 بنام اکبر 1911ء)

☆ اب کوئی دن جاتا ہے پیران مشرق نہ رہیں گے اور آئندہ زمانے کے مسلمان بچے نہایت بد نصیب ہوں گے۔ (اقبال نامہ ص39، بنام اکبر 1911ء)

☆ اگر مناسب ذرائع اور طریق اختیار کیے جائیں تو اسلام اقوام عالم کو اب بھی مسخر کر سکتا ہے۔

(اقبال نامہ ص91 بنام محمد جمیل 1929ء)

☆ میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں کیونکہ ان کی تصانیف سیاسی پروپیگنڈہ یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہیں۔ (اقبال نامہ 2 ص96 بنام محمد جمیل 1930ء)

☆ شعر کا منبع وماخذ شاعر کا دماغ نہیں اس کی روح ہے اگرچہ تخیّل کے پایاں وسعتوں سے شاعر کو محفوظ رکھنے کے لیے دماغ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ (اقبال نامہ 2 ص155 بنام محمد اکبر منیر 1918ء)

☆ کتاب خریدنے میں احتیاط لازم ہے کیوں کہ نوے فی صد کتابوں میں کچھ بھی نہیں ہوتا لوگ نام کی وجہ سے خرید لیتے ہیں۔ (اقبال نامہ 2 ص157 بنام محمد اکبر منیر 1920ء)

☆ زندگی کا راز یہی ہے جہاں رہو جس حالت میں رہو خوش اور مطمئن رہو۔

(اقبال نامہ 2 ص167 بنام اکبر منیر 1925ء)

☆ دنیا میں بہت کم آدمی ہیں جو اپنی زندگی کے مختلف احوال و مقاصد سے آگاہ ہوتے ہیں عام طور پر ہم سب لوگ اپنی زندگی کا محض ایک خارجی مشاہدہ کر سکتے ہیں، اندرونی علل نہ اسباب و نتائج ہماری نظر سے مخفی رہتے ہیں۔ (اقبال نامہ 2 ص 167 بنام اکبر منیر 1925ء)

☆ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے۔ (اقبال نامہ 2 ص 178 بنام شاد 1917ء)

☆ امارت، عزت، آبرو جاہ چشم عام ہے مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلوؤں میں نہیں ہوتا۔
(اقبال نامہ 2 ص 181 بنام شاد 1917ء)

☆ انسانی قلب کے لیے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ (اقبال نامہ ص 181 بنام شاد 1917ء)

☆ جدید یورپین جذبہ انسانیت کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمدہ ہوا اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جا سکتا ہے۔ (اقبال نامہ 2 ص 213، بنام صاحبزادہ آفتاب احمد خان)

☆ زمانۂ حال میں میرے نزدیک اگر کوئی شخص مجدد کہلانے کا مستحق ہے تو وہ صرف جمال الدین افغانی ہے۔ (اقبال نامہ 2 ص 231، بنام محمد احسن 1932ء)

☆ میرے نزدیک فاشزم کمونزم یا زمانہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے۔ (اقبال نامہ 2 ص 314 بنام آل احمد سرور 1937ء)

☆ مسجدِ قرطبہ کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا ہے جو پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ (اقبال نامہ 2 ص 321,322 بنام شیخ محمد اکرام، 1933ء)

☆ ان شاء اللہ جب موت آئے گی تو مجھے متبسم پائے گی۔ (اقبال نامہ 2 بنام عبداللہ چغتائی 1937ء)

☆ دنیائے اسلام میں ایک ذہنی انقلاب کے آثار ہیں سیاسی اور اقتصادی مشکلات کے خاتمے پر ذہنی انقلاب کا آغاز یقینی ہے۔ (اقبال نامہ 2 ص 348، بنام عبداللہ چغتائی)

☆ زندگی کا اصل حقیقت تنوع اور گوناگونی ہے۔ (اقبال نامہ 2 ص 372 بنام مولوی صالح محمد 1930ء)

☆ ایک ہی شعر کا اثر مختلف قلوب پر مختلف ہوتا ہے بل کہ مختلف اوقات میں بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ قلوب انسانی کی اصلی فطرت اور انسانی تعلیم و تربیت اور تجربہ کا اختلاف ہے۔
(اقبال نامہ 2 ص 372 بنام مولوی صالح محمد 1930ء)

☆ ہندوستان کے مسلمان عقائد کی جنگ میں مبتلا ہو کر اسلامی دستور حیات کے فراموش کر گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسم پرستی اس قوم میں عام ہوگئی۔(سیرت اقبال ص 137 بنام ایف جیلانی 1936ء)

☆ زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشو ونما پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات و جذبات کے ادا کر سکنے پر ان کی بقا کا انحصار ہے۔(اقبال اور عبدالحق ص 50 بنام عبدالحق 1937ء)

☆ مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لیے جو لڑائیاں آئندہ لڑنی پڑیں گی ان کا میدان پنجاب ہوگا۔

(اقبال اور عبدالحق ص 44 بنام عبدالحق 1936ء)

☆ ہم سب انحطاط کے زمانے کی پیداوار ہیں اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے تمام عناصر اجزا اسباب کو اپنے شکار خواہ وہ شکار کوئی قوم ہو خواہ فرد کی نگاہ میں محبوب و مطلوب بنا دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب شکار اپنے تباہ و برباد کرنے والے اسباب کو اپنا بہترین مربی تصور کرتا ہے۔(صحیفہ اقبال نمبر 2، اکتوبر 1973ء بنام شادم 1916ء)

☆ یہ بیج جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے اُگے گا اور ضرور اُگے گا۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1، اکتوبر 1973ء، بنام شاد 1916ء)

☆ دنیا مخالفت کرتی ہے تو کرے اس کی پرواہ میں نے اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1 بنام شاد 1916ء)

☆ دعا ان حالات میں انقلاب پیدا کر سکتی ہے جن کے بدلنے کی کسی کو توقع نہیں ہوتی۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 136 بنام شادم 1916ء)

☆ شیر اپنی قوت سے آگاہ نہیں ہوتا۔(صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 161 بنام شاد 1916ء)

☆ عورت نظام عالم کی خوشبو ہے اور قلب کی نماز۔(صحیفہ اقبال نمبر 1 بنام شاد، 1915ء)

☆ اگر مقررہ وقت سے کچھ عرصہ پہلے رخصت ہو گئے تو کیا مضائقہ ہے دس سال پہلے کیا اور پیچھے کیا اور آخر رخصت تو ہونا ہے۔(صحیفہ اقبال 1، ص 158 بنام شادم 1915ء)

☆ انتظار میں بھی ایک لطف ہے۔(صحیفہ اقبال 1 بنام ساد 1915ء)

☆ مقدر سے زیادہ اور وقت سے پہلے نہیں مانگتا۔(صحیفہ اقبال نمبر 1، بنام شاد ص 154)

☆ جس معشوق سے زیادہ محبت ہو اس سے اصولاً زیادہ بے اعتنائی کرنی چاہیے۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 151 بنام شادم 1915ء)

☆ اقبال کبھی Politician نہیں بنے گا۔ (صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 151 بنام شاد 1915ء)

☆ میں تو وہ آدمی ہوں جو وقت سے پہلے کسی چیز کی خواہش اور آرزو نہیں کرتا۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 49 بنام شاد 1915ء)

☆ ہمارے مذہب میں شکایت ہی کفر ہے۔ (صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 136 بنام شاد 1914ء)

☆ دنیا میں موت سب انسانوں تک پہنچتی ہے اور کبھی کبھی انسان بھی موت تک جا پہنچتا ہے۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 132 بنام شاد 1914ء)

☆ انسان اپنی کمزوری کو چھپانے میں کس قدر طاق ہے بے بسی کا نام صبر رکھتا ہے اور پھر اس صبر کو اپنی ہمت واستقلال کی طرف منسوب کرتا ہے۔ (صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 131 بنام شاد 1914ء)

☆ اس مثنوی کو میں اپنی زندگی کا مقصد تصور کرتا ہوں میں مر جاؤں گا اور یہ زندہ رہنے والی چیز ہے۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 114 بنام شاد 1914ء)

☆ آنکھ نادیدنی نظارے سے دیکھتی ہے طبع سلیم ان کی بے ہودگی سے گھبراتی ہے لیکن ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں کہ ان نظاروں سے اپنے آپ کو اور اہل دنیا سے نجات دے سکے۔

(صحیفہ اقبال نمبر ص 113)

☆ زمانہ ابتدا و انتہا کی قیود سے آزاد ہے۔ (صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 113 بنام شاد 1914ء)

☆ جب مصیبت اپنی انتہا تک جا پہنچتی ہے اور انسان کے کریکٹر کو اچھی طرح پرکھ چکتی ہے تو رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے۔ (صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 111)

☆ زندگی اور موت ایک عجیب راز ہے خصوصاً بچوں کی موت تو ایسا سربستہ راز ہے کہ اس کا انکشاف حضرت انسان سے ممکن نہیں۔ (صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 2 بنام شاد 1913ء)

☆ متاع گراں مایہ اپنے دامن میں چھپائے رکھتا ہوں حالات مساعد پاؤں تو دنیا کو دکھاؤں اور اگر حالات مساعد نہ ملے تو اقبال کو خیالات ناگفتہ کا ایک متحرک مزار سمجھ لیجیے گا۔

(صحیفہ اقبال نمبر 1 ص 110 بنام شاد 1913ء)

☆ اگر میری یہ کتاب تشکیل جدید خلیفہ مامون الرشید کے دور میں شائع ہوتی تو پورے عالم اسلام میں ایک تہلکہ مچ جاتا۔ (روزگار 1 ص 184)

☆ زندگی کے تلخ حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ (روزگار 1 ص 188)

☆ ہندوستان کے مسلمانوں نے غور وفکر کرنا بالکل ترک کر دیا ہے وہ راکھ کا ڈھیر ہیں ضروریات پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔(روزگار1 ص188)

☆ انگریز نے اپنی سلطنت کی بنیاد مسلمانوں کی ہڈیوں پر رکھی ہے۔(روزگار ص154)

☆ خداشناسی کا ذریعہ خرد نہیں عشق ہے۔(روزگار1 ص177)

☆ قرآن اس لیے نازل ہوا کہ وہ انسان میں خدا سے ربط قلبی کا اعلیٰ شعور پیدا کر دے تاکہ انسان اس ربط کی بدولت مشیّتِ ایزدی سے ہم آہنگی پیدا کر سکے۔(روزگار1 ص179)

☆ موت بھی حیات انسانی ہی کا ایک پہلو ہے زندگی اس سے آگے بھی ہے۔(روزگار1،ص189)

☆ زندگی دراصل انسان میں قوت اعتماد پیدا کر دینے کا دوسرا نام ہے۔(روزگار ص189)

☆ شہر کی آبادی جس قدر بڑھتی جاتی ہے اس کی تہذیبی واقتصادی توانائی کم ہوتی جاتی ہے۔
(روزگار،1 ص49 مسولینی سے مکالمہ)

☆ میسولینی بغیر بائبل کے لوتھر ہے۔(روزگار1 ص50)

☆ جو دعائیں دل کی گہرائیوں سے نکلیں تو ضرور قبول ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ دعا کا اثر فوراً ظاہر ہو بعض دعائیں تو ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا اثر کہیں موت کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی بڑی مختصر ہے اور نظام کائنات بہت وسیع ہے۔(روزگار،ص61)

☆ دور حاضر میں تہذیب رو بہ تنزل ہے۔(روزگار1،ص164)

☆ جب شاعر کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں تو دنیا کی بند ہوتی ہیں اور جب شاعر کی کھلی ہوتی ہیں تو آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہیں تو دنیا کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ صدیوں تک اس تعریف وتوصیف کے گیت گاتی رہتی ہے۔(روزگار،ص65)

☆ جس قوم نے عورتوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی ہے۔
(روزگار1 ص66)

☆ ایسی کتاب تو کہیں صدیوں میں لکھی جاتی ہے جو شروع سے اخیر تک اس طرح بالاستعجاب پڑھنے کے لائق ہو کہ اس کا ایک لفظ بھی چھوٹنے نہ پائے۔(روزگار،1 ص68)

☆ اشعار کے لیے مجھے موزوں الفاظ کی جستجو کرنا نہیں پڑتی بل کہ پورے کے پورے اشعار واردات قلبی اور فکر کے سانچے میں ڈھل کر خود بخود سامنے آجاتے ہیں۔(روزگار،ص78)

☆ مسلمان ایک ایسا پتھر ہے کہ جس پر گرتا ہے اسے پاش پاش کر دیتا ہے اور جو اسی پر گرتا ہے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ (روزگار نمبر 1، ص 83)

☆ شاعر پر بھی روحانی غلبہ کا ایک خاص دور آتا ہے جب یہ کیفیت شباب پر ہو اور صحیح رہنمائی میسر نہ ہو تو وہ بہک جاتا ہے۔ (روزگار نمبر 1 ص 140)

☆ ایک معمولی انسان کو دنیا میں لانے کے لیے جو پچاس ساٹھ سال سے زیادہ اس دارِ فانی سے رخصت ہوتا ہے نیچر اس قدر تکلیف ایک بوڑھی عورت کو دیتی ہے۔ (روزگار 2، ص 191)

☆ انسان اگرچہ کائنات کے مقابلے میں ایک ذرہ ہے مگر اس ذرّے کے اندر ایک علیحدہ دنیا موجود ہے ذِی رُوح اور ذِی شعور ہونے کی حیثیت سے انسان کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا کو اپنے فکر اور عمل سے آباد کرے۔ (روزگار 2، ص 200)

☆ نظام عالم کے قوانین اٹل ہیں تو قوانین فطرت کی محکم زنجیر میں ہر شے جکڑی ہوئی اور مجبور ہے اس واسطے جب انسان کو اس عالمگیر مجبوری کا احساس ہوتا ہے وہ اپنے مصائب پر نالاں نہیں ہوتا بل کہ آنسوؤں کا سر چشمہ خشک ہو جاتا ہے۔ (روزگار 2 ص 139)

☆ دنیا میں موت کی عمومیت اور کثرت ہے اور ہر جگہ اس کی حکمرانی ہے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں یہ انسانی تمناؤں کا خون نہ کرتی ہو مگر یہ دنیا جہاں موت کی اتنی کثرت ہے۔ محض امتحان گاہ ہے اور کبھی نہ کبھی یہ امتحان ضرور ختم ہو جائے گا۔ (روزگار 2 ص 140)

☆ خدا کی ہستی نا قابل انکار حقیقت ہے اس کے لیے مجھے کسی فلسفیانہ دلیل کی ضرورت نہیں۔

(روزگار 2، ص 113)

☆ نیچر کا علم خدا کی خدائی کا علم ہے جب ہم نیچر کا مشاہدہ کرتے ہیں گویا ہم انائے مطلق کے قریب تر ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ (روزگار 2 ص 83)

☆ انسان کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں جب وہ خدا کو دیکھ سکتا ہے لیکن یہ لمحے کم نہیں ہوتے ہیں۔

(روزگار 2، ص 90)

☆ ہر ایک انسان اپنی جگہ پر مستقل حیثیت رکھتا ہے اور کسی کا وجود بیکار نہیں ہے لیکن اس حقیقت کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب ہمیں کسی شخص سے اچھی طرح سابقہ پڑے اور ہم اسے قریب سے دیکھیں۔ (روزگار 2، ص 94)

☆ مردہ جانوروں کے سر یا دھڑ محفوظ کر کے ان کی نمائش کرنا زندگی کی توہین کرنا ہے۔ (روزگار، ص 97)

☆ خدا نے حاکمیت میں تعمیر کردار، تربیت سیرت کے جو مواقع رکھے ہیں وہ محکومیت میں نہیں ہیں۔

(روزگار، ص 106)

☆ ایک بڑی استاد اور معلم کی حیثیت سورج کی سی ہے جو اپنی روشنی اور حرارت ہر چیز تک بے کم و کاست پہنچاتا ہے لیکن اس کا اثر مختلف چیزوں پر مختلف ہوتا ہے کسی پر اچھا کسی کا برا۔

(روزگار، ص 106,107)

☆ مسلمان کی بہترین تلوار دعا ہے اور اس سے کام لینا چاہیے ہر وقت دعا کرنی چاہیے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے۔ (روزگار، ص 2 ص 175 بنام اعجاز)

☆ روحانی کیفیت میں سب سے بڑا ممد و معاون کھانے پینے میں احتیاط ہے نبی کریم ﷺ کی ساری زندگی اس بات کا ثبوت ہے میں خود اپنی زندگی کے کم از کم کھانے پینے کے معاملات میں اسی طریق پر وہاں رہا ہوں۔ (روزگار 2، ص 176 بنام والد 1920ء)

☆ حقیقی شخصیت یہی ہے کہ انسان اپنی اصل حقیقت کا خیال کرے تمام تعلقات سے آزاد ہو جائے یعنی بالاتر ہو جائے۔ (روزگار 2، ص 181، بنام والد 1920ء)

☆ کامل انسان تعلقات سے بالاتر ہے۔ (روزگار 2 ص 183 بنام والد 1920ء)

☆ مذہب میں اطمینان اور قوت دونوں چیزیں ہیں۔ (روزگار 2 ص 183 بنام اعجاز)

☆ تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کرنا چاہیے اور ہر قسم کی فکر دل سے نکال دینی چاہیے، خدا کارساز ہے۔

(روزگار 2، ص 184 بنام اعجاز)

☆ انسان کو اپنی صحت و حالت کے مطابق اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرنی چاہیے اور نتائج خدا کے سپرد کر دینے چاہییں۔ (روزگار 2 ص 185 بنام اعجاز)

☆ میرے تمام معاملات جان و مال اور پیسہ اللہ کے سپرد ہے جب سے میں نے ایسا کیا ہے مجھے کوئی تردد نہیں ہوتا۔ (روزگار 2 ص 186 بنام اعجاز 1931ء)

☆ میں ان لوگوں کی حرف گیری آسانی سے برداشت کر سکتا ہوں خدا اور رسول ﷺ کی ناراضی سے میرا دل کانپتا رہتا ہے۔ (روزگار 2، ص 188 بنام والد)

☆ زندگی کبھی فنا نہیں ہوسکتی اور خود موت کی کثرت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ زندگی کو فنا نہیں ہے۔قدرت اگر پیکر انسانی کو توڑ دیتی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قدرت ظالم ہے بل کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ قدرت کو اس بات پر کامل اعتماد ہے کہ وہ ہزاروں اچھے سے اچھے پیکر اور جسم بنا سکتی ہے۔(روزگار 2،ص140)

☆ اکثر افسانوں کو کنج تنہائی میں بیٹھے ہمہ دانی کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ان کا قصور نہیں فطرتاً انسان ہی اسی قسم کا ہے۔(اقبال نامہ 1 ص11 بنام بابو عبدالمجید 1904ء)

☆ مسلم تو وہ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے یہ ایک قوت نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہر موسویت اور اہمیت کی آگ سے چھو جائے تو بردوسلام بن جائے پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے۔آسمان وزمین میں یہ نہیں سما سکتی۔یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں۔

(اقبال نامہ 1 ص13 بنام گرامی 1918ء)

☆ شعر کا صحیح ذوق شاعری سے کم نہیں۔(اقبال نامہ 1 ص23 بنام منشی سراجدین 1915ء)

☆ شوق خود مرشد ہے۔(اقبال نامہ 1 ص27 حکیم محمد حسین عرشی 1935ء)

☆ ایک قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض دفعہ ایسے نتائج پیدا کر جاتی ہے جو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتے۔(اقبال نامہ 1،ص28 بنام حکیم محمد حسین عرشی 1935ء)

☆ افسوس ہے،ہم اچھے زمانے میں پیدا نہیں ہوئے۔(اقبال نامہ 1،ص28 بنام حکیم محمد حسین عرشی 1935ء)

☆ عالم باعمل روز روز پیدا نہیں ہوتے۔(اقبال نامہ 1 ص31: بنام حکیم محمد حسین عرشی 1936ء)

☆ انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے عبید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔(اقبال نامہ 1 ص34 بنام سراج الدین پال 1916ء)

☆ زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے انسانوں کی طبائع انسان کے اذکار اور ان کے نقطۂ نگاہ بھی زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔(مقالاتِ اقبال،ص195)

☆ وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے۔(مقالاتِ اقبال،ص223،1938ء)

☆ اسلام مغربی تہذیب کی تمام عمدہ اصولوں کا سرچشمہ ہے۔(مقالاتِ اقبال،ص239)

☆ اخلاقی اور عملی اعتبار سے متصوفین اسلامیہ کی حکایات ومقولات کا مطالعہ نہایت مفید ہے لیکن

دین کی اصل حقیقت آئمہ اور علماء کی کتابیں پڑھنے سے ہی کھلتی ہے اور آج کل زمانے کا اقتضا یہ ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے عملی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا جائے۔

(مکاتیب اقبال ص 2 بنام نیاز 1916ء)

☆ مجھ میں خامیاں ضرور ہیں لیکن ریاکاری اور بے اعتنائی مجھ میں نہیں ہے۔

(اقبال نامہ عطیہ ص 66 بنام عطیہ 1910ء)

☆ شاعر کی جگر کاری کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے ان کے سامنے شعر بنا بنایا آتا ہے وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو سکتے جس نے الفاظ کی ترتیب پیدا کی ہے۔ جہاں اچھا شعر دیکھو سمجھ لو کہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے اچھے خیال کا پیدا کرنا اوروں کے لیے کفارہ ہوتا ہے۔

(ادبی دنیا ستمبر و اکتوبر ص 166 بنام گرامی)

☆ سیاسی آزادی کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ بعینہٖ دام دیئے مل جائے۔

(انوار اقبال، ص 27، ایڈیٹر زمانہ کانپور 1906ء)

☆-☆-☆

عمران خان سے رابطہ میں ناکامی!

عالمی شہرت یافتہ کرکٹر پاکستان تحریک انصاف کے چیئر مین 18 مارچ2018ء سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر اعظم جناب عمران خان سے روبرو ملاقات 20 دسمبر 1991ء بروز جمعتہ المبارک سرگودھا سپورٹس سٹیڈیم میں ہوئی۔ عمران خان سری لنکا کے خلاف ایک روزہ میچ کے لیے پاکستان کی کرکٹ ٹیم کی قیادت کر رہے تھے۔ اس وقت کے ڈپٹی کمشنر سلیم احمد اور ایس پی میاں آصف نے 19 دسمبر 1991ء دس بجے شب مجھے سپورٹس سٹیڈیم کی رواں سرگرمیاں بذریعہ مائیک پہنچانے کا حاضرین تک فریضہ سونپا۔ 20 دسمبر صبح 8 بجے سپورٹس سٹیڈیم کے وی وی آئی پی ان کلوژر کے ساتھ لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ جسے پولیس نے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ آسمان پر سیاہ بادل ادھر ادھر گھوم رہے تھے لیکن پاکستانی کرکٹ ٹیم کے گراؤنڈ میں داخل ہوتے ہی بادلوں نے جھپٹنا شروع کر دیا۔ مائیک پر استقبالیہ جملوں کے بعد ملی نغموں کا سلسلہ شروع ہوا تو راقم الحروف (ہارون الرشید تبسم) کو عمران خان سے نہ صرف مصافحہ کرنے کا موقع بلا بلکہ میرے دوست مجسٹریٹ شفیق شاہ ان سے میرا بھرپور تعارف کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ پاکستان نے سری لنکا کو سرگودھا کی سرزمین پر شکست دے کر اپنی فتوحات کا آغاز کیا۔ الحمدللہ! کامیابیوں کا یہ سفر 25 مارچ 1992ء بروز بدھ ورلڈ کپ کی فتح کی صورت سامنے آیا۔ 21 مارچ 1992ء کو پاکستان نے ایک سنسنی خیز مقابلے کے بعد نیوزی لینڈ کو 4 وکٹوں سے شکست دی۔ عالمی کپ کا یہ مقابلہ آسٹریلیا کے شہر ملبرن میں ہوا۔ فائنل میچ انگلستان اور پاکستان کے درمیان کھیلا گیا۔ پاکستان نے 6 وکٹوں کے نقصان پر 249 رنز بنائے۔ انگلستان نے 49.2 اوورز میں 227 رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی۔ پاکستان نے یہ میچ 22 رنز سے جیت لیا۔ وسیم اکرم

مین آف دی میچ قرار پائے جب کہ اس ٹیم کی قیادت عمران خان نے کی۔ شاہینوں کے شہر سرگودھا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس فتح کا آغاز سرگودھا سے ہوا۔ ورلڈ کپ کی فتح کے بعد عمران خان نے شوکت خانم ہسپتال کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا۔ عطیات جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو عمران خان نومبر 1996ء میں سرگودھا بھی تشریف لائے۔ معروف قانون دان اور ممتاز سماجی شخصیت کریم داد تارڑ کا دولت کدہ ہیڈ کوارٹر کی صورت اختیار کر گیا۔ سماجی تنظیموں نے عمران خان کے لیے دل کھول کر عطیات جمع کیے۔ میزہ تارڑ اور نازی تارڑ کی شفقت سے مجھے بارِ دگر عمران خان سے ملنے کا موقع ملا۔ کریم داد تارڑ کی شفقت ہے کہ ڈپٹی کمشنر مظہر علی خان اور مجھے عمران خان کے ہراول دستہ میں شامل کر لیا گیا۔ جامع گرلز ہائی سکول، گورنمنٹ کالج چاندنی چوک PAF,APS اور دیگر تعلیمی اداروں کے بعد باغ جناح کی مرکزی تقریب کی نظامت کا فریضہ بھی میرے حصے میں آیا۔ کریم دادا تارڑ عمران خان کے ٹرک میں خود سوار نہ ہوئے۔ بل کہ یہ موقع ڈپٹی کمشنر اور راقم کو مل گیا۔ شہر کے مرکزی بازاروں میں انسانی سر نظر آرہے تھے۔ عمران خان پر چاروں اطراف سے پیسوں کی بارش ہو رہی تھی۔ گل پاشی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ آخری تقریب لیڈیز کلب نزد کڑانہ بار ہوٹل منعقد ہوئی جس کی صدارت کمشنر تحمل عباس نے کی۔

عمران خان کو سرگودھا سے دس لاکھ چندے کی توقع تھی لیکن اس شہر نے اپنی دریا دلی سے 43 لاکھ روپے عطیہ دے کر عمران خان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ عمران خان کے اس دورہ کی فل پریس کوریج زمان پارک لاہور ارسال کی گئی جس کا کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ یکے بعد دیگرے عمران خان کو اپنی تخلیقات بھیجنے کا موقع ملتا رہا لیکن چیئرمین پاکستان تحریک انصاف اپنی طوفانی مصروفیات سے جواب کے لیے وقت نہ نکال سکے۔ ایک بڑے عوامی جلسہ میں سے عمران خان نے قائد اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ تو نی گالا، اسلام آباد پہنچنے پر عمران خان کو فکرِ اقبالؒ سے مزین کتب ارسال کیں۔ دھرنے کے دوران ایک شاگرد رشید لیاقت علی خان نے بھی فکر اقبال کی کتابی تحائف جناب عمران خان کو پیش کیے جنھیں خان نے درخورِ اعتنا سمجھا۔

قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ محمد اقبالؒ خطوط کے جواب دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ علامہ محمد اقبالؒ کو جتنے خطوط موصول ہوتے وہ سب کے جواب دیا کرتے۔ آج اقبالؒ کے تحریر کردہ خطوط

نہ صرف محفوظ ہیں بل کہ ان کے فکری پہلوؤں پر ایم اے۔ ایم فل اور پی۔ ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات لکھے جا رہے ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ بھی اس ضمن میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ فیروز خان نون نے ایک جلسہ میں عوام سے چندے کی اپیل کی تو لوگوں نے اسٹیج پر حسب توفیق چندہ پھینکنا شروع کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اپنی کرسی سے اُٹھے اور مختصر تقریر کے بعد لوگوں سے اپیل کی کہ وہ یہ امدادی رقم بذریعہ منی آرڈ بھجوائیں تا کہ آپ کی امانت ہمارے ریکارڈ میں رہے۔ چند دنوں بعد اتنے منی آرڈ وصول ہوئے کہ بوری بھر گئی۔ محترمہ فاطمہ جناح کمرے میں داخل ہوئے اور کہا کہ آپ کے اپنے دستخطوں کی مہر بنوالیں تا کہ آپ کا وقت بچ جائے اور کام بھی جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔ قائداعظم نے جواب دیا کہ عوام نے مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ کیا مسلمانوں کا لیڈر اس کے جواب میں انھیں دستخط بھی نہیں ارسال کر سکتا؟ علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے خطوط کا جواب دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔ یہ امر باعث افسوس ہے کہ ہم دوسروں کے جذبات و احساسات کا احترام نہیں کرتے۔ خطوط کا جواب دینے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ پرانے پاکستان میں تو خطوط کے جواب دینے کا رواج نہیں تھا۔ مجھے اُمید ہے کہ نئے پاکستان میں عوام رابطہ مہم میں کمی نہیں آئے گی۔ وزیرِ اعظم کا منصب سنبھالنے کے بعد راقم الحروف (ہارون الرشید تبسم) نے عمران خان صاحب کو مبارک باد کا خط اور کتابوں کا ایک تحفہ بھی ارسال کیا لیکن افسوس نئے پاکستان میں بھی اُس کا جواب موصول نہ ہوا۔ رجسٹرڈ پارسل نمبر 521، بتاریخ 25 اگست 2018ء بروز ہفتہ۔ سٹی پوسٹ آفس سے استفسار کیا تو پتا چلا کہ یہ پارسل بخیریت بنی گالا اسلام آباد پہنچ چکا ہے۔ 29 ستمبر 2018ء بروز ہفتہ پارسل نمبر 176 کے تحت وزیرِ اعظم کو تین کتب ارسال کرنے کی جسارت کی۔ اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جس کی توقع تھی۔

عمران خان صاحب سے کیا گلہ کیوں کہ پرانے پاکستان میں بھی یہی رواج تھا۔ ویسے بھی بڑے لوگوں کو تنگ کرنا کہاں کی شرافت ہے۔ انھیں تو صرف اہلِ سیاست سے لگاؤ ہوتا ہے۔ علم و ادب، محبانِ وطن سے رابطہ کر کے اہلِ اقتدار کو کیا فائدہ۔ آج قائداعظم محمد علی جناحؒ، ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ، سر سید احمد خان، مرزا اسد اللہ خان غالب، ابوالکلام آزاد اور ایسے ہی بہت سے اکابر کے خطوط اُن کی اخلاقی، تعلیمی، انسانی عظمت کے عکاس ہیں۔ عصرِ حاضر میں خطوط کے جواب دینا ناپید

ہو چکا ہے۔ راقم الحروف کے رجسٹرڈ خطوط اور کم از کم تیس ضخیم کتابوں کا جواب موصول نہ ہوا تو ایک عام شہری کسی جواب کی کیا توقع رکھ سکتا ہے؟ خط نصف ملاقات کا ذریعہ ہے۔ خان سے یہ شکایت نہیں بل کہ بحیثیت ایک ادنیٰ پاکستانی کے ان کی توجہ اس اہم فریضہ کی طرف مبذول کروانا ہے۔

یاد رکھو تو دل کے پاس ہیں ہم
بھول جاؤ تو فاصلے ہیں بہت

☆-☆-☆

پاکستان کے حکمرانوں کا آئینہ!

☆ گورنر جنرل (Governor Generals)

1۔	قائداعظم محمد علی جناح	15/اگست 1947ء تا 11/ستمبر 1948ء
2۔	خواجہ ناظم الدین	14/ستمبر 1948ء تا 17/اکتوبر 1951ء
3۔	ملک غلام محمد	19/اکتوبر 1951ء تا 15/اکتوبر 1955ء
4۔	میجر جنرل سکندر مرزا	6/اکتوبر 1955ء تا 23/مارچ 1956ء

نوٹ:۔ 23 مارچ 1956ء کے آئین کے نفاذ کے بعد پاکستان کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا تھا۔ اس لیے گورنر جنرل کی جگہ صدر کو مملکت کا سربراہ بنادیا گیا۔

☆ صدرِ پاکستان (Presidents)

1۔	میجر جنرل سکندر مرزا	23/مارچ 1956ء تا 27/اکتوبر 1958ء
2۔	فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	27/اکتوبر 1958ء تا 25/مارچ 1969ء
3۔	جنرل آغا محمد یحییٰ خان	25/مارچ 1969ء تا 20/دسمبر 1971ء
4۔	ذوالفقار علی بھٹو	20/دسمبر 1971ء تا 23/اگست 1973ء
5۔	فضل الٰہی چودھری	14/اگست 1973ء تا 12/ستمبر 1978ء
6۔	جنرل محمد ضیاء الحق	16/ستمبر 1978ء تا 18/اگست 1988ء
7۔	جناب غلام اسحٰق خان	17/اگست 1988ء تا 18/جولائی 1993ء
8۔	وسیم سجاد (قائم مقام)	18/جولائی 1993ء تا 13/نومبر 1993ء

9۔	سردار فاروق احمد لغاری	14/نومبر 1993ء تا 2/دسمبر 1997ء
10۔	وسیم سجاد (قائم مقام)	2/دسمبر 1997ء تا 31/دسمبر 1997ء
11۔	جسٹس (ر) محمد رفیق تارڑ	یکم جنوری 1998ء تا 20/جون 2001ء
12۔	جنرل پرویز مشرف	20/جون 2001ء تا 18/اگست 2008ء
13۔	میاں محمد سومرو	18/اگست 2008ء تا 9/ستمبر 2008ء
14۔	آصف علی زرداری	9/ستمبر 2008ء تا 8/ستمبر 2013ء
15۔	ممنون حسین	9/ستمبر 2013ء تا 9/ستمبر 2018ء
16۔	عارف الرحمٰن علوی	9 ستمبر 2018ء تا

☆ پاکستان کے نائب صدر (Vice President)

1۔	نور الامین	21/دسمبر 1971ء تا 14/اگست 1973ء

☆ پاکستان کے وزرائے اعظم (Prime Ministers)

1۔	خان لیاقت علی خان	15/اگست 1947ء تا 16/اکتوبر 1951ء
2۔	خواجہ ناظم الدین	19/اکتوبر 1951ء تا 17/اپریل 1953ء
3۔	محمد علی بوگرہ	17/اپریل 1953ء تا 11/اگست 1955ء
4۔	چودھری محمد علی	11/اگست 1955ء تا 12/ستمبر 1956ء
5۔	حسین شہید سہروردی	12/دسمبر 1956ء تا 18/اکتوبر 1957ء
6۔	آئی آئی چندریگر	18/اکتوبر 1957ء تا 16/دسمبر 1957ء
7۔	ملک فیروز خان نون	16/دسمبر 1957ء تا 7/اکتوبر 1958ء
8۔	جنرل محمد ایوب خان	24/اکتوبر 1958ء تا 27/اکتوبر 1958ء
9۔	نور الامین (نامزد)	7/دسمبر 1971ء تا 20/دسمبر 1971ء
10۔	ذوالفقار علی بھٹو	14/اگست 1973ء تا 5/جولائی 1977ء
11۔	محمد خان جونیجو	23/مارچ 1985ء تا 29/مئی 1988ء
12۔	محترمہ بے نظیر بھٹو	2/دسمبر 1988ء تا 16/اگست 1990ء

13۔	غلام مصطفیٰ جتوئی (نگران وزیراعظم)	6/اگست 1990ء تا 6/نومبر 1990ء
14۔	میاں محمد نواز شریف	6/نومبر 1990ء تا 18/اپریل 1993ء
	= = =	اور 26/مئی تا 18/جولائی 1993 تک
15۔	بلخ شیر مزاری (نگران)	18/اپریل 1993ء تا 26/مئی 1993ء
16۔	معین احمد قریشی (نگران)	18/مئی 1993ء تا 19/اکتوبر 1993ء
17۔	محترمہ بے نظیر بھٹو	19/اکتوبر 1993ء تا 5/نومبر 1996ء
18۔	ملک معراج خالد	5/نومبر 1996ء تا 16/فروری 1997ء
19۔	میاں محمد نواز شریف	16/فروری 1997ء تا 12/اکتوبر 1999ء
20۔	میر ظفر اللہ خان جمالی	23/نومبر 2002ء تا 26/جون 2004ء
21۔	چودھری شجاعت حسین	27/جون تا 25/اگست 2004ء
22۔	شوکت عزیز	27/اگست 2004ء تا 15/نومبر 2007ء
23۔	محمد میاں سومرو (نگران)	16/نومبر 2007ء تا 24/مارچ 2008ء
24۔	سید یوسف رضا گیلانی	25/مارچ 2008ء تا 26/اپریل 2012ء
25۔	راجہ پرویز اشرف	22/جون 2012ء تا ۲۵/مارچ 2013ء
26۔	میر ہزار خان کھوسو (نگران)	24/مارچ 2013ء تا 5/جون 2013ء
27۔	میاں محمد نواز شریف	5/جون 2013ء تا 28/جولائی 2017ء
28۔	شاہد خاقان عباسی	یکم اگست 2017ء تا 31 مئی 2018ء
29۔	ناصر الملک (نگران)	یکم جون 2018ء تا 17/اگست 2018ء
30۔	عمران احمد خان نیازی	18/اگست 2018ء تا حال
☆	نائب وزیراعظم	
1۔	چودھری پرویز الٰہی	25/جون 2012ء تا 16/مارچ 2013ء
☆	چیف ایگزیکٹو	
1۔	جنرل پرویز مشرف	12/اکتوبر 1999ء تا 23/نومبر 2009ء

☆ پاکستان کے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹرز

1۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان ۷/اکتوبر 1958ء تا 8 جون 1962ء

2۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خان 25 مارچ 1969ء تا دسمبر 1971ء

3۔ ذوالفقار علی بھٹو 20 دسمبر 1971ء تا اپریل 1972ء

4۔ جنرل محمد ضیاء الحق 5 جولائی 1977ء تا 30 دسمبر 1985ء

5۔ جنرل پرویز مشرف (چیف ایگزیکٹیو) 12/اکتوبر 1999ء تا 19 جون 2001ء

☆-☆-☆

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسّم کا اقبالیاتی سرمایہ

1۔ اقبال جو اقبال ہے

مکتبۂ تعمیر انسانیت اُردو بازار لاہور، 1992ء صفحات 128، قیمت 100 روپے

2۔ حیاتِ اقبال کا سفر

مکتبۂ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، 1992ء صفحات 208، قیمت 60 روپے

3۔ بیت بازی اقبالیات

القمر انٹر پرائز اردو بازار لاہور، جنوری 1994ء صفحات 232 قیمت 60 روپے

4۔ علامہ اقبال بحیثیت اَدبی نقاد

بزم عمل و فن اسلام آباد، 10۔ جنوری 1998ء صفحات 224 قیمت 180 روپے

5۔ ''خزینۂ اقبال''

مکتبۂ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، یکم جنوری 2013ء، صفحات 288، قیمت 400 روپے

6 ''اقبال کے گوہر شہوار''

مکتبۂ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، 23 مارچ 2013ء صفحات 448، قیمت 600 روپے

7۔ ''اقبال اور سرگودھا''

محمد ندیم، رانا پرنٹنگ پریس لاہور، صفحات 496، قیمت 1000 روپے

8۔ ''قندیل اقبال''

مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور، صفحات 480، قیمت 700 روپے

9۔ ''ڈاکٹر وزیر آغا بطور اقبال شناس''

بک کارنر جہلم، 7 ستمبر 2014ء، صفحات: 285، قیمت۔480

10۔ ''خورشید اقبال''

بک کارنر جہلم، 25 ستمبر 2014، صفحات: 1152، قیمت۔2400

11۔ ''ڈاکٹر ایوب صابر بطور اقبال شناس''

بک کارنر جہلم، 23 مارچ 2015ء، صفحات: 496، قیمت۔900

12۔ ''تقاریرِ اقبال''

بک کارنر جہلم، 06 ستمبر 2015ء، صفحات 256، قیمت: 480 روپے

13۔ ''زاہد منیر عامر مفکر و اقبال شناس''

مقبول اکیڈمی، لاہور، 2/ اکتوبر 2016ء، صفحات 800، قیمت: 4500 روپے

14۔ ''ذخیرۂ اقبال''

بک کارنر جہلم، 23 مارچ 2017ء، صفحات 375، قیمت: 800 روپے

15۔ ''کائناتِ اقبال''

بک کارنر جہلم، 23 مارچ 2017ء، صفحات: 240، قیمت: 480 روپے

16۔ ''بیت بازی کلامِ اقبال''

بک کارنر جہلم، 23 مارچ 2017ء، صفحات: 232، قیمت: 380 روپے

17۔ ''موضوعاتی کلامِ اقبال''

بک کارنر جہلم، 23 مارچ 2017ء، صفحات: 416، قیمت: 600 روپے

18۔ ''بہارِ اقبال''

بک کارنر جہلم، 26 جون 2017ء، صفحات: 336، قیمت: 1000 روپے

19۔ ''ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بحیثیت اقبال شناس''

مقبول اکیڈمی، لاہور، 26 جون 2017ء، صفحات: 248، قیمت: 1000 روپے

20۔ ''نوریۂ اقبال''

بک کارنر جہلم، 10/اگست 2017ء، صفحات: 400، قیمت: 1000 روپے

21۔ ''ڈاکٹر سلیم اختر بحیثیت اقبال شناس''

مقبول اکیڈمی، لاہور 15 فروری 2018ء، صفحات: 208، قیمت: 900 روپے

22۔ ''چند ہم عصر اقبال شناس''

بک کارنر جہلم، 21/اپریل 2018ء، صفحات: 984، قیمت: 1500 روپے

23۔ ''فکرِ اقبال میں انسانی مسائل کا حل''

بک کارنر جہلم، 26 جون 2018ء، صفحات: 240، قیمت: 600 روپے

24۔ ''عہدِ رفتہ کے ممتاز اقبال شناس''

مثال پبلشرز، فیصل آباد، 10/اگست 2018ء، صفحات: 336، قیمت: 1000 روپے

25۔ ''اقبالیات بچوں کے لیے''

مثال پبلشرز، فیصل آباد، 24/اگست 2018ء، صفحات: 208، قیمت: 400 روپے

26۔ ''فلسفۂ اقبال اور نیا پاکستان''

مثال پبلشرز، فیصل آباد، 18/اکتوبر 2018ء، صفحات: 276، قیمت: 700 روپے

☆-☆-☆



پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرّشید تبسّم

ولدیت : محمد ایوب مغل (۱۹۲۹ء۔ ۱۸ مارچ ۱۹۸۲ء)

تاریخ پیدائش : ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء

پتہ رہائش : ۳۱۹ وائی علامہ اقبال کالونی سرگودھا

فون ۰۴۸-۳۷۱۱۷۱۷

میل : drharoonsgd@gmail.com

ریٹائرمنٹ : یکم اکتوبر ۲۰۱۵ء (گریڈ ۲۰)

سابق صدر شعبہ اردو

گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج سرگودہا

ایم فل (اقبالیات: ۱۹۹۳ء)

پی ایچ ڈی (اردو: ۲۰۰۲ء)

کتب : ادبی: ۹۳

نصابی: ۲۷

ذمہ داریاں : صدر: بزم علم وفن سرگودھا

صدر: نظریہ پاکستان اکادمی سرگودھا

صدر: پاکستان ادب اکادمی سرگودھا

چیئرمین: پاکستان لٹریری کونسل

جنرل سیکرٹری: سرگودھا رائٹرز اکیڈمی

ڈپٹی چیف وارڈن: سول ڈیفنس سرگودھا

کمپیئر: ریڈیو پاکستان سرگودھا

خواب : شہادت

اشاعت : ۱۸/۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء

9789695814444

Misaal PUBLISHERS
misaalpb@gmail.com